ب

دریں کتاب پریشاں نہ بینی از ترتیب
عجب مدار کہ چوں حال من پریشان است

ثمراتِ الاوراق

یعنی

علمی۔ تاریخی۔ اخلاقی۔ ادبی متفرق مضامین نثر و نظم کا بہترین

کشکول

از تصانیف
مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ

ناشر
دار الاشاعت
مولوی مسافرخانہ کراچی ۱

اشاعت اول ——— مارچ ۱۹۶۳ء
تعداد طبع ——— ایک ہزار
تعداد صفحات ——— ۳۰۴ تین سو چار
قیمت مجلد ——— ۷/۵۰ سات روپے پچاس پیسے
مطبوعہ ——— انٹرنیشنل پریس میکلوڈ روڈ کراچی

ناشر

دار الاشاعت

مولوی —— مسافر خانہ —— بندر روڈ کراچی

لاہور میں ملنے کا پتہ

ادارہ اسلامیات نمبر ۱۹ انار کلی لاہور

فہرست مضامین علمی جواہر ریزے

فہرست مضامین حصہ دوم (نظم)

ثمرات الاوراق

یا

علمی

جواہر پارے

یعنی علمی، اخلاقی، فقہی، تاریخی، ادبی، اصلاحی چیدہ چیدہ مضامینِ متفرقہ کا نہایت دلچسپ اور مستند علمی کشکول

از حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دامت برکاتہم
مفتیٔ اعظم پاکستان

ناشر

دار الاشاعت

مقابل مولوی مسافر خانہ، کراچی ۱

اضافہ شدہ جدید ایڈیشن

اشاعت اوّل ـــــــــ ۱۹۶۳ء

کتابت ـــــــــ انیس بیگ

تصحیح ـــــــــ محمد رضی عثمانی

تعداد طبع ـــــــــ ایک ہزار ۱۰۰۰

قیمت مجلد ـــــــــ سات روپے پچاس پیسے

ناشر ـــــــــ دار الاشاعت کراچی

مطبوعہ ـــــــــ انٹرنیشنل پریس کراچی

لاہور میں ملنے کا پتہ

ادارہ اسلامیات

۱۹۰، انارکلی لاہور

ثمرات الاوراق

یا

علمی جواہر ریزے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وکفی وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

اما بعد ، یہ ایک بے ترتیب مضامین کا مجموعہ ہے جس میں نہ کسی خاص علم و فن کی تخصیص ہے نہ ترتیب وتبویب کی رعایت ، کتب بینی کے دوران جب کہیں کوئی مختصر مضمون اور دلچسپ نظر آیا ، اس سلسلہ میں درج کر دیا ، مقصد یہ تھا کہ آجکل عام ذہنی فرصتی یا کم ہمتی کے سبب طویل مضامین اور کسی مضمون پر مستقل کتاب دیکھنے سے اکتاتی ہیں ، اس طرح کے مختلف اور متفرق مضامین خصوصاً چند سطری مفید کلمات بعض اوقات انسان کی زندگی میں انقلاب پیدا کر دیتے ہیں ،

یہ مضامین متفرقہ کا سلسلہ دیوبند سے شائع ہونیوالے قدیم رسائل القاسم ، الرشید

میں اور پھر المفتی میں شائع ہوتے رہے، اللہ تعالیٰ نے اس کو حسن قبول عطا فرمایا، احباب کا تقاضہ ہوا کہ اس کو مستقل کتابی صورت میں شائع کر دیا جائے، اسی زمانہ میں ایک مرتبہ اس کے کچھ اجزار کتابی صورت میں شائع بھی ہوئے مگر بہت جلد نایاب ہوگئے تقریباً بیس سال کے بعد اب برخوردار عزیز محمد رضی سلمہ نے اپنے ادارہ دارالاشاعت سے اس کی اشاعت کا قصد کیا اور اس کے پورے اجزار کو فراہم کیا تو اس میں بہت کچھ جدید اضافے بھی شامل کر دیئے گئے، ترتیب تو ان مضامین میں ہونا ہی نہیں چاہئے بلکہ ؎

دریں کتاب پریشان نہ بینی از ترتیب
عجب مدار کہ چوں حال من پریشان است

مگر انشاء اللہ تعالیٰ یہ امید ہے کہ ہر طبقہ اور ہر مزاج کے لئے فائدہ اور دلچسپی سے خالی نہ ہونگے، واللہ الموفق المعین،

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

خادم دارالعلوم کراچی

۱۵ رجمادی الاولیٰ ۱۳۸۰ھ

۵ رنومبر ۱۹۶۰ سنہ عیسوی

حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت غیر مسلموں کے قلوب میں

حکیم ابن حزام رجن کو آج ہم حضرت حکیم ابن حزام رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، جبتک مسلمان نہیں ہوئے تھے، شرک وبت پرستی کے جال میں مقید، اسلام اور مسلمانوں کے دشمنوں میں داخل تھے اسلام اور پیغمبر اسلام کے طریقہ کو اچھی نظر سے نہ دیکھتے تھے، قریش عرب کے سردار مانے جاتے تھے، مگر تعجب ہے کہ محبوب عالم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گرویدہ اور آپ کی محبت میں مخمور رہتے،

عشق را نازم کہ یوسف را ببازار آورد ہمچو صنعا زاہدے را زیر زنار آورد

امام حدیث وتاریخ، ابن عساکر اپنی تاریخ میں زبیر ابن بکار کی روایت سے نقل کرتے ہیں کہ جن ایام میں بے رحم وظالم کفار نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے قبیلہ بنی ہاشم سے بالکلیہ مقاطعہ کیا اور پہاڑ کی ایک گھاٹی میں آپ کو مع ساری قبیلہ کے مقید کر کے آب ودانہ پہنچنے کے سارے راستے بند کر دیئے، آپ کو اور صحابہ کرام کو درختوں کے پتے کھاکر وقت گزارنے کی نوبت آئی، یہ کس کی مجال تھی کہ ساری برادری کے خلاف آپ کو کوئی سامان پہنچادے، حکیم ابن حزام اس واقعہ سے بے چین تھے، آخر یہ صورت نکالی کہ جب ملک شام سے ان کا تجارتی قافلہ گیہوں لے کر آتا تو جن اونٹوں اور گدھوں پر گیہوں لدے ہوتے تھے ان کو اس پہاڑ کی گھاٹی کے دروازے پر لیجاتے اور وہاں پہنچ کر ان کو مارنا شروع کرتے، یہاں تک کہ وہ بھاگ کر اس گھاٹی میں گھس جاتے اور بنی ہاشم ان کو پکڑ کر ان سے غلہ حاصل کر لیتے تھے،

امام احمد روایت کرتے ہیں کہ حکیم حزام فرمایا کرتے تھے کہ زمانۂ جاہلیت میں بھی مجھے سب سے زیادہ محبت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی، جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ طیبہ میں رونق افروز ہو چکے تو ایک مرتبہ حکیم ابن حزام موسم حج میں شریک تھے وہاں دیکھا کہ عرب کے مشہور بادشاہ ذی یزن کا ایک حلہ فروخت ہو رہا ہے، یہ اگرچہ اس وقت کافر تھے مگر جوش محبت نے انہیں اس پر مجبور کر دیا کہ یہ نفیس اور قیمتی حلہ خرید کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہدیۃً پیش کریں بڑی قیمت دیکر خریدا اور پھر خود مدینہ طیبہ کا سفر کر کے آپ کی خدمت میں پہنچے اور عرض کیا کہ یہ حلہ میری

طرف سے ہدیۃً قبول فرمالیجئے" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ بعض اوقات کفار کا ہدیہ بھی قبول فرمالیتے تھے جیساکہ احادیث معتبرہ میں اس کے شاہد موجود ہیں مگر غالباً اس موقع پر حکیم ابن حزام کی اس محبت کو دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ توقع ہوگئی کہ شاید یہ اسلام قبول کرلیں، اس لئے ارشاد فرمایا کہ

"ہم مشرکین سے ہدیہ نہیں لیا کرتے لیکن اگر آپ چاہیں تو ہم قیمت دے کر یہ حلہ لے سکتے ہیں"

ایک روایت میں ہے کہ حکیم ابن حزام کہتے ہیں کہ مجھے اس سے سخت پریشانی ہوئی کہ آپ نے میرے ہدیہ کو رد کردیا اور قیمت دے کر دینا مجھے گوارا نہ ہوا، اس لئے میں یہاں سے یہ ارادہ لے کر آیا تھا کہ سب سے پہلے جو آدمی مجھے ملے گا میں اس کے ہاتھ یہ حلہ فروخت کردوں گا خواہ کتنی ہی کم قیمت پر فروخت کروں، ادھر سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ کو خفیہ طور پر میرے پیچھے لگادیا کہ جب یہ فروخت کرنے لگیں تو تم فروخت لینا، چنانچہ زید بن حارثہ رضہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے حلہ خرید لیا، اور اس کے بعد میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک پر یہ حلہ پہنے دیکھا تو مسرت کی انتہا نہ رہی کیونکہ جو مقصد تھا وہ ایک درجہ میں حاصل ہوگیا،

حکیم ابن حزام رضہ فرماتے ہیں کہ جب آپ یہ حلہ زیب تن فرماتے تھے تو مجھے ساری جہان میں آپ سے زیادہ حسین وجمیل کوئی معلوم نہ ہوتا تھا (تاریخ ابن عساکر ص۴۱۶ لغایۃ ص۴۱۸ جلد ۴)

حضرت حکیم رضی اللہ عنہ نے غزوہ بدر کے موقع پر بھی بہت کوشش کی کہ اپنی قوم کفار قریش کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ سے روک دیں اور عتبہ بن ربیعہ کو بھی اس کام میں اپنا ہمخیال بنا لیا تھا مگر ابوجہل کی قسمت میں اس وقت موت لکھی تھی اس لئے انکی تدبیر چلنے نہ دی (ابن عساکر، ص ۴۲۰ جلد ۴)

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کا اسلام

حکیم بن حزام (جیساکہ واقعات مذکورہ سے معلوم ہوا) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زمانہ جاہلیت کفر میں ہی والہانہ محبت رکھتے تھے لیکن مذہب اسلام کو قبول کرنے پر شرح صدر اور اطمینان حاصل نہ ہوا تھا اس لئے ہجرت کے نویں سال تک برابر اپنے آبائی مذہب پر قائم رہے، رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم بھی انکی محبت صادقہ کی وجہ سے یہ چاہتے تھے کہ یہ بھی دولت اسلام سے مالامال ہوں اور کفر و شرک

کی لعنت سے نجات پائیں ،

حضرت عبداللہ ابن عباس رضؓ فرماتے ہیں کہ فتح مکہ کے وقت جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ کے قریب پہنچے تو مجھے فرمایا کہ مکہ معظمہ میں چار آدمی ایسے ہیں جن کا شرک میں مبتلا رہنا مجھ پر شاق و ناگوار ہے اور میری تمنا ہے کہ وہ مسلمان ہو جائیں ، ہم نے عرض کیا کہ وہ کون لوگ ہیں ، آپ نے فرمایا ، وہ یہ ہیں ، عتاب بن اسید ، جبیر بن مطعم ، حکیم بن حزام ، سہیل بن عمرو ، حق تعالیٰ نے آپکی یہ تمنا پوری فرمائی اور یہ چاروں حضرات اسلام میں داخل ہو گئے ،

الغرض حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کو جب تک اسلام اور اسکی تعلیمات کی حقانیت پر شرح صدر نہیں ہو گیا ، باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے اسلام میں داخل ہونے سے محترز رہے اور جب حق تعالیٰ نے ان کو اسلام کی توفیق بخشی اور توحید کا ذائقہ محسوس کیا تو اتنے دنوں تک مسلمان ہونے میں تاخیر کرنے پر افسوس کرتے تھے ،

ایک روز حکیم رضی اللہ عنہ کو دیکھا گیا کہ زار زار رو رہے ہیں ، صاحبزادی نے عرض کیا ، اباجان رونے کا کیا باعث ہے ، فرمایا ، میری ساری حرکتیں رونے کے ہی قابل ہیں کہ میں نے اسلام لانے میں اتنی تاخیر کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شرکت جہاد کے بڑے بڑے مواقع فوت کر دیئے اور فتح مکہ تک مجھے اسلام پر شرح صدر نصیب نہ ہوا ، (ابن عساکر ص ۱۷۴ جلد ۴)

کہاں ہیں وہ ظالم افتراء پرداز جو کہا کرتے ہیں کہ اسلام بزور شمشیر پھیلایا گیا ہے ، وہ حکیم بن حزام سے پوچھیں کہ تمہیں کس تلوار نے اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا تھا ؟

فتح مکہ میں حضرت حکیم مشرف بہ اسلام ہوتے ہی غزوہ حنین میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک جہاد ہوئے ، ایک مرتبہ حضرت حکیم کو کوئی ضرورت پیش آئی ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عطا کا سوال کیا ، آپ نے کچھ روپیہ عطا فرما دیا ، ایسا ہی واقعہ پھر پیش .... آیا اور ان کے سوال کرنے پر آپ نے عطا فرمایا اور ساتھ ہی یہ نصیحت فرمائی

ان هذا المال خضرة حلوة فمن اخذه بسخاوة نفس بورك له فيه ومن اخذه باشراف نفس لم يبارك له فيه وكان كالذى يأكل ولا يشبع واليد العليا خير من اليد السفلى	یہ مال لبھانیوالا اور شیرین ہے ، جو شخص اس کو استغنا کیساتھ حاصل کرتا ہے اس کیلئے اسمیں برکت ہوتی ہے اور جو ابتلا اور طمع کیساتھ حاصل کرتا ہے اس کیلئے برکت نہیں ہوتی اور ایسا ہو جاتا ہے جیسے کوئی شخص کھاتا ہے مگر پیٹ نہ بھرے ، اور یاد رکھو دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے افضل ہے ،
(ابن عساکر صفحہ ۱۴۱)	

حضرت حکیم نے یہ نصیحت ہمیشہ کیلئے پلے باندھ لی اور عرض کیا کہ اب میں آپ کے بعد کسی کو کچھ دینے کی تکلیف نہ دوں گا، چنانچہ اس کے بعد کبھی کسی مال غنیمت میں سے بھی اپنا حصہ نہ لیا۔ حضرت صدیق اکبر رضؓ اور فاروق اعظم رضؓ چاہتے تھے کہ مال غنیمت کا حصہ ان کو دیدیں مگر حکیم رضؓ حدیث مذکور سنا کر ان سے عذر کر دیتے تھے۔

حضرت حکیم ابن حزام کا حکیمانہ مشورہ

ایک مرتبہ حضرت فاروق اعظم رضؓ نے قصد فرمایا کہ صحابہ حضرات کیلئے کچھ وظائف بیت المال سے مقرر فرمادیں اور مہاجرین و انصار سے اس بارے میں مشورہ لیا، سب نے اس کو پسند کیا کہ یہ لوگ فراغ بالی کے ساتھ دین کی خدمت میں مشغول رہ سکیں گے۔

جب حضرت حکیمؓ کا نمبر آیا تو عرض کیا کہ امیر المؤمنین آپ ہرگز ایسا نہ کریں، اسمیں قریش کی تباہی ہے، کیونکہ اب تو یہ لوگ تجارت پیشہ ہیں، اگر آپ نے ان کے وظائف مقرر فرما دیئے تو یہ تجارت چھوڑ بیٹھیں گے، پھر آپ کے بعد آنے والے خلفاء ان وظائف کو بند کر دیں گے تو قریش مصیبت میں پڑ جائیں گے کہ نہ وظائف رہے نہ تجارت (ابن عساکر ص۱۲ جلد۴)

از ماست کہ بر ماست

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ

ترجمہ

ظاہر ہو گیا بگاڑ جنگل اور بستی میں، ان گناہوں کے سبب جن کو لوگوں کے ہاتھ کر رہے ہیں

دردسر ما ہمیں سر ماست
بار کہ بدوش ماست دوش است

حضرت ابن خیرہ رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگرد ہیں فرماتے ہیں:۔

جزاء المعصیۃ الوھن فی العبادۃ والضیق فی المعیشۃ والتعسر فی اللذۃ قیل و ما التعسر فی اللذۃ قال لا یصادف لذۃ حلالاً الا جاء من ینغصہ ایاھا

(تفسیر ابن کثیر، سورہ سبا صفحہ ۳ جلد ۳)

گناہ کی سزا یہ ہے کہ عبادت میں سستی پیدا ہونے لگتی ہے اور عیش تنگ ہو جاتی ہے اور لذت میں تنگی پیدا ہونے لگتی ہے، لوگوں نے سوال کیا کہ لذت میں تنگی کا کیا مطلب ہے، فرمایا جب کوئی لذت حلال میسر آتی ہے کوئی نہ کوئی سبب ایسا پیش آجاتا ہے جو اس لذت کو منغص و کرکرا کر دیتا ہے،

آج مسلمان فراخیِ عیش اور اطمینان و راحت کی طلب میں مشرق و مغرب کی خاک چھانتے پھرتے ہیں مگر نتیجہ عموماً یہ ہوتا ہے ؎

از قضا سرکنگبیں صفرا فزود — روغن بادام خشکی مے نمود

وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے مرض کا سبب اور علاج یورپ کے ڈاکٹروں اور ویدک طبیبوں کی رہنمائی سے معلوم کرنا چاہتے ہیں اور انہیں کے نقش قدم پر چل کر اس مقصد کو حاصل کرنے کی فکر میں ہیں، مگر یاد رہے کہ ؎

ترسم نرسی بکعبہ اے اعرابی — کیں رہ کہ تو می روی بترکستان ست

انھیں معلوم ہونا چاہئے کہ انکی شرح اسباب اور کتاب شفا صرف وہ کتاب ہے جو ان کے طبیب اعظم (رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) لے کر آئے ہیں، وہی ان کے امراض کے صحیح اسباب بتلاسکتی ہے اور اسی کے نسخے ان کے امراض کا ازالہ کر سکتے ہیں، اور وہ دنیا میں بھی صرف اسی کے ذریعہ چین کی زندگی بسر کر سکتے ہیں،

جس طرح ہر شخص کا مزاج جدا ہے اور اس کے اعتبار سے اس مرض کا سبب اور علاج جدا ہوتا ہے اسی طرح قوموں کا مجموعی مزاج بھی مختلف ہے اور ہر قوم کے مرض کا سبب اور علاج بھی اسی کے موافق مختلف ہوتا ہے، اگر انگریز خدا اور خدائی احکام سے غافل ہو کر خود پرستی عیاری کے ذریعہ دنیوی ترقیات کا اعلیٰ مرتبہ حاصل کر سکتے ہیں یا ہندو سود خواری اور بت پرستی میں رہ کر عیش و مسرت کی زندگی گذار سکتے ہیں تو یہ لازم نہیں کہ مسلمان بھی یہ اعمال اختیار کر کے دنیا میں کسی وقت عزت و راحت پا سکیں۔

ان کی دنیوی راحت و عزت اور اطمینان و فلاح بھی حق تعالیٰ نے اپنی اطاعت میں رکھی ہے، گناہ و معصیت ان کے قومی مزاج کے لئے سم قاتل ہے اور صرف طاعت و عبادت ہی

ان کے ہر مرض کی دوا ہے ۵

زہر مرض کہ بنالد بکے شراب ہید   دوا یکیست بدار الشفار میکدہ ہا

کاش مسلمان اس نسخہ شفا کا استعمال اور اس کی بتلائی ہوئی مضر چیزوں سے پرہیز کا التزام کرنے لگیں تو اپنے اسلاف کی طرح پھر دیکھ لیں کہ ساری دنیا ان کی غلام اور راحت و عزت اور عیش و مسرت انکی مملوکہ جاگیر ہے ۔ واللہ المستعان ولاحول ولاقوۃ الاباللہ العلی العظیم ۵

صبر و استقلال اور عفو و کرم

کی ایک عجیب مثال

ایک قیدی امیر المؤمنین منصور کے دربار میں

بنی امیہ کی سلطنت وخلافت کے خاتمہ کے بعد جب خلیفۃ المسلمین منصور عباسی کا دور آیا تو کسی شخص نے ان کو خبر دی کہ فلاں شخص کے پاس بنی امیہ کے بہت سے اموال وخزائن ہیں جو اس کے پاس بطور امانت ان کی طرف سے رکھے ہوئے ہیں ۔

منصور نے اس شخص کو حاضر کرنے کا حکم دیا ، فوراً قید کر کے حاضر کیا گیا ، منصور نے اس سے کہا کہ ہم نے سنا ہے کہ تمہارے پاس بنی امیہ کی امانتیں اور اموال ہیں وہ سب لاکر یہاں حاضر کر دو ، اس شخص کی حیرت انگیز ہمت و استقلال قابل دید ہے کہ نہایت اطمینان سے کہتا ہے

قیدی ۔ اے امیر المؤمنین ، کیا آپ بنی امیہ کے وارث ہیں

منصور :۔ نہیں !

قیدی :۔ تو کیا آپ ان کے وصی ہیں ،

منصور :۔ نہیں !

قیدی :۔ جب آپ نہ ان کے وارث ہیں نہ وصی تو آپ کو کیا حق پہنچتا ہے کہ ان کے اموال کا آپ مطالبہ کریں

غلام:۔ (مجبور ہوکر) جہاں پناہ واقعہ یہی ہے جو انہوں نے بیان کیا، فی الواقع میں ان کا غلام ہوں اور جتنا مال انہوں نے بیان کیا ہے لے کر بھاگا ہوں،

منصور:۔ (پہلے قیدی سے مخاطب ہوکر) میں آپ سے سفارش کرتا ہوں کہ اب اس کو معافی دیجئے،

قیدی:۔ امیرالمؤمنین، میں نے اس کا جرم بھی معاف کیا اور جتنا مال لے گیا ہے وہ بھی معاف کیا، اور تین ہزار دینار اور اپنے پاس سے اسکو دیتا ہوں،

منصور:۔ (متعجب ہوکر) اس سے زیادہ کیا ہو سکتا ہے،

اس کے بعد امیرالمؤمنین منصور ہمیشہ اس شخص کے استقلال اور عفو و کرم پر تعجب کیا کرتے تھے کہ یہ عفو کرم کی ایک عجیب مثال ہے،

(منقول و مترجم از ثمرات الاوراق للحموی علی ہامش المستطرف ج۱ ص۲۳۴)

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کی ایک نصیحت

حضرت سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد میں نے ان کو خواب میں دیکھا، تو ان سے عرض کیا کہ مجھے کوئی نصیحت فرمایئے آپ نے فرمایا أَقِلَّ مِنْ معرفۃ الناس یعنی لوگوں سے جان پہچان کم کرو (کتاب الروح لابن القیم)

کسب معاش کی ایک بڑی فضیلت

حافظ ابونعیم ؒ نے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ بہت سے گناہ ایسے ہیں کہ ان کا کفارہ نماز سے ہوتا ہے نہ روزہ سے، نہ حج سے نہ عمرہ سے، صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ پھر ان کا کفارہ کس چیز سے ہوتا ہے، آپ نے فرمایا کہ کسب معاش میں جو تکلیفیں اور رنج پہنچتے ہیں ان سے گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے (مختصر تذکرۂ قرطبی ص۱۳۸)

حاتم اصمؒ کی طالب علمی، ۳۳ برس میں آٹھ مسائل حاصل کئے

ایک دن شفیق بلخیؒ نے اپنے شاگرد حاتم اصم سے پوچھا کہ تم کتنے دنوں سے میرے ساتھ ہو کہا ۳۳ برس سے، پوچھا، تم نے اس مدت میں مجھ سے کیا سیکھا؟ کہا، آٹھ مسئلے، فرمایا انا للہ وانا الیہ راجعون، میرے اوقات تمہارے اوپر ضائع گئے کہ تم نے فقط آٹھ مسئلے سیکھے کہا، اے استاذ، میں نے زیادہ نہیں سیکھے۔ اور میں جھوٹ بولنے کو ناپسند کرتا ہوں، کہا، اچھا، بتاؤ، وہ کون سے آٹھ مسئلے ہیں، کہ میں بھی سنوں، حاتم نے کہا،

اول مسئلہ:- یہ ہے کہ میں نے خلق کو دیکھا تو معلوم کیا کہ ہر ایک شخص کا ایک محبوب ہوتا ہے جو قبر تک اس کے ساتھ رہتا ہے جب وہ قبر میں پہنچ جاتا ہے تو اپنے محبوب سے جدا ہو جاتا ہے اس لئے میں نے اپنا محبوب حسنات کو ٹھہرا لیا کہ جب میں قبر میں جاؤں تو میرا محبوب بھی میرے ساتھ رہے، شفیق نے کہا، تم نے بہت اچھا مسئلہ سیکھا، اب باقی سات مسئلے کہو

دوسرا مسئلہ:- یہ ہے کہ میں نے اس آیت میں " واما من خاف مقام ربہ ونہی النفس عن الھوی فان الجنۃ ھی الماویٰ " تامل کیا اور سمجھا کہ اللہ کا فرمانا درست ہے اس لئے اپنے نفس پر خواہش دور کرنے کی محنت ڈالی، یہانتک کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر جم گیا،

تیسرا مسئلہ:- یہ ہے کہ اس دنیا کو دیکھا تو یہ پایا کہ جس کسی کے پاس کوئی شے قدر و قیمت کی ہے وہ اس کو اٹھا کر رکھ چھوڑتا ہے اور حفاظت کرتا ہے، پھر جو دیکھا تو اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے

ماعندکم ینفد وما عند اللہ باق — تمہارے پاس جو کچھ ہے وہ ختم ہو جائیگی اور جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ دائم اور باقی رہیگی

پس جو چیز قدر و قیمت کی میرے ہاتھ لگی وہ میں نے حق تعالیٰ کیطرف پھیر دی تاکہ اس کے پاس موجود رہے

چوتھا مسئلہ:- یہ کہ لوگوں کو جو دیکھا تو ہر ایک کا میل خاطر طرف مال وحسب ونسب اور شرافت کے پایا اور ان چیزوں پر جو غور کیا تو سب ہیچ و پوچ معلوم ہوئیں، پھر اللہ کے ارشاد کو سوچا کہ فرماتا ہے

ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم — اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ شریف وہ ہے جو زیادہ متقی ہو

اس لئے میں نے تقویٰ اختیار کیا کہ نزدیک کریم و شریف ہو جاؤں،

پانچواں مسئلہ:- یہ کہ لوگوں کو دیکھا کہ ایک دوسرے پر گمان بد کرتے ہیں اور برا کہتے

ہیں اور اسکی وجہ حسد ہے ،

ماخلا جسدٌ عن حسد — یعنی کوئی شخص حسد سے خالی نہیں ،

پھر اللہ کے کلام میں تامل کیا تو یہ پایا

نحن قسمنا بینھم معیشتھم فی الحیوٰۃ الدنیا — ہم نے تقسیم کیا ہے لوگوں میں انکی ضروریات معاش کو

اس لئے میں نے حسد کو چھوڑ کر خلق سے کنارہ کیا اور جان لیا کہ قسمت اللہ کے یہاں سے ہے اس لئے خلق کی عداوت چھوڑ دی

چھٹا مسئلہ :۔ یہ کہ لوگوں کو دیکھا کہ ایک دوسرے سے سرکشی اور کشت و خون کرتے ہیں ، میں نے اللہ تعالیٰ کے قول کی طرف رجوع کیا تو اس نے یہ فرمایا ہے

ان الشیطان لکم عدو فاتخذوہ عدوا انما یدعوا حزبہ لیکونوا من اصحاب السعیر ، — شیطان تمہارا دشمن ہے اس کو دشمن سمجھو ، وہ اپنی پارٹی کو اس کی طرف بلاتا ہے کہ وہ دوزخی ہو جائیں ،

اس بنیاد پر میں نے اسی اکیلے شیطان کو اپنا دشمن ٹھہرا لیا کہ اس سے بچتا رہوں ، باقی ساری مخلوق کی عداوت چھوڑ دی ،

ساتواں مسئلہ :۔ یہ کہ لوگوں کو دیکھا کہ ہر ایک شخص ایک پارۂ نان کا طالب اور اس کی طلب میں اپنے نفس کو ذلیل کرتا ہے اور ایسے کاموں میں گھستا ہے جو اس کو جائز نہیں ہیں ، میں نے اللہ تعالیٰ کے کلام میں غور کیا تو اس نے فرمایا ہے

وما من دابۃ فی الارض الا علی اللہ رزقھا — کوئی جاندار نہیں جس کا رزق اللہ تعالیٰ کے ذمہ نہ ہو

میں نے سمجھا کہ میں بھی اللہ کے ان دواب میں ہوں جن کا رزق اس کے اوپر ہے اس لئے طلب رزق چھوڑ کر ادائے حقوق خدا میں مشغول ہوا ،

آٹھواں مسئلہ :۔ یہ کہ میں نے خلق کو دیکھا تو سب کو کسی چیز پر بھروسہ کرتے پایا کوئی زمین پر بھروسہ رکھتا ہے ، کوئی تجارت پر ، کوئی کسی حرفہ پر ، کوئی بدن کی تندرستی پر اللہ کو دیکھا کہ اس نے فرمایا ہے

ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ — جو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرے تو اللہ تعالیٰ اسکے لئے کافی ہے

اس لئے میں نے اکیلے اللہ پہ بھروسہ کیا کہ وہی مجھے کافی ہے ،

شفیق نے فرمایا ، اے حاتم ! اللہ تجھکو توفیق دے ، میں نے جو علوم قرآن و توریت و انجیل و زبور پر نظر کی تو ان سب کی اصل انہیں مسائل ہشتگانہ کو پایا ، وہ سب علوم ان ہیں

آجاتے ہیں ،

درحقیقت یہی وہ علم تھا جو انبیاء علیہ السلام کی وراثت اور دنیا و آخرت کی فلاح ہے اب ہم نے جن رسوم کا نام علوم رکھ لیا ہے، وہ تو ؎ علم را برتن زنی مارے بود، کا مصداق ہے ، حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

جان جملہ علمہا این ست واین
کہ بدانی من کیم در یوم دین ،

وفات کے بعد خلیل احمد رحمۃ اللہ علیہ کا بیان

حضرت بصیر حمصی رحمۃ اللہ علیہ نے خلیل احمد رحمۃ اللہ علیہ کو بعد وفات کے خواب میں دیکھا تو کہا کہ اب ہمیں بڑی مشکل ہوگئی کہ علمی مشکلات کا حل کس سے کریں، آپ جیسا کوئی عالم نہیں ملتا، انہوں نے فرمایا کہ بھائی مشکلات کو تو تم حل کر دو گے، پہلے یہ تو پوچھو کہ ہم جن تحقیقات علمیہ کے حامل اور ان پر نازاں تھے، ان کا حشر کیا ہوا، فرمایا، تو ہمیں تو صرف یہ کلمہ کام آیا، سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم ، باقی تحقیقات کی پوچھ ہی نہیں ہوتی ،

شجاعت کی ایک عجیب مثال

حجاج بن یوسف اور جحدر بن مالک

ابن اعرابی کہتے ہیں کہ حجاج ابن یوسف کے عہد سلطنت میں قبیلہ بنی حنیفہ میں جحدر ابن مالک نامی ایک بڑا ڈاکو تھا ، سیکڑوں قتل وغارت کر چکا تھا، اس نے اہل حجر پر ڈاکہ ڈالا، حجاج ابن یوسف کو اس کی اطلاع ہوئی تو حاکم یمامہ کو ڈانٹ کر خط لکھا کہ تم نے یہ کیا کر رکھا ہے، اب تک اس کا انتظام کیوں نہیں کیا ، فوراً جحدر کو گرفتار کر کے ہمارے پاس بھیج دو، حجاج کے قہر وغضب اور قہرانی حکومت کے خوف سے لوگ ویسے ہی تھراتے تھے ، خط پہنچا تو حاکم

یمامہ کو اپنی موت نظر آگئی، قبیلہ بنی یربوع و بنی حنظلہ کے ہوشیار اور بہادر لوگوں کو بلا کر ان کے لئے ایک بڑا انعام مقرر کیا کہ وہ جحدر کو قتل کردیں یا قید کرکے لے آدیں، یہ لوگ اس کی تلاش میں نکلے، جب اس کے مستقر کے قریب ہوئے تو ان میں سے ایک آدمی کو یہ پیغام دیکر بھیجا کہ ہم لوگ بھی تمہاری جماعت میں شریک ہوکر رہنا چاہتے ہیں، جحدر کو اس پر اعتماد ہوگیا اور ساتھ رہنے کی اجازت دیدی، یہ سب لوگ جحدر کے ساتھ رہنے لگے، یہاں تک کہ ایک روز موقع پاکر اس کو باندھ لیا اور حاکم یمامہ کے پاس پہنچا دیا، حاکم یمامہ نے انھیں لوگوں کے ساتھ حجاج کے پاس روانہ کردیا اور ان لوگوں کی مساعی بلیغہ کا حال حجاج کو لکھ بھیجا۔

جحدر جب حجاج کے سامنے پیش ہوتا ہے اور اس کو یہ بھی معلوم ہے کہ حجاج بن یوسف وہ خونخوار انسان ہے کہ ایک لاکھ بیس ہزار انسانوں کو باندھ کر قتل کرچکا ہے (جامع ترمذی) مگر اس کی جرات دیکھئے کہ جب حجاج نے اس سے پوچھا کہ تجھے اس رہزنی اور ڈاکہ ڈالنے پر کس نے آمادہ کیا، تو کہا کہ تین چیزوں نے، ایک اپنے دل کی جرات و شجاعت، دوسرے بادشاہ کا ظلم، تیسرے زمانہ کے حوادث، حجاج نے کہا، تجھ سے وہ کیا بات سرزد ہوئی ہے جسکی وجہ سے تیری جرات بڑھی اور سلطان نے تجھ پر ظلم کیا، اور زمانہ کے حوادث تجھ پر ٹوٹ پڑے،

جحدر نے کہا کہ امیر مجھے آزمائے تو مجھے بہترین سپاہی شہسوار اور اپنی رعیت میں سب سے زیادہ خیرخواہ مجھے پائے گا، اور یہ اس لئے کہ جب کبھی کسی سے میرا مقابلہ ہوا ہے، میں نے اپنے آپ کو اس پر غالب پایا ہے، حجاج نے کہا، اچھا، ہم تمہیں آزماتے ہیں، اور آزمائش یہ ہے کہ تمہیں ایک میدان میں چھوڑتے ہیں جس میں ایک شیر ببر ہوگا، اگر اس نے تجھے قتل کردیا تو ہم تیرے قتل کی فکر سے بچے اور اگر تو نے اسے قتل کردیا تو ہم تجھے آزاد کردیں گے، جحدر نے نہایت خوشی سے اس کو قبول کیا اور کہنے لگا کہ یہ تو میری عین آرزو ہے، ضرور ایسا کیجئے حجاج نے کہا، صرف یہی نہیں کہ شیر کے مقابلے میں تجھے آزاد چھوڑدیں بلکہ صورت یہ ہوگی کہ تیرے پاؤں میں بھاری بیڑیاں ہونگی اور داہنا ہاتھ گردن میں باندھ دیا جائے گا، صرف بایاں ہاتھ کھلا رہے گا، اسی میں تلوار دی جائے گی، جحدر نے اس کو بھی قبول کیا، حجاج نے شیر کے آنے تک جحدر کو جیل خانہ میں محبوس کردیا اور اپنے ماتحت حاکم کو حکم دیا کہ ایک شیر ببر کہیں سے گرفتار کرکے لایا جاوے، حکام نے فوراً مہیا کردیا، جب شیر آیا تو اس کو ایک محصور میدان میں چھوڑ دیا، اور تین دن کامل اسکو بھوکا رکھا گیا، اس کے بعد جحدر کے پاؤں بیڑیوں میں اور داہنا ہاتھ گردن پر

باندھ کر لایا گیا، بائیں ہاتھ میں تلوار دے کر شیر کے سامنے چھوڑ دیا گیا، جحدر اسکو دیکھ کر ایک رجزیہ ترانہ پڑھنے لگا،

جب شیر نے اس کو دیکھا تو نہایت زور سے دھاڑا، اور انگڑائی لے کر جحدر کی طرف بڑھا، جب شیر بالکل قریب آ پہنچا اور ایک نیزہ کا فصل رہ گیا تو جحدر نے زور سے جست کی اور اس زور سے تلوار کا اس پر وار کیا کہ ایک وار میں شیر ختم ہو کر زمین پر گرا، اور ادھر جحدر پیر دل کی بیڑیوں کی وجہ سے پیچھے کو جا پڑا،

حجاج اور اس کے اعوان ایک دریچے سے یہ تماشہ دیکھ رہے تھے سب نے نعرہ تکبیر بلند کیا ادھر جحدر اٹھا اور حجاج سے خطاب کر کے فی البدیہہ یہ اشعار پڑھے :-

ولئن قصدت لی المنیۃ عامدا انی لخیرك یا ابن یوسف راج

اگر آپ نے میری موت کا قصد کیا تھا تو اے حجاج ابن یوسف میں تیری انعام کا بھی امیدوار ہوں

علم النساء بانتی لا انثنی اذ لا یثقن بغیرۃ الازواج

عورتیں تو یہ سمجھتی تھیں کہ میں لوٹ کر نہ آؤں گا، کیونکہ وہ شوہروں کی غیرت پر پورا بھروسہ نہیں رکھتیں

وعلمت انی ان کرھت نزالہ، انی من الحجاج لست بناج

اور میں نے سمجھ لیا تھا کہ اگر شیر کے مقابلہ سے پہلو تہی کی تو میں حجاج کے ہاتھ سے نجات نہیں پا سکتا

حجاج نے کہا اب اگر تم چاہو تو ہم تمہیں بڑا انعام دیں اور چاہو تو تمہیں بالکل آزاد چھوڑ دیں۔ جحدر نے کہا کہ نہیں، میں امیر کے ساتھ رہنا چاہتا ہوں چنانچہ حجاج نے اس کے لئے اور اس کے سب گھر والوں کے لئے بڑے بڑے وظائف مقرر کر دیئے؛

(تاریخ ابن عساکر ص۱۹۶٬۶۱، جلد ۳)

حضرت ابوبکر طمستانی رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ طریق تصوف کھلا ہوا ہے اور کتاب وسنت ہمارے درمیان قائم ہے اور فضیلت صحابہ کرام کی بوجہ سبقت فی الہجرت اور صحبت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سب کو معلوم ہے، پس ہم میں سے جو شخص کتاب وسنت کا ساتھ دے اور اپنے نفس اور مخلوق سے جدا ہو جاوے اور اپنے دل سے اللہ تعالیٰ کیطرف ہجرت کرے صرف وہی شخص صادق اور مصیب ہے؛

امام الائمہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

کے متعلق

حفاظ حدیث اور ائمہ اسلام کے چند اقوال

از امام حدیث ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ

امام اعظم ابو حنیفہ کی جلالت قدر اور فضائل و مناقب سے غالباً کوئی شخص جس نے کسی مسلمان گھرانے میں پرورش پائی ہو بے خبر نہیں ہوگا۔ ان کے علم و فضل اور زہد و تقویٰ تفقہ فی الدین اور شان امامت سے وہ لوگ بھی انکار نہیں کر سکتے جو امام صاحب پر طعن و تشنیع ہی کو اپنا مذہب بنائے ہوئے ہیں لیکن بہت سے لکھے پڑھے مگر کم علم و کم فہم لوگ یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ حضرت امام صاحب کو حدیث میں وہ پایہ اور مرتبہ حاصل نہ تھا جو دوسرے آئمہ کا امتیازی وصف سمجھا گیا ہے بہت سے علم حدیث اور علم بالحدیث کے مدعی جو امام ہمام پر طعن و جرح کے لئے تیار بیٹھے رہتے ہیں یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ ہم صرف اسی راستہ سے اپنے مقصد میں کامیاب ہو سکتے ہیں کہ علم حدیث اور فن روایت میں امام اعظمؒ کا مرتبہ گھٹا یا جائے لیکن انہیں یاد رکھنا چاہیے۔

چراغے را کہ ایزد برفروزد
کسے کس تف زند ریشش بسوزد

اس مختصر مضمون میں نہ امام موصوف کی سوانح بیان کی جا سکتی ہے نہ وہ تمام اقوال و شہادات جو ائمہ حدیث اور علمار سلف و خلف سے حضرت امامؒ کی شان میں منقول ہیں جمع کیجا سکتی ہیں، بلکہ ہماری غرض اس وقت اس مقالہ کا پیش کرنا ہے جو اس باب میں امام حدیث ابو عمرو بن عبد البرؒ شارح موطا، مالکی المذہب نے اپنی کتاب میں تحریر فرمایا ہے۔ امام ابن عبد البرؒ تیسری صدی ہجری کے ان علمار میں سے ہیں جن پر اندلس و قرطبہ کے علم کا مدار سمجھا گیا ہے آپ ۳۶۳ھ میں قرطبہ میں پیدا ہوئے، وہیں علم و فن حاصل کیا، پھر اندلس کے مختلف شہروں میں قاضی رہے۔ آپ کی بے شمار تصانیف حدیث و فقہ اور تاریخ میں اپنے اپنے فن کی روح سمجھی گئی ہیں،

آپ فقہ میں امام مالکؒ کے مقلد ہیں حنفی المذہب نہیں اس لئے آپ کا کلام امام اعظم ابوحنیفہ رح کے بارے میں اور بھی زیادہ قابل اعتبار ہے، اسی لئے بہتر یہ معلوم ہوا کہ ان کے اصلی عربی کلمات بھی درج مضمون کئے جائیں اور ترجمہ دوسرے کالم میں رہے، واللہ المستعان،

(قال ابو عمر) افرط اصحاب الحدیث فی ذم ابی حنیفة وتجاوزوا الحد فی ذالک والسبب الموجب لذالک عندهم ادخاله الرأی والقیاس علی الآثار واعتبارها واکثر اهل العلم یقولون اذا صح الاثر بطل القیاس والنظر وکان ردّه لما ورد من اخبار الآحاد بتاویل محتمل وکثیر منه قد تقدمه الیه غیره و تابعه علیه مثله ممن قال بالرأی وجلّ مایوجد له من ذالک ما کان منه اتباعا لاهل بلده کابراهیم النخعی واصحاب ابن مسعود الا انه اغرق وافرط فی تنزیل النوازل هو واصحابه والجواب فیها برایهم واستحسانهم فأتی منهم فی ذالک خلاف کبیر للسلف وشنع

امام ابوعمر وابن عبدالبرؒ فرماتے ہیں کہ بعض اصحاب حدیث نے امام ابوحنیفہ کی مذمت میں سخت زیادتی کی ہے اور حد سے تجاوز کرگئے، اور سبب اس کا ان کے نزدیک یہ ہے کہ امام موصوف نے احادیث و آثار میں رائے اور قیاس کو دخل دیا ہے اور اکثر اصحاب حدیث یہ کہتے ہیں کہ جب کوئی حدیث صحیح ثابت ہو جائے تو رائے اور قیاس باطل ہو جاتا ہے حالانکہ امام موصوف نے جن اخبار آحاد کو ترک کیا ہے وہ کسی ایسی تاویل کی وجہ سے کیا ہے جس کی ان اخبار میں گنجائش نہ تھی (پھر امام موصوف اس عمل میں منفرد بھی نہیں بلکہ) ان سے پہلے دوسرے ائمہ نے بھی ایسا کیا ہے، اور ان کے بعد بھی علماء حقانی نے ایسا ہی کیا ہے، الغرض جو کچھ حدیث میں قیاس کا دخل وغیرہ انہوں نے کیا ہے وہ سب اپنے شہر کے ائمہ حدیث و فقہ کے اتباع میں کیا ہے مثلاً حضرت ابراہیم نخعی رح اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگرد، البتہ امام موصوف کے مسائل میں اس کی کثرت ہے انہوں نے اور ان کے

هی عند مخالفیهم بدع وما اعلم احدا من اهل العلم الا وله تاویل فی آیة او مذهب فی سنة رد من اجل ذالک المذهب سنة اخری بتاویل سائغ او ادعاء نسخ الا ان لابی حنیفة من ذالک کثیرا وهو یوجد لغیره قلیل و عن اللیث بن سعد انه قال احصیت علی مالک بن انس سبعین مسئلة کلها مخالفة لسنة النبی صلی اللہ علیہ وسلم مما قال مالک فیها برایه قال ولقد کتبت الیه اعظه فی

شاگردوں نے بہت سے مسائل کی صورتیں (جزئیات فقہیہ) فرض کرکے ان کے جوابات (جس جگہ حدیث و قرآن میں صحیح حکم نہ ملا وہاں) اپنے قیاس سے لکھے ہیں اور سلف نے چونکہ فرضی جزئیات پر کلام نہیں کیا تھا اس لئے امام صاحب کے مخالفین نے اس فعل کو بدعت قرار دیا اور عظیم الشان خلاف قائم ہو گیا، بہرحال امام صاحب نے جو قیاس اور رائے سے بعض جزئیات فقہیہ پر کلام کیا ہے اس میں وہ تنہا منفرد نہیں، بلکہ کسی اہل علم کو بھی میں ایسا نہیں پاتا جس نے آیات میں کسی آیت کو اور حدیث میں سے کسی حدیث کو اپنا مذہب مختار قرار دیکر دوسری آیت اور حدیث میں تاویل نہ کی ہو یا نسخ کا

ذالك. وقال ابو عمر ليس لاحد من علماء الامة يثبت حديثا عن النبي صلى الله عليه وسلم ثم يرده دون ادعاء النسخ عليه باثر مثله او باجماع او بعمل يجب على اصله الانقياد اليه او طعن في سنده ولو فعل ذالك احد سقطت عدالته فضلا ان يتخذ اماما ولزمه اثم الفسق ولقد عافاهم الله عز وجل من ذالك ونقموا ايضا على ابي حنيفة الارجاء ومن اهل العلم من ينسب الى الارجاء كثير لم يعن احد بنقل قبيح ما قيل فيه كما عنوا بذلك في ابي حنيفة لامامته وكان ايضا مع هذا يحسد وينسب اليه ما ليس فيه ويختلق عليه ما لا يليق به وقد اثنى عليه جماعة من العلماء وفضلوه، ولعلنا ان وجدنا نشطة ان نجمع من فضائله وفضائل مالك ايضا والشافعي والثوري والاوزاعي كتابا املنا

جمعه قديما في اخبار ائمة الامصار ان شاء الله. وعن ابن عباس بن محمد الدوري قال سمعت يحيي بن معين يقول اصحابنا يفرطون في ابي حنيفة واصحابه فقيل له اكان ابو حنيفة يكذب فقال كان انبل من ذالك، وعن مسلمة بن شبيب قال سمعت احمد بن حنبل يقول رای الاوزاعي ورای مالك ورای ابي حنيفة كله رای وهو عندي سواء وانما الحجة في الآثار، وعن الازوردي

دعویٰ نہ کیا ہو، البتہ اس قسم کی چیزیں امام صاحب کے مذہب میں زیادہ اور دوسروں کے مذہب میں کم ہیں حضرت لیث بن سعد فرماتے ہیں کہ میں نے امام مالکؒ کے ستر مسائل ایسے شمار کر رکھے ہیں جو بالکل حدیث کے خلاف ہیں اور امام مالکؒ نے بعض اپنے قیاس سے وہ ارشاد فرمائے ہیں اور میں نے وہ مسائل بغرض خیر خواہی و نصیحت خود امام مالکؒ کی خدمت میں لکھ بھی دیئے تھے، امام ابو عمر ابن عبد البرؒ فرماتے ہیں کہ علماء امت میں سے کسی کو یہ حق نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی حدیث کا صادر ہونا ثابت مانے اور پھر اس کو رد کر دے جب تک کہ ایسی کسی دوسری حدیث یا اجماع و تعامل سے اس کے منسوخ ہونے کا دعویٰ نہ کرے یا اس کی سند میں کوئی جرح نہ کرے اور اگر کوئی شخص ایسا کرے کہ بلا وجہ مذکورہ کسی حدیث کو رد کر دے تو اس کی عدالت ساقط ہو جائے گی اور اس کو فسق کا گناہ ہوگا، ایسا آدمی امت کا امام کیسے بن سکتا ہے مگر حق تعالیٰ نے تمام آئمۂ دین کو اس آفت سے محفوظ رکھا ہے، نیز امام ابو حنیفہؒ کی مذمت کرنے والوں نے ان کو مرجیہ کی طرف بھی منسوب کیا ہے:۔

اور نہ صرف امام موصوف کو بلکہ آئمہ دین میں سے بہت سے دوسرے حضرات پر بھی یہی الزام لگایا گیا ہے مگر اس الزام کو جس قدر زبان درازی امام موصوف کے بارے میں کی گئی ہے وہ دوسرے لوگوں کے متعلق نہیں کی گئی اور اس کا سبب یہ ہے کہ وہ امت کے مشہور امام ہیں دوسرے اتنے مشہور نہیں، اور باوجود ان باتوں کے بعض لوگ ان کی مذمت کرتے ہیں، ان کی خداداد مقبولیت عامہ کی وجہ سے لوگ ان سے حسد بھی رکھتے ہیں اور بہت سی ایسی چیزیں ان کی طرف منسوب کر دیتے ہیں جو ان کے اندر نہیں ہیں، اور ان کی شان کے

اذا قال مالك وعليه ادركت اهل بلدنا و
المجتمع عليه عندنا فانه يريد ربيعة بن
ابي عبد الرحمٰن وابن هرمز، وذكر محمد
بن الحسين الازدي الحافظ الموصلي في الاخبار
التي في آخر كتابه في الضعفاء قال يحيى بن
معين ما رايت احداً اقدمه على وكيع
وكان يفتي برأي ابي حنيفه وكان يحفظ حديثه
كله وكان قد سمع من ابي حنيفة حديثاً
كثيرا، قال الازدي هذا من يحيى بن معين
تحامل وليس وكيع كيحيى بن سعيد و
عبد الرحمٰن بن مهدي وقد رأى يحيى
بن معين هولاء وصحبهم قال وقيل ليحيى
بن معين يا أبا زكريا ابوحنيفة كان يصدق
في الحديث قال نعم صادق، قيل له
فالشافعي كان يكذب قال ما أحب حديثه
ولا ذكره، قال ابوعمر، لم يتابع يحيى بن
معين احد في قوله في الشافعي وقال الحسن
بن علي الحلواني قال لي شبابة بن سوار
كان شعبة حسن الرائ في ابي حنيفة وكان
يستنشد في ابيات مساور الوراق،

اذا ما الناس يوماً قايسونا
بآبدة من الفتيا لطيفه

وقال علي بن المديني ابوحنيفه روى عنه
الثوري وابن المبارك وحماد بن زيد

ان پر تہمتیں باندھی جاتی ہیں اور علماء اہل حق کی بڑی جماعت
نے انکی بڑی مدح کی ہے اور ان کو اوروں پر بڑی فضیلت
دی اور اگر ہمیں فرصت ملی تو ان شاء اللہ تعالیٰ امام موصوف اور
امام مالک و شافعی اور ثوری اور اوزاعی وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم
کے فضائل کو ایک مستقل کتاب میں جمع کریں گے، اور عباس بن
محمد دوری فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت یحییٰ بن معین سے سنا ہے
کہ وہ فرماتے تھے کہ ہمارے اصحاب ابوحنیفہ اور ان کے شاگردوں کے
بارے میں بہت زیادتی کرتے ہیں کسی نے ان سے سوال کیا کہ کیا ابوحنیفہ
روایت میں سچے نہ تھے یحییٰ بن معین نے فرمایا کہ وہ اس سے بالاتر
ہیں اور مسلم بن شبیب سے روایت ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ میں نے
امام احمد بن حنبل رح کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ قیاس امام اوزاعی کا اور
قیاس امام مالک کا اور قیاس ابوحنیفہ رح کا سب قیاس ہی ہے
اور حجت تو آثار ہی میں ہے اور امام وراوردی کہتے ہیں کہ جب
امام مالک کسی مسئلہ کے متعلق یہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے شہر کے
علماء کو اس کے موافق پایا ہے یا یوں کہتے ہیں کہ اپنے مجمع کو اسی
پر پایا ہے تو ان کی مراد ان علماء اور مجمع سے ربیعہ ابن ابی عبدالرحمٰن
اور ابن ہرمز وغیرہ ہوتے ہیں اور محمد بن حسین ازدی موصلی جو
حفاظ حدیث سے ہیں اپنی کتاب الضعفاء کے آخر میں فرماتے
ہیں کہ یحییٰ بن معین نے فرمایا ہے کہ میں نے کوئی عالم ایسا نہیں دیکھا
جس کو میں امام وکیع پر مقدم اور افضل سمجھوں اور اس کے باوجود
وہ فتویٰ امام ابوحنیفہ رح کے قول پر دیا کرتے تھے اور انکی تمام حدیثیں
انہیں یاد تھیں، اور انہوں نے امام ابوحنیفہ رح سے بہت سی
سنی تھیں، حافظ ازدی کہتے ہیں کہ وکیع کے بارے میں جو کچھ یحییٰ بن
معین نے فرمایا ہے یہ ان کا تسامح ہے ورنہ یحییٰ بن سعید اور عبدالرحمٰن

سے ابتداء کتاب میں جو مقدمہ مصنف کے حالات کے متعلق ہے [illegible] معلوم ہوا کہ امام [illegible] نے یہ کتاب تصنیف فرمائی جس کی ضخامت ... میں ہے مگر افسوس ہے کہ اس امام حدیث کی عرق ریزی کا یہ عظیم الشان ذخیرہ اب مفقود و نایاب ہے کسی کتب خانہ میں اس کا موجود ہونا معلوم نہیں۔ منہ

وهشيم ووكيع بن الجراح وعباد بن العوام ؛
وجعفر ابن عون وهو ثقة لا باس به و
قال يحيى ابن سعيد ربما استحسنا الشئ
من قول ابي حنيفة فناخذ به قال يحيى وقد
سمعت من ابي يوسف الجامع الصغير ذكره
الازدي (قال ابو عمر) الذين رووا عن
ابي حنيفة ووثقوه واثنوا عليه اكثر من الذين
تكلموا فيه والذين تكلموا فيه من اهل الحديث
اكثر ما عابوا عليه الاغراق في الرای والقياس
والارجاء وكان يقال يستدل على نباهة الرجل
من الماضين بتباين الناس فيه قالوا الا ترى
الى علي بن ابي طالب انه هلك فيه فتيان
محب افرط ومبغض افرط وقد جاء في الحديث
انه يهلك فيه رجلان محب مطر ومبغض
مفتر وهذه صفة اهل النباهة ومن بلغ
في الدين والفضل الغاية ، والله اعلم ،

(مختصر جامع العلم لابن عبد البر ص ۱۹۳)

بن مہدی وکیع سے افضل تھا اور یحیٰی بن معین ان سب حضرات
کی خدمت میں رہے ہیں ، یحیٰی بن معین سے دریافت کیا گیا کہ کیا امام
ابوحنیفہ رح حدیث کے بارے میں صدوق (یعنی صحیح بیان کرنے والے)
تھے ، فرمایا ، ہاں وہ صدوق ہیں ، پھر ان سے پوچھا گیا کیا امام
شافعی رح روایت حدیث میں سچے نہ تھے ، تو فرمایا مجھے ان کی حدیث
پسند نہیں ، اور نہ ان کا ذکر پسند کرتا ہوں ۔ ابوعمر ابن عبد البر رح
فرماتے ہیں کہ امام شافعی کی حدیث کو ساقط کرنے کے بارے میں کسی
نے یحیٰی بن معین کی موافقت نہیں کی ، اور حسن بن علی حلوانی فرماتے
ہیں کہ مجھے حضرت شبابہ ابن سوار رح نے فرمایا کہ امام حدیث
شعبہ رح امام ابوحنیفہ رح کے بارے میں اچھی رائے رکھتے تھے اور
مجھ سے مساور وراق کے اشعار جو امام موصوف کی مدح میں ہیں
سنا کرتے تھے ۔ امام حدیث علی بن مدینی رح فرماتے ہیں کہ امام
ابوحنیفہ رح سے سفیان ثوری رح ، عبداللہ بن مبارک رح ، حماد بن
زید رح ، ہشیم اور وکیع بن جراح رح اور عباد بن عوام ، جعفر بن
عون رح جیسے ائمہ حدیث نے حدیث حاصل کی ہے وہ (بلاشبہ)
ثقہ ہیں ، ان میں کوئی کمی نہیں ۔ امام حدیث یحیٰی بن سعید
فرماتے ہیں کہ بسا اوقات ہمیں امام ابوحنیفہ رح کے اقوال

پسند آتے ہیں تو ہم انہیں اختیار کرتے ہیں اور بیان کیا کہ میں امام ابو یوسف رح تلمیذ ابوحنیفہ سے جامع صغیر پڑھی ہے ، یہ تمام
روایات حافظ ازدی نے بیان کی ہیں ، امام عبد البر رح فرماتے ہیں کہ جن لوگوں نے امام ابوحنیفہ رح سے روایت کی اور ان کی
توثیق فرمائی اور انکی مدح وثنا کی وہ ان لوگوں سے زائد ہیں جنھوں نے ان کے بارے میں کچھ کلام کیا ہے اور جن اہل حدیث
نے ان کے بارے میں کلام کیا ہے (وہ بھی کسی واقعی عیب کی وجہ سے نہیں) بلکہ صرف اس لئے کہ انھوں نے (ایسے مسائل میں
جن میں نص قرآن وحدیث میں وارد نہیں ، قیاس سے کام لیا اور انکی طرف ارجاء کی نسبت کی گئی ہے اور یہ بات ہمیشہ سے کہی
جاتی ہے کہ متقدمین میں کسی شخص کے بارے میں لوگوں کا مختلف رائیں رکھنا اس کی جلالت قدر اور عظمت شان کی دلیل ہے کہا جاتا
ہے کہ خود حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا واقعہ خود اس کی دلیل ہے کہ ان کے بارے میں دو قسم کے لوگ تباہی میں پڑ گئے ، ایک ان سے
محبت رکھنے والے جنھوں نے افراط محبت کی وجہ سے حدود شرعی سے تجاوز کیا ، دوسرے وہ جو بغض رکھنے والے جو حدود شرعیہ

سے تجاوز کر گئے، یہی مضمون حدیث میں وارد ہوا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بارے میں محبت میں حد سے بڑھنے والے اور عداوت رکھنے والے ہلاک ہوں گے اور جن لوگوں کو حق تعالیٰ دین میں عظمت وجلالت اور بزرگی نصیب فرماتا ہے ان کی یہی شان ہوتی ہے۔" (مختصر جامع العلم ص۱۱۱)

حجّاج ابن یوسف اور حضرت یحییٰ ابن معمرؒ

ایک مرتبہ حجاج کی مجلس میں حضرت یحییٰ بن معمر بھی تشریف رکھتے تھے، اتفاقاً جگر گوشہ رسول حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا ذکر آیا تو حجاج کہنے لگا کہ حضرت حسین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذریت میں سے نہیں ہیں (کیونکہ صاحبزادی کی اولاد ہیں اور اولاد کا نسب نانا کی طرف منسوب نہیں ہوتا۔) حضرت یحییٰ نے غصہ کے ساتھ کہا، امیرالمؤمنین، تم نے جھوٹ بولا وہ بلاشبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذریت میں سے ہیں،

حجاج نے غصہ سے مشتعل ہو کر کہا کہ یا تو تم قرآن سے اس کی کوئی دلیل پیش کرو کہ نانا کی طرف اولاد کا نسب عائد کیا گیا ہو، ورنہ میں تمہیں قتل کر دوں گا،

حضرت یحییٰ نے فوراً یہ آیت پڑھی،

ومن ذریۃ داؤد وسلیمان وایوب ویوسف وموسیٰ وھارون

(الیٰ قولہ) وزکریا ویحییٰ وعیسیٰ

اور عرض کیا کہ اس آیت میں حق تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آدم علیہ السلام کی ذریت میں شمار فرمایا ہے، اور ظاہر ہے کہ وہ ان کے نانا ہی ہو سکتے ہیں، کیونکہ والدہ ہی سے ان کا نسب چلا ہے، حجاج کو مجبوراً تسلیم کرنا پڑا مگر کہا کہ ہمارے سامنے ہماری تکذیب کرنے پر تمہیں کس چیز نے جری کر دیا، حضرت یحییٰ نے فرمایا کہ اس آیت نے جس میں حق تعالیٰ نے انبیاء اور ان کے متبعین سے یہ عہد لیا ہے کہ وہ حق بات کو نہ چھپائیں گے، حجاج اس بات میں بھی لاجواب ہو گیا تو ان کو جلاوطن کر کے خراسان بھیج دیا، (ابن عساکر ص۹۵ ج ۴)

اسم اور مسمّٰی میں قدرتی ربط

امام التابعین حضرت سعید ابن مسیبؒ ابن حزن سے روایت کرتے ہیں کہ وہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے دریافت فرمایا کہ تمہارا نام کیا ہے، انہوں نے عرض کیا حزَن (آپ کو یہ نام مکروہ معلوم ہوا کیونکہ حزن بالفتح کے معنی عربی میں سخت زمین کے ہیں اس لئے) ارشاد فرمایا کہ نہیں، تم سہل ہو، (یعنی سہل نام رکھو جس کے معنی نرم کے ہیں، حزن نے کہا کہ میں تو اس نام کو نہ بدلوں گا جو میرے باپ نے میرے لئے تجویز کر دیا ہے، حضرت سعید فرماتے ہیں کہ ہمارے دادا کے اس نام پر قائم رہنے کا یہ اثر ہے کہ آج تک ہم سب میں (جو ان کی اولاد ہیں) حزونت یعنی شدت و غلظت کا اثر موجود ہے (اخرجہ البخاری فی الصحیح) اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا بہت اہتمام تھا کہ ہمیشہ نام ایسا رکھا جاوے کہ جس کے معنی مبارک و نافع ہوں، یہاں تک کہ ایک مرتبہ آپ سفر میں دو پہاڑوں کے پاس پہنچے، لوگوں سے اس کا نام دریافت کیا، بتلایا گیا کہ ایک کا نام فاضح (رسوا کرنے والا) اور دوسرے کا مخزی ہے (ذلیل کرنیوالا) ہے، آپ نے ان دونوں پہاڑوں کے درمیان کا راستہ چھوڑ کر دوسرا اختیار فرمایا، اسی طرح ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اونٹنی کا دودھ نکلوانا چاہتے تھے، صحابہ کرام کی ایک جماعت موجود تھی، آپ نے فرمایا کہ اس اونٹنی کا دودھ کون نکالے گا، جماعت میں سے ایک شخص کھڑا ہوا کہ میں اس کا دودھ دوہوں گا، آپ نے نام پوچھا تو کہا مُرّۃ (جس کے معنی ہیں کڑوا) آپ نے فرمایا، بیٹھ جاؤ، پھر ارشاد فرمایا کہ اس کا دودھ کون دُوہے گا، ایک شخص کھڑا ہوا، اور عرض کیا کہ میں، آپ نے اس کا بھی نام پوچھا تو اس نے حرب نام بتلایا (جس کے معنی لڑائی اور جنگ کے ہیں) آپ نے اس کو بھی بٹھلا دیا، اور پھر فرمایا کہ اس کا دودھ کون دوہے گا، تیسرے ایک صاحب کھڑے ہوئے، آپ نے ان کا نام پوچھا تو یعیش بتلایا (جس کے معنی زندہ رہنے کے ہیں) ان کو آپ نے دودھ دوہنے کی اجازت دی (مؤطا امام مالکؒ)

معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ نے اسم و مسمّٰی میں ایک ربط رکھا ہے جس شخص کے لئے جو حالات و افعال علم الٰہی میں مقدر ہوتے ہیں انھیں کے مناسب نام اس کے ماں باپ کے قلب میں ڈال دیتے

ہیں، امام لغت وعربیت ابوالفتح ابن جنیؒ جو چوتھی صدی ہجری کے علماء میں سے ہیں فرماتے ہیں کہ مجھ پر ایک طویل زمانہ ایسا گذرا ہے کہ میں بہت سے نام سنتا تھا اور اس کے معنی مجھے معلوم نہ ہوتے تھے مگر میں اس کے حروف و مادہ کی کیفیات سے اس کے معنی متعین کر لیتا تھا، پھر تحقیق کرتا تو اس کے وہی معنی صحیح نکلتے تھے،

علامہ ابن قیمؒ نے اس واقعے کو اپنی کتاب تحفۃ المودود فی احکام المولود میں نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ میں نے یہ واقعہ اپنے استاد ابن تیمیہؒ کے سامنے نقل کیا تو انہوں نے فرمایا کہ مجھے خود اس قسم کے واقعات بہت پیش آتے ہیں،

الغرض حق تعالیٰ نے اسم ومسمی اور الفاظ ومعنی میں ایک خاص ربط وتاثیر رکھی ہے اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے نام رکھنے کی ممانعت فرمائی ہے جس کے معنی قبیح اور آثار بد پر دلالت کرنے والے ہیں، افسوس ہے کہ عام طور پر مسلمان اس کا خیال نہیں کرتے، بعض لوگ بالکل مہمل وبے معنی نام چھجو، ننھو وغیرہ رکھ دیتے ہیں، اور بعض لوگ ایسے نام رکھتے ہیں جو آثار بد پیدا کرنے والے ہیں، (اعاذنا اللہ تعالیٰ منہا)

حضرت سفیان ثوریؒ اور سفیان بن عیینہؒ

یہ دونوں بزرگ علمائے سلف کے اس اونچے طبقہ میں سے ہیں جن کے حالات ومقالات نور ایمان سے لبریز، علوم نبوت کے حامل، ہر مسلمان کے لئے اسوہ ہیں، میرا خیال ہے کہ اگر موجودہ افکار وحوادث سے فرصت ملی تو انشاء اللہ تعالیٰ ان دونوں بزرگوں کے مفصل حالات قلمبند کروں گا، واللہ الموافق، اس وقت ان حضرات کا ایک باہمی مکالمہ نقل کیا جاتا ہے۔

حضرت سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت سفیان الثوری سے درخواست کی کہ مجھے کوئی نصیحت فرمائیے، آپ نے فرمایا

أَقْلِلْ من معرفة الناس — لوگوں سے جان پہچان کم کرو

میں نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ آپ پر رحمت فرمائے، کیا حدیث میں نہیں آیا کہ

اکثروا من معرفة الناس فان لکل مؤمن — لوگوں سے جان پہچان زیادہ کرو کیونکہ ہر مسلمان

شفاعت کی شفاعت قبول کیجائے گی،

حضرت سفیان الثوریؒ نے فرمایا کہ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ آپ کو جب کوئی تکلیف و مصیبت پہنچی ہوگی وہ جاننے والوں سے ہی پہنچی ہوگی، میں نے عرض کیا، بیشک آپ صحیح فرماتے ہیں،

ابن عیینہؒ فرماتے ہیں کہ اس وصیت کے بعد سفیان الثوریؒ کی وفات ہوگئی، میں نے ان کو خواب میں دیکھا کہ ٹہل رہے ہیں۔ میں نے ان سے پھر وہی درخواست کی کہ مجھے کوئی نصیحت فرمائیے، انہوں نے پھر وہی کلمہ دوہرایا کہ جہاں تک ممکن ہو لوگوں سے جان پہچان کم کرو، کیونکہ ان سے چھوٹنا بہت دشوار ہے،

اس کے بعد سفیان بن عیینہؒ کا یہ حال ہوگیا کہ اپنے دروازہ پر یہ کلمات لکھ کر لگادیئے

جزی اللہ من لا یعرفنا خیرا ولا جزی بذالك — اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جزائے خیر عطا فرمائے جو ہمیں پہچانتے
اصدقائنا فانما اوذینا قط الا منہم — نہیں اور ہمارے دوستوں کو یہ جزا دے کیونکہ ہمیں جب کبھی تکلیف پہنچی ہے انہیں سے پہنچی ہے۔

اور اسی مضمون کو ان اشعار میں نظم کیا گیا ہے

جزی اللہ عنا الخیر من لیس بیننا ولا بینہ ودّ ولا متعارف

اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جزائے خیر دے جن کے اور ہمارے درمیان نہ کوئی علاقہ دوستی ہے اور نہ ان سے جان پہچان ہے

فما صابنا ھمٌّ ولا نالنا اذی من الناس الا من وَدٍّ ونعرف

کیونکہ ہمیں جب کبھی کوئی غم اور اذیت پہنچی ہے وہ صرف دوستوں اور جاننے والوں ہی سے پہنچی ہے

(از منہاج العابدین للامام الغزالی ص۱۶۰)

حکیم ابن قبیصہؒ کا اسلام

یہ بزرگ جلیل القدر تابعی ہیں، حضرت معاویہ رضؓ کے عہد میں مسلمان ہوئے اور آپ کی خدمت میں پہنچے تو آپ نے ان سے سوال کیا کہ تمہاری عمر میں سب سے زیادہ مصیبت کا دن تم پر کون سا گذرا ہے، عرض کیا، وہ دن جس میں مجھے شقیق نے اپنے پاس سے نکال دیا تھا، پھر حضرت امیر معاویہ رضؓ نے دریافت کیا کہ سب سے زیادہ عیش و مسرت کا دن تم پر کونسا آیا ہے عرض کیا وہ دن جس میں مجھے اللہ تعالیٰ نے اسلام کی توفیق دی (ابن عساکر ص۲۳۳ ج ۴)

پیراہنِ یوسفؑ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گریبانِ مبارک کی ہیئت

ایں زماں جاں دامنم برتافت است
بوئے پیراہن یوسف یافت است

کُرتوں کے گریبان کی دو صورتیں معروف و مشہور ہیں۔ ایک آجکل عام طور پر مروج ہے کہ گریبان کا شق سینہ پر رہتا ہے اور دوسری صورت جو پہلے مروج تھی اور اب بھی بعض جگہ اس کا رواج ہے یہ کہ گریبان کا شق دونوں مونڈھوں پر رہے، اس میں گفتگو ہے کہ محبوب دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیراہن مبارک کی کیا ہیئت تھی، شیخ الاسلام والسنۃ علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ سے جب اس کا سوال کیا گیا تو مندرجہ ذیل تحقیق زیب قرطاس فرمائی،

ظاہر یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گریبان مبارک کی وہی ہیئت تھی جو آجکل مروج ہے، یعنی یہ کہ شق اس کا سینہ پر رہے، کیونکہ سنن ابوداؤد باب فی حل الازار میں حضرت معاویہ ابن قرہ رضہ سے مروی ہے کہ انہوں نے اپنے والد قرہ سے نقل کیا، وہ فرماتے تھے کہ میں قبیلہ مزینہ کی ایک جماعت کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور ہم نے آپ سے بیعت کی، آپ کے قمیص مبارک کی گھنڈیاں کھلی ہوئی تھیں، میں نے قمیص مبارک کے اندر اپنا ہاتھ ڈالا اور خاتم نبوت کو ہاتھ سے چھوا،

معاویہ راوی حدیث کہتے ہیں کہ اسی وجہ سے میں نے ہمیشہ معاویہ اور ان کے والد قرہ کو اسی حالت میں دیکھا کہ گریبان کے بٹن کھلے ہوئے رہتے تھے،

ف:- احقر مترجم عرض کرتا ہے کہ اس حدیث سے یہ لازم نہیں آتا کہ گریبان کھلا رکھنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دائمی عادت اور سنت تھی بلکہ ایک اتفاقی واقعہ ہے، مگر عشق و محبت کے احکام نرالے ہیں، حضرت قرہ نے جس ہیئت میں اول دیکھا تھا اس کا قلب پر کچھ ایسا اثر ہوا کہ ہمیشہ

اپنی یہی عادت بنالی ہے۔

مرا از زلف او موئی پسند است
ہوس را زہ بیا بوئی پسند است

علامہ سیوطی رح فرماتے ہیں کہ ظاہر اس حدیث سے یہی ہے کہ گریبان مبارک کا شق سینہ مبارک پر تھا (جیسا کہ حافظ ابن حجر رح نے فتح الباری میں اسی حدیث سے گریبان سینہ پر ہونے کے لئے استدلال کیا ہے،

نیز عام کتب فقہ میں یہ مسئلہ جزئیہ مذکور ہے کہ اگر کوئی شخص صرف لانبے کرتے میں (جو ستر پوشی کے لیے کافی ہو) نماز پڑھ رہا ہے اور رکوع یا سجدہ میں گریبان کے اندر سے اس کی نظر اپنے ستر پر پڑ گئی تو نماز (امام شافعی رح کے نزدیک) صحیح نہیں ہے، یہ مسئلہ بھی اس پر دلالت کرتا ہے کہ ان حضرات فقہاء کے زمانہ میں رواج یہی تھا کہ گریبان کا شق سینہ پر رہے،

اور یہ مضمون جو مسئلہ مذکورہ میں موجود ہے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی مسند احمد اور سنن اربعہ وغیرہ یعنی بروایت حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں ایک شکاری آدمی ہوں (تہبند باندھ کر دوڑنا مشکل ہوتا ہے) کیا میں ایسا کر سکتا ہوں کہ صرف ایک کرتا پہن لیا کروں اور اسی میں نماز پڑھ لیا کروں، آپ صلعم نے فرمایا کہ ہاں، مگر اس کے گریبان کو بند کر لیا کرو اگرچہ ایک کانٹا ہی اس میں لگا لیا کرو،

ف:- عرب کے کرتے طویل نصف ساق تک ہوتے تھے اور ان میں دائیں بائیں شق (چاک) بھی نہیں ہوتی تھی اس لئے تنہا کرتا پہننے میں کسی قسم کی عریانی یا ستر کھل جانے کا احتمال نہ تھا،

علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ ان روایات کی وجہ سے میں یہ سمجھا ہوا تھا کہ طریق مسنون اور تعامل سلف گریبان کے بارہ میں یہی ہے جو آجکل مروج ہے، پھر الحمد للہ اس کے بعد بالکل صاف تصریح اس کی صحیح بخاری میں مل گئی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ پر ایک مستقل باب اس عنوان سے رکھا ہے، باب جیب القمیص من عند الصدر (یعنی باب اس بیان میں کہ گریبان کرتے کا سینہ پر ہوتا ہے) پھر اس باب میں وہ حدیث بیان فرمائی جس میں بخیل اور سخی کی مثال دو جبّوں کے ساتھ دی گئی ہے اور اس میں یہ بھی مذکور ہے

کہ تنگ جبہ کی مثال کو آپ نے اپنے دست مبارک سے اس طرح فرمایا کہ ہاتھ گریبان کے اندر سے نکالے کہ جس طرح یہ ہاتھ اس وقت گریبان کی تنگی کی وجہ سے بندھے ہوئے ہیں، اسی طرح بخیل کا ہاتھ تنگ ہوتا ہے، حافظ الدنیا علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح بخاری میں میں فرمایا ہے،

فالظاہر انہ کان لابسًا قمیصًا — پس ظاہر یہ ہے کہ آپ اس وقت کرتہ پہنے
وکان طوقہ فتحۃ الی صدرہ، — ہوئے تھے اور اس کے گریبان کا شق سینہ مبارک پر تھا

پھر فرمایا کہ ابن البطال نے اسی سے استدلال کیا ہے کہ گریبان سلف کے کرتوں میں سینے پر ہوتے تھے،

اور طبرانی نے حضرت زید ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہ نے روایت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ ان کے گریبان کی گھنڈیاں کھلی ہوئی ہیں تو آپ نے اپنے دست مبارک سے ان کو بند فرما دیا اور پھر فرمایا کہ اپنی چادر کے دونوں طرفوں کو اپنے سینے پر جمع کر لیا کرو، یہ واقعہ بھی اسی پر دلالت کرتا ہے کہ ان کا گریبان سینہ پر تھا،

اور ابن ابی حاتم نے آیۃ کریمہ ولیضربن بخمرھن علی جیوبھن میں جیوب کی تفسیر حضرت سعید ابن جبیرؒ سے یہ نقل کی ہے،

یعنی علی النحر والصدر فلا یری منہ شیٔ — (عورتوں کو حکم ہے کہ اپنے دوپٹوں کو اپنے گریبانوں پر رکھا کریں اور مراد گریبان سے سینہ ہے)

الغرض روایات و قرائن صدر سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیراہن مبارک کا گریبان سینہ مبارک پر تھا اور یہی طریقہ سلف صحابہ اور تابعین میں رائج تھا، وللہ الحمد اولہ وآخرہ وظاہرہ وباطنہ،

حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ کا

مکتوب گرامی

رفع سبابہ کی تحقیق اور حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے اختلاف کا جواب

حضرت مرزا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے چند قلمی مکتوبات جو علوم شریعت وطریقت کے بیش بہا فوائد پر مشتمل ہیں احقر کو مرشد عالم حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہٗ کے کتب خانہ سے حاصل ہوئے تھے جن پر حضرت کے قلم کا لکھا ہوا تھا از ترکہ والد صاحب، آج ان میں سے ایک مکتوب اہل علم کے فائدہ کے لئے لکھا جاتا ہے، چونکہ مسئلہ علمی ہے، عوام کو اس کی حاجت نہیں اس لئے حضرت مرزا صاحب ہی کے فارسی الفاظ میں درج کیا جاتا ہے اردو ترجمہ کی حاجت نہ سمجھی گئی۔

احقر محمد شفیع عفا عنہ، مدرس دار العلوم دیوبند

مکتوب

نوشتہ بودند کہ حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ در مکتوبے از مکتوبات منع رفع سبابہ کردہ اند و تو با وجود دعوی محبت بجناب ایشاں رفع سبابہ میکنی و محب را اتباع محبوب لازم۔ ست محذوما سبحانہ جل شانہ اتباع کتاب وسنت بر عباد فرض گردانیدہ میفرمائید ما کان لمومن ولا مومنۃ اذا قضی اللہ ورسولہ امرا ان یکون لھم الخیرۃ من امرھم و رسول علیہ السلام میفرمائید لا یومن احدکم حتی یکون ھواہ تبعا لما جئت بہ و حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ کہ نائب کامل آں حضرت از بنائے طریقہ خود را

براتباع کتاب وسنت گزاشتہ اند وعلماء بر اثبات رفع سبابہ رسالہا مشتمل براحادیث صحیحہ وروایات فقہ حقیقیہ تصنیف کردہ اند تا بجائیکہ حضرت شاہ یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ فرزند اصغر حضرت مجدد نیز دریں باب رسالہ تحریر نمودہ اند ودر نفی رفع یک حدیث بثبوت نرسیدہ وترک رفع از جناب حضرت مجدد بناء اجتہاد واقع شدہ سنت منوط از نسخ براجتہاد مجتہد مقدم ست وبعد ثبوت سنت رفع ترک آں بایں حجت کہ حضرت مجدد ترک فرمودہ اند معقول نیست وحضرت مجدد بر ترک سنت تحذیر کثیر فرمودہ اند وحضرت مجدد ہم مذہب حنفی داشتند وحضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ گفتہ اذا صح الحدیث فہو مذہبی واترکو قولی لقول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پس امید آنست کہ حضرت مجدد از ترک ایں امر اجتہادی واخذ باحادیث صحیح متغیر نہ شوند واگر گویند کہ حضرت مجدد باں علم واسع از احادیث ثبوت رفع بیکرا آگاہ نبودند گویم "تا زماں مبارک حضرت ایشان ایں کتب ورسائل در دیار ہند شہرت نیافتہ بود واز نظر مبارک ایشاں نگذشتہ کہ ترک نمودہ اند وگرنہ ہرگز ترک رفع نمے فرمودند کہ ایشاں حریص ترین اکابر ایں امت براتباع سنت بودہ اند واگر گویند عدم رضائے حضرت رسالت علیہ التحیۃ بایں عمل از کشف دریافتہ ترک فرمودہ باشند ...... گویم کہ کشف در امور طریقہ معتبر است ودر احکام شریعت حجت نیست معہذا در آں مکتوب احتجاج بکشف نکردہ اند وامید آنست کہ ایں مخالفت جزئی برعایت قاعدۂ کلی ایشاں کہ بجد تمام ترغیب براتباع پیغمبر علیہ السلام فرمودہ اند مثمر نتائج گردد، والسلام۔

حضرت سفیانؒ ثوریؒ کا ایک خط

عبادؒ خواصؒ کے نام

حضرت سفیانؒ ثوریؒ نے اپنے ایک دوست عباد خواص رح کے نام خط لکھا جس کے چند جملے یہ ہیں، امابعد، آپ ایک ایسے زمانہ میں ہیں کہ جس سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے پناہ مانگی ہے حالانکہ ان کو وہ عمیق علم حاصل تھا جو ہمیں حاصل نہیں، تو ہمارا کیا حال ہوگا کہ ہم نے اس زمانہ کو پالیا اور نہ ہمیں وہ علم حاصل ہے نہ صبر وتقویٰ، اور نہ نیک کاموں میں امداد کرنے والے دوست۔ دنیا مکدر ہوگئی اور لوگوں کا حال فاسد ہوگیا۔

(از منہاج العابدین للغزالی ۲۰ ص)

خط وکتابت کی سنت

کے متعلق

ایک خط اور اس کا جواب

(از حضرت مجدد الملۃ حکیم الامۃ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی دامت برکاتہم)

مضمون خط بحضرت سیدی وسندی کہفی ومعتمدی وسیلۃ یومی وغدی متعنا اللہ تعالیٰ بطول بقائہ بالخیر، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، بعد تمنائے قدم بوسی عرض ہے کہ ناکارہ غلام مدت سے مجموعہ امراض بنا ہوا ہے، حاضری کا قصد مدت سے کر رہا ہے مگر یہی امراض مانع ہوجاتے ہیں، کوئی دعا وغیرہ ارشاد ہو تو احقر پڑھ لیا کرے،

جواب الحمد شریف بعد نماز فجر ۲۱ بار یا گیارہ بار پانی پر دم کرکے دن بھر تھوڑا تھوڑا پیا کیجئے،

مضمون احقر کی عادت خط لکھنے میں عام طور پر یہی ہے کہ اوپر اپنا نام لکھ کر پیچھے مکتوب الیہ کے القاب وغیرہ لکھتا ہوں اور یہ سمجھتا ہوں کہ طریق سنت بھی ہے مگر بڑوں کو اور بالخصوص حضرت والا کی خدمت میں اس طرح لکھنے سے طبیعت ہمیشہ رکتی ہے، آج بے ساختہ اسی طرح لکھا گیا، خیال آیا تو کاٹ دینے کا ارادہ ہوا، پھر یہ سمجھ میں آیا کہ حضرت والا سے دریافت ہی کرلوں کہ یہ طبیعت کا رکنا محض رسم ورواج کی بنا پر ہے اور اور غیر محمود ہے یا منشائے ادب ہونے کی وجہ سے محمود ہے، امید ہے کہ حضرت والا اس پر متنبہ فرمادیں گے۔

جواب ادب کے خیال سے محمود ہے مگر بالغیر یعنی للادب اور سنت محمود بالذات اور محمود بالذات کو ترجیح ہوگی، محمود بالغیر پر تو یہ اصول شرعیہ کے اعتبار سے جواب ہے اور اس میں ایک عقلی مصلحت بھی ہے کہ اخیر میں اپنا نام لکھنے میں بعض اوقات کسی عارض سے ذہول بھی ہوجاتا ہے وقد غایر مرتۃ اور ایک طبعی مصلحت بھی ہے کہ مکتوب الیہ کو پہلے ہی سے معلوم ہوجاوے اگر خط بھی نہ بھیجا تھا ہو یا بھیجا تھا ہو مگر کسی عذر سے کاتب لے

کسی دوسرے سے لکھوایا ہو تو پہچاننے سے مضمون کے ہر جزو سے خاص اثر لیتا رہے گا اور ابہام کی صورت میں اس میں غلطی ہو سکتی ہے، پھر اخیر میں نام دیکھ کر تبدیل خیال کی کلفت ہوگی، بہر حال شرعاً و عقلاً و طبعاً ہر طرح یہی طریقہ محمود ہے لیکن اگر کسی کی ان مقتضیات پر نظر نہ جاوے اور وہ اس تقدیم سے بخیال ادب بچے تو اس کو تارک سنت بھی نہ کہیں گے کیونکہ یہ سنت عادت ہے، سنت عبادت نہیں جس پر بالذات وعدہ اجر ہو اور ترک میں کراہت ہو، واللہ اعلم،

ضمیمہ تحریر خط کے بعد عبارات ذیل دیکھی گئیں، مناسب معلوم ہوا کہ ان کو بھی لکھ دیا جاوے،

کتب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی منذر بن ساوی بالبحر بعد ما اسلم بما نصہ فی نصب الرایہ للزیلعی ص۳۱ ج ۲

بسم اللہ الرحمن الرحیم، من محمد الرسول اللہ الی منذر بن ساوی سلام علیک، فانی احمد اللہ الیک الحدیث وقال العینی فی شرح کتابہ علیہ السلام الی ہرقل وقال الشیخ قطب الدین وفیہ ان السنۃ فی المکاتبات ان یبتدا بنفسہ فیقول من فلان الی فلان وھو قول الاکثرین وکذا فی العنوان ایضا یکتب کذالک واحتجوا بھذا الحدیث وبما اخرجہ ابوداؤد عن العلاء بن الحضرمی وکان عامل النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی البحرین وکان اذا کتب الیہ بدأ بنفسہ وفی لفظ بدأ باسمہ وقال حماد بن زید کان الناس یکتبون من فلان بن فلان الی فلان بن فلان - اما بعد - قال بعضھم وقال یبدأ الصحابۃ وقال ابوجعفر والنحاس وھذا ھو الصحیح قال غیرہ وکرہ جماعۃ من السلف خلافہ وھو ان یکتب اولا باسم المکتوب الیہ ورخص فیہ بعضھم وقال یبدأ باسم المکتوب الیہ روی ان زید بن ثابت رض کتب الی معاویۃ فبدأ باسم معاویہ رض وعن محمد بن الحنیفۃ وایوب السختیانی انہما قال لاباس بذلک وقیل یقدم الاب ولا یبدأ ولد باسمہ علی والدہ و الکبیر السن کذلک، قلت یردہ حدیث العلاء لکتابۃ الی افضل البشر

حقه اعظم من حق الوالد وغیرہ (عمدۃ القاری ص۱۱۶ ج)

روایات وعبارات مرقومہ سے معلوم ہوا کہ سنت خط کی یہی ہے کہ اول اپنا نام لکھے پھر مکتوب الیہ کا، خواہ مکتوب الیہ چھوٹا ہو یا بڑا، اور مسلم ہو یا کافر، نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کبھی اس کے خلاف بھی ہو جاوے تو قول راجح یہی ہے کہ وہ بھی مکروہ نہیں جیسا کہ اصل تحریر میں لکھا گیا۔ والحمد للہ علی ذالک۔

(اشرف علی عفا عنہ)

۱۵ ذی قعدہ ۵۵ھ

محبّت کا انعام

(از مولانا سید اصغر حسین رحمۃ اللہ علیہ)

جب جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی تو آپ کی تشریف آوری سے کئی روز پہلے سے مشتاقان جمال شہر سے نکل کر راستہ پر آبیٹھتے تھے اور شام کو مایوسانہ واپس ہو جاتے، بہت انتظار اور بڑی آرزوؤں کے بعد جب آپ تشریف لائے تو وہ دن اہل مدینہ کے لئے عید ہو گیا، حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں لَمَّا قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللّٰه علیه وَسَلَّمَ المدینة اضاء منها کلُّ شیٍٔ یعنی جس روز حضور اقدس تشریف فرما ہوئے تو آپ کے جمال سے مدینہ منورہ کی تمام چیزیں نورانی ہو گئیں بڑوں کے ساتھ بچے بھی خوشی منا رہے تھے اور لڑکیاں خوشی اور مبارکبادی کے یہ سیدھے سادے گیت گا رہی تھیں ؎

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع وجب الشکر علینا ما دعی اللہ داع

ثنیات الوداع سے ہم پر بدر کامل نے طلوع کیا اس لئے خدا کا شکر ہم پر ہمیشہ کیلئے واجب ہوا

لوگ ہر طرف سے آ رہے تھے اور زیارت کر رہے تھے، انصار میں سے ایک نوعمر جوان طلحہ بن براء حاضر خدمت ہوئے تو بے اختیار آپ کو لپٹے جاتے تھے اور آپ کے مبارک ہاتھوں کو خوب بوسے دیتے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، آپ مجھے جس کام کو چاہیں ارشاد فرمائیں میں ہرگز کسی بات میں بھی آپ کی نافرمانی نہ کروں گا، جناب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم

اس نوعمری میں انکی اس عقل اور جرارت کو دیکھ کر ہنس پڑے اور بطور امتحان کے فرمایا کہ جاؤ اپنے والد بزرگوار کو قتل کر آؤ، طلحہ تو تیار ہی کھڑے تھے اور انکی جان نثاری کچھ زبانی تو تھی ہی نہیں، فوراً تعمیل ارشاد کے لئے چلنے لگے، جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ٹھہرا لیا، اور فرمایا کہ یہ محض آزمائش تھی، مجھکو اللہ تعالیٰ نے قطع رحم کے لئے مبعوث نہیں کیا (یعنی رشتہ داری کے تعلقات قطع کرنے اور صلہ رحمی کے خلاف معاملہ کرنے کے لئے مجھکو خدا تعالیٰ نے نہیں بھیجا،

افسوس ہے کہ اس وفادار عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر نے وفا نہ کی جوانی ہی میں وعدہ آن پہنچا اور ایسے بیمار ہوئے کہ زندگی کی امید نہ رہی، آخری وقت میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو دیکھنے کے لئے تشریف لے گئے تو عجیب حسرت کا وقت تھا، ایک وفادار خادم اور بے ریا مخلص بستر مرگ پر پڑا ہے اور دنیا سے رخصت ہونے کے لئے تیار ہے، سامنے جان و مال سے زیادہ پیارا سردار اور ماں باپ سے زیادہ شفیق مربی کھڑا صورت کو دیکھ رہا ہے، حکم خداوندی سے کچھ چارہ نہیں دیکھتا اور بادیدۂ پرآب واپس ہوتا ہے،

آپ نے ان سے علیحدہ ہو کر بعض لوگوں سے فرمادیا کہ طلحہ پر علامات موت ظاہر ہو گئے ہیں، اب غالباً یہ زندہ نہیں رہیں گے، جب انتقال ہو جائے تو مجھے اطلاع کر دینا تاکہ آکر نماز پڑھوں اور تجہیز و تکفین میں جلدی کرنا کیونکہ مسلمان کی نعش کو گھر میں ڈالے رکھنا مناسب نہیں،

بنی عمرو بن عوف کا یہ محلہ جس میں یہ انصاری بیمار تھے، مدینہ منورہ سے علیحدہ تین میل کے فاصلے پر مسجد قبا کے اطراف میں تھا اور راستے میں یہودی لوگ آباد تھے، آپ وصیت و نصیحت فرما کر دن ہی کو مدینہ منورہ واپس آگئے،

جس طرح دن کا آخری حصہ جلد جلد گذر رہا تھا اسی طرح طلحہ بیمار کے آخری سانس ختم ہونے جاتے تھے، رات ہوگئی اور طلحہ کا بالکل آخر وقت آگیا، مگر واہ ری محبت، نہ اپنے مرنے کا غم ہے، نہ عزیز و اقارب کی دائمی مفارقت کا رنج، خیال ہے تو جناب سرور عالم کا، اور فکر ہے تو آپ کی حفاظت کی، مرنے سے پہلے ہوش آیا تو اپنے تیمار داروں کو بلا کر فرمایا کہ دیکھنا جب میں مر جاؤں تو تم لوگ خود ہی میری نماز پڑھ کر مجھے دفن کر دینا، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع نہ کرنا، رات کا وقت ہے، جگہ دور ہے، راستہ میں یہودیوں کے مکانات

اور ان کا زور ہو، وہ ہر وقت ایذا رسانی کی فکر میں رہتے ہیں اور کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے، مبادا وہ اپنی شرارت سے کوئی سازش کریں اور میری وجہ سے حضور اقدس کو گزند نہ پہنچے،

مرنے کے بعد ایک سچے مسلمان کی اس سے بڑھ کر کیا آرزو ہو سکتی ہے کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے جنازہ پر آ کھڑے ہوں، نماز پڑھا دیں، استغفار و دعا کر کے اس کو گناہوں سے پاک کرا کر جنت میں داخل کرا دیں، آپ کی نماز اور دعا سے قبر میں نور اور روح پر رحمت ہو، لیکن عقلمند طلحہ نے اس اپنی دینی آرزو کا خون ہونا گوارا کیا لیکن سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدس کی حفاظت اور آپ کو خطرہ سے بچانے کا اسلامی فرض ادا کرنے میں کوتاہی نہ کی، کیوں نہ ہو، آخر یہ بھی تو انہیں انصار میں سے تھے جن کی مدح خود حق تعالیٰ نے اس طرح فرمائی ہے وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ[1]، دوسرے الفاظ میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ طلحہؓ نے ذاتی فوائد پر قومی منافع کو ترجیح دی، کیونکہ وجود باجود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا تمام مسلمانوں کے لئے موجب ہدایت و برکت تھا اور تمام عالم کے لئے باعث رحمت

انصار نے ان کی وصیت پر عمل کیا اور رات ہی کو طلحہؓ اس پہلی منزل میں پہنچ گئے جس میں آرام یا تکلیف کے ساتھ ہر شخص کو قیامت تک ٹھہرنا ہے اور جس کی راحت و تکلیف کو سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مختصر اور جامع الفاظ نے اس طرح ظاہر فرمادیا ہے اَلْقَبْرُ رَوْضَةٌ مِّنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ اَوْ حُفْرَةٌ مِّنْ حُفَرِ النَّارِ[2]، صبح کو اس محلہ کے لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور طلحہ رضی اللہ عنہ کی وصیت اور وفات اور تجہیز و تکفین کی آپ کو اطلاع دی بقول شخصے ؎

آئے تھے تم گل جیسے بہار ہجراں چھوڑ کر
چل دیا وہ رات سب ہستی کا ساماں چھوڑ کر

طلحہؓ مرحوم کی وفات اور مخلصانہ خیر خواہی کا قلب مبارک پر بہت اثر ہوا اور بعض صحابہ

---

[1] مطلب آیت کا یہ ہے کہ دوسروں کی مصلحت کو اپنی ذاتی ضرورتوں پر ترجیح دیتے ہیں اگرچہ ان کو کتنی ہی تکلیف اور دشواری پیش آوے اگرچہ نزول اس آیت کا انصار کے ایک خاص کنبے و گھرانے کی نسبت ہوا ہے لیکن مفہوم اس کا عام ہے اور تمام انصار کی صفات و مدح معلوم ہوتی ہے، ۱۲ منہ

[2] یعنی قبر یا تو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا، ۱۲ منہ

رضی اللہ عنہم کو ہمراہ لے کر محلہ بنی عمرو میں تشریف لے گئے، تشریف آوری کی خبر سن کر حسب طاقت بہت سے انصار جمع ہو گئے، آپ انکی قبر پر تشریف لائے اور سب حاضرین صف باندھ کر آپ کے پیچھے صف باندھ کر کھڑے ہوئے اور آپ نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے، یہ وہ حالت تھی کہ طلحہ مرحوم کا بدن نہیں تو روح ضرور وجد کر رہی ہوگی، اس سے بڑھ کر کیا خوش قسمتی ہوگی کہ دین و دنیا کا سردار دونوں ہاتھ اٹھائے قبر پر کھڑا ہے، کامل الایمان مخلص مسلمان آمین کہنے کے لئے تیار ہیں، طلحہؓ کی جان نثاری اور محبت وایثار علی النفس کا انعام ملنے والا ہے،

آپ نے وہ دعا فرمائی جو آج تک کسی کے لئے نہیں فرمائی تھی، اَللّٰھُمَّ اَلْقِ طَلْحَۃَ وَاَنْتَ تَضْحَکُ اِلَیْہِ وَھُوَ یَضْحَکُ اِلَیْکَ (اے خداوند طلحہ سے ایسی حالت میں ملنا کہ تم اسے دیکھ کر ہنستے ہو وہ تم کو دیکھ کر)

یقین ہے کہ سید الانبیاء کی درخواست منظور ہو کر خوش نصیب طلحہ کو محبت کے صلہ ور انعام میں حق تعالیٰ کی خوشنودی و رضامندی کی وہ نعمت مل گئی ہوگی جس سے بڑھ کر نہ دنیا میں کوئی دولت و راحت ہے نہ آخرت میں اور جنت میں، ہم بھی اس دعا میں شریک ہونے کی سعادت حاصل کرتے ہیں اور بار بار کہتے ہیں کہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ وعن الصحابۃ اجمعین و صلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدنا سید الانبیاء والمرسلین (آمین)

نیک بندوں کے وجود سے خلق اللہ کا نفع

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰہِ النَّاسَ بَعْضَھُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ

جس طرح دنیا میں اپنے ایک محبوب کی خاطر اس کے سیکڑوں متعلقین کی رعایتیں کی جاتی ہیں ؎

لہ اللہ تعالےٰ ہنسنے، روتے اور تمام حوادث وعوارض بشریہ وجسمانیہ سے پاک ہیں، بطریقہ مجاز مراد اس سے اعلیٰ درجہ کی رضا وخوشنودی کے ثمرات وفوائد ہیں، ۱۲ منہ

خورند از برائے گلے خارہا
برند از برائے دلے بارہا

عادۃ اللہ بھی اس بارہ میں یہی ہے ؎
مراعات صد کن برائے یکے

امام الحدیث والتفسیر ابن جریرؒ آیت مذکورہ کی تفسیر میں بروایت حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

"اللہ تعالیٰ ایک مرد صالح کی برکت سے اس کے پڑوس میں سَو گھرانوں سے بلا و عذاب کو دفع فرما دیتا ہے (ابن کثیر ص ج ۱)

حضرت ابن عمرؓ نے وہ حدیث نقل کرنے کے بعد یہ آیت پڑھی ،

ولولا دفع اللہ الناس بعضہم ببعض لفسدت السموات والارض — اگر اللہ تعالیٰ بعض نیک لوگوں کی وجہ سے دوسرے لوگوں سے عذاب کو دفع نہ کر دیتا بلکہ ہر بدکاری کی سزا دیتا تو آسمان و زمین خراب ہو جاتے ،

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

ان اللہ لیصلح بصلاح الرجل المسلم ولدہ و ولد ولدہ واھل دویرتہ ودویرات حولہ ولا یزالون فی حفظ اللہ ما دام فیہم (ابن کثیر ص ج ۱) — بیشک حق تعالیٰ ایک نیک مسلمان کی برکت سے اس کی اولاد اور اولاد کی اولاد کو اور اس کے سب گھر والوں اور آس پاس کے گھر والوں کو درست کر دیتا ہے اور وہ ہمیشہ خدا تعالیٰ کی حفاظت میں رہتے ہیں "

امام التفسیر ابن کثیرؒ نے یہ دونوں روایتیں نقل کرنے کے بعد اگرچہ ان کی تضعیف کی ہے لیکن اول تو فضائل اعمال میں بحسب تصریح جمہور محدثین حدیث ضعیف مقبول ہے ، پھر تعدد طرق سے اس کے ضعف کی مکافات بھی ہو گئی ہے اور مضمون ان احادیث کا قرآن مجید کی آیت مذکورہ سے ثابت ہے ،

خلاصہ یہ ہے کہ دین دار اور نیک مسلمان کا وجود سب مسلمانوں کے لئے موجب برکات ہے خواہ ظاہر میں وہ اس سے نفع حاصل کریں یا نہ کریں ،

اعجاز ابراہیمی کی ایک جھلک
بعض غلامان محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں پر

حضرت ابو مسلم خولانیؒ کی عجیب کرامت

حضرت ابو مسلم خولانی رحمۃ اللہ علیہ جو طبقہ تابعین میں بلند پایہ بزرگ ہیں انکا ایک عجیب واقعہ حدیث و تاریخ کی نہایت مستند کتاب، حلیہ ابی نعیم، "تاریخ ابن عساکر، تاریخ ابن کثیر وغیرہ میں محدثانہ اسانید کے ساتھ مذکور ہے جس کے دیکھنے سے سرور کائنات فخر موجودات نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کی جامعیت کمالات کا نقشہ آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے کہ جو معجزات و کمالات انبیاء سابقین کو عطا ہوئے تھے اسی قسم کے بعض کمالات اور خوارق عادات حق تعالے نے آپ کی امت کے افراد پر ظاہر فرما کر اہل عالم پر ظاہر فرما دیا کہ ؎

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری
انچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

مسیلمہ کذاب کا نام شیطان کیطرح ایسا مشہور ہے کہ غالباً بہت سے عوام بھی اس سے واقف ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں اس شخص نے نبوت کا دعوی کیا اور اس کا اعلان کیا کہ میں بھی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک نبوت ہوں،

یمن میں اسکا نشوونما ہوا، بے وقوف اور محروم القسمت گمراہوں کی ایک بڑی جماعت اس کے ساتھ ہوگئی، یہاں تک کہ اطراف یمن پر چھا گئی اور لوگوں کو جبر و اکراہ سے اپنے باطل مذہب کی طرف دعوت دینے لگی،

ایک روز مسیلمہ کذاب نے حضرت ابو مسلم خولانیؒ کو گرفتار کرا کے اپنے سامنے حاضر کیا اور دریافت کیا تم اس کی شہادت دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں، حضرت ابو مسلمؒ نے فرمایا کہ میں سنتا نہیں ہوں، اس نے پھر کہا کہ کیا تم اس کی شہادت دیتے ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

اللہ کے رسول ہیں ؟ ابو مسلم نے فوراً کہا کہ بیشک !

اس نے پھر پوچھا کہ کیا تم اس کی گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں ، ابو مسلم نے فوراً جواب دیا کہ میں سنتا نہیں ، پھر پوچھا کہ کیا تم اس کی شہادت دیتے ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ سلم اللہ کے رسول ہیں تو فرمایا کہ ہاں ، اسی طرح پھر تیسری مرتبہ دونوں جملے دریافت کئے ، اور یہی دونوں جواب سنے ،

غصہ میں آکر حکم دیا کہ ایک عظیم الشان انبار سوختہ کا جمع کرکے آگ روشن کرو اور ابو مسلم کو اس میں ڈالدو - اس حزب شیطان نے حکم پاتے ہی یہ جہنم کا نمونہ تیار کردیا ، اور ابو مسلم رح کو بے دردی کے ساتھ اس میں ڈال دیا ، مگر جس قادر مطلق نے حضرت خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے دہکتی آگ کو ایک پرفضا باغ اور بَرْدٌ وَّسَلَامٌ بنا دیا تھا وہ حی وقیوم آج بھی اپنے رسول کی محبت میں جاں نثاری کرنے والے ابو مسلم کو دیکھ رہا تھا ، اس نے اس وقت پھر معجزہ ابراہیمی کی ایک جھلک دنیا کو دکھلادی ، اور پیروان نمرود کی ساری کوششیں خاک میں ملادیں ، حضرت ابو مسلم رحمۃ اللہ علیہ صحیح سالم اس آگ سے برآمد ہوئے ، تو مسیلمہ کذاب کے ساتھی خود مذبذب ہونے لگے اور مسیلمہ نے اس کو غنیمت سمجھا کہ کسی طرح یہ یمن سے چلے جاویں ،

ابو مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو قبول کیا اور یمن کو چھوڑ کر مدینۃ الرسول کی راہ لی مدینہ طیبہ پہنچے تو مسجد نبوی میں داخل ہوکر ایک ستون کے پیچھے نماز پڑھنا شروع کردی اچانک حضرت فاروق اعظم رض کی نظر ان پر پڑی تو بعد فراغت نماز دریافت کیا کہ آپ کہاں سے آئے ہیں ، انہوں نے عرض کیا کہ یمن سے (مسیلمہ کذاب کا یہ واقعہ کہ کسی مسلمان کو اس نے آگ میں جلادیا ہے بہت مشہور ہوچکا تھا اور حضرت فاروق رض بھی اس سے متاثر اور حقیقت دریافت کرنے کے مشتاق تھے) ان سے پوچھا کہ آپ کو اس شخص کا حال معلوم ہے جس کو مسیلمہ نے آگ میں جلادیا ہے ؟

ابو مسلم رح نے غایت ادب سے صرف اپنا نام لے کر عرض کیا کہ وہ شخص عبداللہ بن ثوب (یعنی خود) یہی ہے ، حضرت فاروق اعظم رض نے قسم دیکر فرمایا کہ کیا واقعی آپ ہی کو اس نے آگ میں ڈالا تھا ، انہوں نے بقسم عرض کیا کہ میں ہی اس کا صاحب واقعہ ہوں ،

حضرت فاروق رض یہ سن کر کھڑے ہوگئے اور ان سے معانقہ کیا ، پھر روتے رہے اور اپنے ساتھ لے گئے اور صدیق اکبر رض اور اپنے درمیان بٹھلایا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے

مجھے اس وقت تک زندہ رکھا کہ اپنی آنکھوں سے میں نے ایسے شخص کی زیارت کرلی جس کے ساتھ وہی معاملہ کیا گیا ہے جو حضرت خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ کیا گیا تھا۔

تنبیہ:۔ قادیانی مرزا غلام احمد کے پیرو آنکھیں کھولیں اور دیکھیں کہ مسیلمہ کذاب کا دعویٰ ان کے گرو کے دعوے سے کچھ زیادہ شدید نہیں تھا کیونکہ وہ بھی نبوت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا منکر نہ تھا، صرف اپنے آپ کو بھی مرزا کی طرح نبی کہلانا چاہتا تھا مگر صحابہ و تابعین نے اس کے ساتھ کیا معاملہ کیا۔

واللہ الہادی

امیر المؤمنین حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ

کا

حکیمانہ مکتوب

سنن ابی داؤد میں سند کے ساتھ مذکور ہے کہ ایک شخص نے امیر المومنین حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک خط لکھا جس میں تقدیر کے متعلق سوالات تھے آپ نے اس کے جواب میں جو حکیمانہ خط لکھا ہے اس کا ایک ایک جملہ آب زر سے لکھے جانے کے لائق اور ورد زبان اور حرز جان بنانے کے قابل ہے چونکہ اس کے پر شوکت الفاظ بھی نہایت دلاویز ہیں اس لئے اصل عربی خط مع ترجمہ کے لکھا جاتا ہے۔

اما بعد - اوصیك بتقوی اللہ والاقتصاد فی امرہ واتباع سنۃ نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم وترك ما احدث المحدثون بعد ماجرت بہ سنتہ وکفوا مؤنتہ فعلیك بلزوم السنۃ فانہا لك باذن اللہ	حمد وصلوٰۃ کے بعد تمہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور اس کے معاملہ میں میانہ روی کرنے کی اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کی وصیت کرتا ہوں، اور جو چیزیں ایجاد کرنے والوں نے ایجاد کی باوجودیکہ اس کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طریقہ جاری فرما دیا تھا اور امت کو اس مشقت سے سبکدوش

عصمة ثم اعلموا انه لم يبتدع
الناس بدعة الا قد مضى قبلها
ما هو دليل عليها او عبرة فيها،
فان السنة انما سنها من قد
علم ما فی خلافها ولم يقل ابن
كثير من قد علم من الخطا والزلل
والحمق والتعمق فارض لنفسك
ما رضى به القوم لانفسهم فانهم
على علم وقفوا وببصر نافذ قد كفوا
ولهم على كشف الامور كانوا اقوى
وبفضل ما كانوا فيه اولى فان كان
الهدى ما انتم عليه لقد
سبقتموهم اليه ولئن قلتم انما
حدث بعدهم ما احدثه الا
من اتبع غير سبيلهم ورغب
بنفسه عنهم فانهم هم السابقون
فقد تكلموا فيه بما يكفي ووصفوا
منه ما يشفي فما دونهم من
مقصر وما فوقهم من محسر
وقد قصر قوم دونهم فجفوا
وطمح عنهم اقوام فغلوا وا
انهم بين ذالك لعلى هدى
مستقيم - الخ

(ابوداؤد كتاب السنة صفحہ ۲۸۵ ج ۲
و كتاب الاعتصام ص۵۳ جلد ۱)

کر دیا تھا، ان چیزوں کے چھوڑنے کی وصیت کرتا
ہوں، تم اتباع سنت کو لازم پکڑو اس لئے کہ وہی خدا
تعالیٰ کے حکم سے تمہارے لئے تمام مہلکات سے نجات کی کفیل
ہے اور خوب سمجھ لو کہ لوگوں نے کوئی بدعت ایجاد نہیں
کی مگر اس طرح کہ سنت رسول میں اس کی قباحت و برائی
کی دلیل موجود ہے یا اس میں خود عبرت ہے اس لئے کہ طریق
سنت کو اس ذات والا صفات نے جاری کیا ہے جس نے
پہلے یہ معلوم کر لیا تھا کہ اس طریق کے خلاف میں خطا و
لغزش اور حماقت وتکلف ہے، پس تمہیں چاہیے کہ اپنے لئے
وہی طریقہ اختیار کرو جس کو قوم (اسلاف صحابہ) نے اپنے
لئے پسند کر لیا تھا

اس لئے کہ وہ جس حد پر ٹھہرے علم کے ساتھ ٹھہرے اور
انہوں نے جس چیز سے لوگوں کو روکا ایک دوربین نظر کی
بنا پر روکا اور بلا شبہ وہ ہی حضرات دقیق حکمتوں اور علمی
الجھنوں کے کھولنے پر قادر تھے اور وہ جس کام میں تھے اس
میں سب سے زیادہ فضیلت کے وہی مستحق تھے،

پس اگر ہدایت اس طریق میں مان لی جاوے جس پر تم
ہو تو اس کے یہ معنی ہیں کہ تم فضائل میں ان سے سبقت لے
گئے (جو بالکل محال ہے) اگر تم یہ کہو کہ یہ چیزیں ان حضرات
کے بعد پیدا ہوئی ہیں (اس لئے ان سے یہ طریقہ منقول نہیں)
تو سمجھ لو کہ ان کو ایجاد کرنے والے وہی لوگ ہیں جو ان کے
راستہ پر نہیں ہیں اور ان سے علیحدہ رہنے والے ہیں کیونکہ
یہی حضرات سابقین ہیں جو معاملات دین میں اتنا کلام
کر گئے ہیں جو بالکل کافی ہے اور اس کو اتنا بیان کر دیا
جو شفا دینے والا ہے، پس ان کے طریقہ سے کمی و کوتاہی

کرنے کا بھی کوئی موقع نہیں ہے اور ان سے زیادتی کرنے کا بھی کسی کو حوصلہ نہیں ہے، اور بہت سے لوگوں نے ان کے طریقہ میں کوتاہی کی وہ مقصد سے دور رہ گئے، اور بہت سے لوگوں نے ان کے طریقہ سے زیادتی کا... ارادہ کیا وہ غلو میں مبتلا ہو گئے، اور یہ حضرات افراط وتفریط اور کوتاہی کے درمیان ایک راہ مستقیم پر تھے۔"

اس خط میں کس قدر وضاحت کے ساتھ حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز نے ارشاد فرمایا ہے کہ ایسی چیزوں سے اجتناب چاہیئے جن سے یہ حالات پیدا ہوں کہ ہم نے وہ فضیلت حاصل کرلی ہے جو ہمارے اسلاف کو حاصل نہ ہوسکی تھی کیونکہ یہ ایک مہلک غلطی ہے۔

کثرت وقلت

حضرت فضیل بن عیاضؒ کا ایک کلمۂ حکمت

آجکل دنیا میں کثرت رائے کی حکومت ہے، لوگوں نے دنیوی امور سے گذر کر دینیات میں بھی یہی اصول بنالیا ہے مگر اسلاف امت اس کے متعلق کیا رائے رکھتے ہیں وہ اس جملہ سے بوضاحت معلوم ہوجاتی ہے، حضرت فضیل بن عیاضؒ فرماتے ہیں:-

اتبع طرق الهدیٰ ولا یضرك قلة السالکین وایاك وطرق الضلالة ولا تغتر بکثرة الهالکین

تم راہ ہدایت کا اتباع کرو اگر اس پر چلنے والے کم ہوں تو وہ تمہارے لئے مضر نہیں اور گمراہی کے راستہ سے بچو اور ہلاکت میں پڑنے والوں کی کثرت سے دھوکا مت کھاؤ

(کتاب الاعتصام للشاطبی ص۱ ج۱)

اور علامہ شاطبیؒ فرماتے ہیں:-

وھذہ سنة الله فی الخلق ان اھل الحق فی جنب اھل الباطل قلیل، لقوله تعالیٰ وَمَا اکثر الناس ولو حرصت بمؤمنین

اور اللہ تعالیٰ کی اپنی مخلوق کے بارے میں یہی سنت ہے (عادت جاریہ) کہ اہل حق ہمیشہ بمقابلہ اہل باطل کے تعداد میں کم رہتے ہیں

وقوله وقليل من عبادی الشكور (اعتصام) (جلد ٢) (صـ ١١)

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے اور اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں اگرچہ آپ اس پر حریص ہوں اور ارشاد ہے اور میرے بندوں میں شکرگذار لوگ بہت کم ہیں

اور حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں:۔

اسلكوا سبيل الحق ولا تستوحشوا من قلة اهله (اعتصام صـ ٢٢ ج ١)

تم حق کے راستے پر چلو اور اس سے نگھبراؤ کہ اہل حق تعداد میں کم ہیں،

امام اعظم ابوحنیفہؒ اور عطاء بن ابی رباحؒ

ابن بطال نے شرح بخاری میں امام اعظم ابوحنیفہ رح سے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ مکہ مکرمہ میں ان کا اور حضرت عطاء بن ابی رباح رح کا اجتماع ہو گیا، عطاء بن ابی رباح رح نے پوچھا آپ کہاں کے رہنے والے ہیں، آپ نے فرمایا کہ میں اہل کوفہ میں سے ہوں، عطاء بن ابی رباح نے فرمایا کہ اچھا آپ اس بستی کے رہنے والے ہیں جنھوں نے دین میں تفرقہ ڈالا اور پارٹیاں بنالیں، امام صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے کہا ہاں میں اس بستی کا رہنے والا ہوں، پھر عطاء بن رباحؒ نے پوچھا کہ اچھا آپ ان مختلف اصناف میں سے کس صنف میں داخل ہیں، امام صاحب نے فرمایا

ممن لا يسب السلف ويؤمن بالقدر ولا يكفر احدا بذنب

میں ان لوگوں میں سے ہوں جو سلف صالح میں سے کسی کو برا نہیں کہتے اور تقدیر پر ایمان رکھتے ہیں اور کسی شخص کو کسی گناہ کی بناء پر کافر نہیں کہتے،

عطاء بن ابی رباح رح نے فرمایا کہ آپ نے حق کو پہچان لیا ہے، اسی پر قائم رہیئے۔

(کتاب الاعتصام للشاطبی صـ ٩٦ ج ١)

امیر المومنین حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کا پہلا خطبہ

عمر ثانی افضل التابعین حضرت عمر بن عبد العزیز رح جس وقت امارت و خلافت کا بار ان کے دوش مبارک پر آیا تو سب سے پہلا خطبہ جو ایک عظیم مجمع کے سامنے دیا یہ تھا جس کا ایک ایک لفظ یاد رکھنے اور حفظ کرنے کے قابل ہے ،

" حمد و صلوٰۃ کے بعد واضح ہو کہ تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں اور نہ تمہاری کتاب (قرآن) کے بعد کوئی دوسری آسمانی کتاب ہے اور نہ تمہاری سنت کے بعد کوئی دوسری سنت (طریقہ اللہ تعالےٰ کے نزدیک مقبول) ہے اور نہ تمہاری اس امت کے بعد کوئی امت ہے ،

خوب سمجھ لو کہ حلال صرف وہی ہے جس کو اللہ تعالےٰ نے اپنے رسول کی زبانی ہمارے لئے حلال فرما دیا اور وہ قیامت تک حلال رہے گا اسی طرح حرام صرف وہی ہے جس کو اللہ تعالےٰ نے اپنے رسول کے ذریعہ (صراحتًہ یا اشارۃً) ہمارے لئے حرام کر دیا ،

خوب سمجھ لو کہ میں اپنی طرف سے کوئی نئی بات ایجاد کرنے والا نہیں ہوں بلکہ محض اتباع (سنت) کرنے والا ہوں اور معلوم کر لو کہ میں (حقیقی) قاضی (فیصلہ کنندہ) نہیں بلکہ احکام کو نافذ کرنے والا ہوں (یعنی میرا کام صرف یہ ہے کہ قانون الٰہی سے جو امر ثابت ہو اس کو نافذ کر دوں ،

اور خوب سمجھ لو کہ میں صاحب خزانہ نہیں بلکہ محض ایک کارکن ہوں کہ مال کو جس جگہ رکھنے کے لئے امر الٰہی آتا ہے اس میں رکھ دیتا ہوں اور میں تم سے بہتر نہیں بلکہ تم سے زیادہ بار عظیم کا متحمل ہوں ، خبردار - کسی مخلوق کی طاعت میں حق تعالےٰ کی وصیت جائز نہیں

(اعتصام ص ۱۰۲ ، ج ۱)

فائدہ عجیبہ

فقہ مالکیہ کی مشہور کتاب فیض الرحمان میں بحوالہ حیوۃ الحیوان مذکور ہے کہ علامہ ابن جوزی فرماتے ہیں کہ جو شخص اس پر مداومت کرے کہ جب جوتا پہنے تو پہلے دایاں اور پھر بایاں پہنے اور جب نکالے تو پہلے بایاں اور پھر داہنا نکالے وہ تلی کے درد سے مامون ہوگا (فیض الرحمان صا۲۳)

فائدہ فقہیہ

لہو ولعب اور گانے بجانے وغیرہ کی ایسی چیزیں جن کا استعمال شرعاً ناجائز ہے ان کو گھر میں رکھنا بھی گناہ اور مکروہ ہے اگرچہ ان کا استعمال نہ کیا جاوے،

لما فی خلاصۃ الفتاوی صـ۳۳۰ ج ۴ ولو امسک فی بیتہ شیئاً من المعازف والملاھی کرہ ویأثم وان کان لا یستعملھا لان امساک ھذہ الاشیاء یکون للھو عادۃً، انتھی

ف:۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ گھر میں ایسی چیزیں رکھنا بھی مناسب نہیں جن سے گھر والوں کے اخلاق واعمال یا عقائد وغیرہ پر برا اثر پڑے اور اسی لئے فقہا رحمہم اللہ نے اہل باطل کی کتابوں کو اپنے گھر میں رکھنے سے منع کیا، یہ جزئیہ کتب فتاوی میں کہیں نظر سے گذرا ہے مگر اس وقت حوالہ یاد نہیں اور تتبع کی فرصت نہیں

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

مفسرِ قرآن قاضی بیضاوی

قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ جن کی تفسیر بیضاوی عام طور پر مدارس میں زیرِ درس ہے شیخ تاج الدین سبکی رح نے طبقاتِ شافعیہ میں بذیل تذکرہ ان کا ایک دلچسپ اور عبرت خیز واقعہ نقل کیا ہے۔

موصوف اپنے فضل و کمال اور خداداد شہرت و وجاہت کی بنا پر اوائل میں شیراز کے قاضی تھے، مگر انقلابِ زمان اور معاصرانہ کاوشوں کی وجہ سے سلطانِ وقت نے ان کو وہاں سے معزول کر دیا، معزول ہونے کے بعد یہ تبریز پہنچے، وہاں ایک عالم کے حلقۂ درس میں حاضر ہوئے اور کنارہ پر ایک جگہ بیٹھ گئے، اثنائے درس میں مدرس نے بطورِ امتحان ایک نکتۂ غریبہ اس خیال سے بیان کیا کہ موجودین میں سے اس کو کوئی حل نہ کر سکے گا بلکہ اس کے اشکال کو سمجھ بھی نہ سکے گا، چنانچہ سب حاضرین سے خطاب کر کے کہا کہ اگر تمہیں قدرت ہے تو اس کو حل کر دو ورنہ کم از کم اس کے اشکال ہی کی تقریر کر دو۔

شرکائے درس سب حیران تھے کہ کیا جواب دیں کہ اچانک قاضی بیضاوی نے اس کا جواب دینا شروع کیا، مدرس نے کہا کہ میں اس وقت تک جواب نہ سنوں گا جب تک پہلے یہ نہ معلوم کر لوں کہ تم اشکال بھی سمجھ گئے ہو۔

قاضی بیضاوی نے اشکال کی تقریر کر دی اور بیان کیا کہ آپ نے نکتہ کے بیان میں فروگذاشت کی ہے، اس کی صحیح تقریر یہ ہے، اور پھر اس کا حل نہایت صاف بیان کر دیا۔

اس کے بعد اسی کی مثل ایک معما اپنی طرف سے پیش کر کے مدرس سے حل طلب کیا، مدرس اس کے حل میں حیران رہ گیا۔ اتفاقاً اس مجلس میں وزیرِ سلطان بھی حاضر تھے، یہ واقعہ دیکھ کر بیضاوی کی عظمت اس کے قلب میں بڑھ گئی، اگرچہ وہ اس وقت تک بیضاوی کو پہچانتے نہ تھے، اور فوراً قاضی بیضاوی کو ان کی جگہ سے اٹھا کر اپنے پاس لے آئے اور ان کے حالات دریافت کئے کہ آپ کون ہیں اور کہاں سے اور کس غرض سے آئے ہیں؟
موصوف نے حالات بیان کئے کہ:-

میں بیضا کا رہنے والا ہوں، قضاءِ شیراز کی طلب میں یہاں حاضر ہوا ہوں، اور وزیر

نے ان کا بہت اکرام کیا اور خلعت وانعام دے کر رخصت کیا۔

اور بعض ارباب تاریخ نے واقعہ اس طرح نقل کیا ہے کہ قاضی بیضاوی شیخ محمد بن محمد کتانی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے درخواست کی کہ وزیر کی خدمت میں میری سفارش کر دیں کہ وہ مجھے بھی شیراز کی قضا پر بحال کر دیں، شیخ موصوف ایک مقبول بزرگ تھے، ایک روز وزیر سے ان کی ملاقات ہوئی تو قاضی موصوف کی سفارش ان الفاظ میں کی :—

" یہ ایک مرد صالح اور عالم فاضل ہے، اس کی درخواست یہ ہے کہ جہنم میں آپ کا شریک ہو جائے، یعنی یہ چاہتا ہے کہ ایک مصلّے کی جگہ جہنم میں اس کو بھی مل جاوے، مجلس حکومت اس قدر خطرناک ہے کہ وہ اکثر جہنم کا سبب بن جاتی ہے، اس لئے شیخ محمد رح نے اس کو جہنم سے تعبیر کیا "

قاضی بیضاوی رح اس عجیب طرح کی سفارش سے اس قدر متاثر ہوئے کہ اپنی درخواست ہی واپس لے لی اور پھر ہمیشہ شیخ کی خدمت میں رہنے لگے اور انھیں کے اشارہ سے یہ تفسیر بھی لکھی ہے جو ہمیشہ مقبول خواص وعوام رہی ہے، انتہیٰ

مومن کی دنیا

از مولوی محمد قاسم صاحب اعظم گڑھی، دار العلوم دیوبند

ما پرورِیم دشمن و ما می کشیم دوست
کس را چرا و چون نہ رسد در قضائے ما

امام احمد رح نے نوف بکالی سے ایک عجیب حکایت نقل فرمائی ہے، فرمایا کہ ایک مرتبہ دو شخص مچھلیوں کے شکار کی غرض سے چلے، ان میں سے ایک کافر تھا، دوسرا مسلمان، کافر اپنا جال ڈالتے وقت اپنے معبودوں کا نام لیتا جس کی وجہ سے اس کا جال مچھلیوں سے لبریز ہو کر آتا اور مسلم اپنا جال ڈالتے وقت اللہ تبارک وتعالیٰ کا نام لیتا لیکن کوئی مچھلی اسے ہاتھ

نہ آئی ، اسی طرح غروب آفتاب تک دونوں شکار کرتے رہے آخرکار اس مسلمان کو بھی ایک مچھلی ہاتھ لگی لیکن وائے ناکامی کہ وہ مچھلی بھی اس کے ہاتھ سے اچھل کود کر پانی میں جا پڑی ، یہاں تک کہ یہ بیچارہ غریب مسلمان شکارگاہ سے ایسا خائب وخاسر لوٹا کہ اس کے ساتھ کوئی شکار نہ تھا اور کافر ایسا کامیاب واپس آیا کہ اس کا کشکول مچھلیوں سے پُر تھا ،

اس عجیب وغریب حیرتناک واقعہ پر فرشتۂ مومن کو سخت افسوس ہوا اور بارگاہ خداوندی میں عرض کیا" اے میرے رب ! یہ کیا بات ہے کہ تیرا ایک مومن بندہ جو تیرا نام لیتا ہے ایسی حالت میں لوٹتا ہے کہ اس کے ساتھ کوئی شکار نہیں ہوتا ، اور تیرا کافر بندہ ایسا کامیاب واپس آتا ہے کہ اس کا کشکول مچھلیوں سے لبریز ہوتا ہے ، حق تعالیٰ عزوجل نے فرشتۂ مومن سے خطاب فرمایا کہ اے فرشتہ آ ، اور اس مرد مومن کے عالیشان مقام کو دکھلا کر جو اس کے لئے جنت میں پہلے سے تیار ہے ارشاد فرمایا کہ کیا اس مقام کو حاصل کرنے کے بعد بھی میرے اس مومن بندے کو وہ رنج وتعب جو دنیا میں مچھلیوں سے ناکامی کے باعث پہنچا تھا باقی رہ سکتا ہے ، اور کافر کے اس بدترین مقام کو دکھلا کر جو اس کے لئے جہنم میں تیار کیا گیا ہے ارشاد فرمایا کہ کافر کی وہ چیزیں جو اس کو دنیا میں عطا کی گئی ہیں اس کو جہنم کے دائمی عذاب سے نجات دلا سکتی ہیں ؟ فرشتے نے جواب دیا لا واللہ یارب یعنی اے رب العزت ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا ،

ف) سبحان اللہ حق تعالیٰ کے نزدیک ایمان کا کتنا بڑا مرتبہ ہے ، مسلمانو ! اس کی قدر کرو ، کسی دنیاوی مصیبت کی وجہ سے پست ہمت اور ملول مت ہو ، اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے دنیا کے عوض جنت میں اعلیٰ سے اعلیٰ چیزیں تیار کر رکھی ہیں جن کے مقابلہ میں دنیاوی نعمتیں کوئی وقعت نہیں رکھتیں ،

دوم :- اسی قسم کا ایک اور واقعہ ابی العباس ابن المسروق سے مروی ہے فرمایا کہ میں نے یمن میں ایک شکاری کو دیکھا جو دریا کے بعض کناروں پر مچھلی کا شکار کر رہا تھا ، اس کے ہمراہ ایک بچی بھی تھی ، شکاری جب کوئی مچھلی شکار کرتا تو اسے لڑکی کے جھولے میں ڈال دیتا اور شکار میں مصروف ہو جاتا ، ادھر وہ لڑکی شکار کردہ مچھلیوں کو پانی میں ڈالتی جاتی ، ایک مرتبہ اس نے مچھلیوں کی طرف التفات کیا تو اسے کوئی مچھلی نظر نہ آئی ، بچی سے دریافت کیا کہ اے بیٹی ، تم نے کس وجہ سے ایسا معاملہ مچھلیوں کے ساتھ کیا ، لڑکی نے جواب دیا ، اے اباجان

ایک مرتبہ میں نے آپکو سنا، حدیث بیان فرمار ہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کوئی مچھلی جال میں نہیں پھنستی مگر جب کہ اللہ کے ذکر سے غافل ہو جاتی ہے، اس لئے میں نے اس بات کو پسند نہیں کیا کہ ایسی شے کا لقمہ بناؤں جو خدا کی یاد سے غافل ہو،

لڑکی کے اس جواب کو سن کر وہ شخص بے اختیار رو پڑا اور جال کو ہاتھوں سے پھینک دیا

ف) سبحان اللہ پہلے لوگوں کے دلوں میں کس قدر خدا اور اس کے رسول کی عظمت ومحبت پوشیدہ تھی، مرد تو مرد، عورتیں اور بچیاں بھی کیسی متقی اور پرہیزگار ہوتی تھیں، افسوس ہے کہ آجکل ہمارے پرفتن زمانہ میں دینداری اور پرہیزگاری کا روز بروز قحط ہوتا جا رہا ہے، اب فیصدی ایک بھی خدا کے نیک اور دین دار بندے نظر نہیں آتے، مسلمانو! ان واقعات سے عبرت پکڑو، اور موجودہ زمانے کے نت نئے فتنوں سے جو کہ حشرات الارض کی طرح دن بدن پھیلتے جارہے ہیں اپنے آپ کو بچاؤ اور اگلے لوگوں کے نقش قدم پر چلنے کی پوری پوری کوشش کرو۔ انشاءاللہ تم بھی ان کے مرتبہ کو پہنچ جاؤ گے،

کافروں اور مجرموں کے ساتھ مسلمانوں کا حسن سلوک

اس سلسلے کے تاریخی واقعات اگر جمع کئے جاویں تو ایک ضخیم ودلچسپ کتاب تیار ہو اس وقت صرف دو واقعے مختصر لفظوں میں لکھے جاتے ہیں،

حضرت ابوایوب انصاری حضرت خالد بن ولید کے صاحبزادے عبدالرحمن نے چار قیدیوں کو ہاتھ پاؤں باندھ کر قتل کرادیا، تو ابوایوب انصاری نے فرمایا کہ میں تو مرغی کو اس اس طرح مارنا جائز نہیں سمجھتا (مسند احمد)

غزوہ روم کے زمانے میں بہت سے قیدی افسر تقسیمات کی زیر نگرانی تھے۔ ان میں سے ایک عورت کو زار و نزار روتے ہوئے دیکھا گیا، ابوایوب ادھر سے گذرے تو سبب دریافت

کیا ،

بیان کیا گیا کہ اس کا بچہ اس سے چھین کر علیحدہ کر دیا گیا ہے آپ نے فوراً اس کے بچے کو واپس دلوا دیا ،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر سخت وعید فرمائی ہے کہ اس سے اس کے بچے کو جدا کیا جاوے ، (مشکوٰۃ)

بدعات و محدثات
حضرات صوفیائے کرام کی نظر میں

بدعات و محدثات کے ایجاد کرنے والے اور ان پر عمل کرنے والے عموماً حضرات صوفیائے کرام اور مشائخ طریقت کی پناہ لیتے ہیں اور انہیں کی طرف منسوب کرتے ہیں ، یہاں تک بہت سے عوام اس خیال میں ہیں کہ طریقت و شریعت دو متضاد چیزیں ہیں ، بہت سے احکام جو شریعت میں ناجائز ہیں اہل طریقت ان کو جائز قرار دیتے ہیں اور یہ ایک خطرناک غلطی ہے کہ اس میں مبتلا ہونے کے بعد دین و ایمان کی خیر نہیں کیونکہ انسان کو تمام گمراہیوں سے بچانے والی صرف شریعت ہے ، جب اس کی مخالفت کو جائز سمجھ لیا گیا تو پھر ہر گمراہی کا شکار ہو جانا سہل ہے ،

اسی لئے مناسب معلوم ہوا کہ حضرات صوفیائے کرام اور مشائخ طریقت کے ارشادات بدعات کی مذمت اور اتباع سنت کی تاکید میں بقدر کفایت جمع کئے جاویں تاکہ عوام اس دھوکہ سے بچ جائیں کہ مشائخ طریقت بدعات کو مذموم نہیں سمجھتے یا اتباع سنت میں تساہل برتتے ہیں

اس سلسلے کے لئے علامہ شاطبی نے اپنی کتاب الاعتصام صفحہ ۱۰۶ ج ۱ میں ایک مستقل فصل قائم کی ہے جس میں صوفیائے متقدمین کے ارشادات دربارۂ مذمت بدعات جمع کئے ہیں ہمارے لئے ان کا ترجمہ کر دینا کافی ہے ، وہی ہذا ،

امام طریقت حضرت فضیل بن عیاضؒ

فرماتے ہیں کہ جو شخص کسی بدعتی کے پاس بیٹھتا ہے اس کو حکمت نصیب نہیں ہوتی،

حضرت ابراہیم بن ادھمؒ

آپ سے کسی شخص نے دریافت کیا کہ حق تعالےٰ نے قرآن کریم میں دعا قبول فرمانے کا وعدہ کیا ہے، فرمایا اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ مگر ہم بعض کاموں کے لئے زمانہ دراز سے دعا کر رہے ہیں قبول نہیں ہوتی، اس کا کیا سبب ہے؟ آپ نے فرمایا کہ تمہارے قلوب مر چکے ہیں اور مردہ دل کی دعا قبول نہیں ہوتی اور موت قلوب کے دس سبب ہیں:-

اوّل یہ کہ تم نے حق تعالیٰ کو پہچانا مگر اس کا حق ادا نہیں کیا، دوسرے تم نے کتاب اللہ کو پڑھا اور اس پر عمل نہیں کیا، تیسرے تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا دعویٰ تو کیا مگر آپ کی سنت کو چھوڑ بیٹھے، چوتھے شیطان کی دشمنی کا دعویٰ کیا مگر اعمال میں اس کی موافقت کی۔ پانچویں تم کہتے ہو کہ ہم جنت کے طالب ہیں مگر اس کے لئے عمل نہیں کرتے، اسی طرح کی پانچ چیزیں اور شمار کرائیں،

اور غرض اس حکایت کے نقل سے یہ ہے کہ حضرت ابراہیم بن ادھمؒ ترک سنت کو موت قلب کا سبب قرار دیتے ہیں،

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ کی محبت کی علامت یہ ہے کہ اخلاق و اعمال اور تمام امور اور سنن میں حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کیا جاوے، اور فرمایا کہ لوگوں کے فساد کا سبب چھ چیزیں ہیں ایک یہ کہ عمل آخرت کے متعلق ان کی ہمتیں اور نیتیں ضعیف ہوگئی ہیں، دوسرے یہ کہ انکے اجسام ان کی خواہشات کا گہوارہ بن گئے، تیسرے یہ کہ ان پر طول امل غالب آگیا یعنی دنیوی سامان ہیں قرنوں اور زمانوں کے انتظام کرنے کی فکر میں لگے رہتے ہیں، حالانکہ ان کی عمر قلیل ہے،

چوتھے یہ کہ انہوں نے مخلوق کی رضا کو حق تعالےٰ کی رضا پر ترجیح دے رکھی ہے، پانچویں یہ کہ وہ اپنی ایجاد کردہ چیزوں کے تابع ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو چھوڑ بیٹھے، چھٹے یہ کہ مشائخ سلف اور بزرگان متقدمین میں سے اگر کسی سے کوئی لغزش صادر ہو گئی تو ان لوگوں نے اسی کو اپنا مذہب بنالیا اور ان کے فعل کو اپنے لئے حجت سمجھا اور ان کے باقی تمام فضائل و مناقب کو دفن کر دیا،

اور ایک شخص کو آپ نے نصیحت فرمائی کہ تمہیں چاہیئے کہ سب سے زیادہ اہتمام اللہ تعالیٰ کے فرائض و واجبات کے سیکھنے اور ان پر عمل کرنے کا کرو، اور جس چیز سے اللہ تعالےٰ نے تمہیں منع کیا ہے ان کے پاس نہ جاؤ، کیونکہ حق تعالیٰ کی عبادت کا وہ طریقہ جو اس نے خود تعلیم فرمایا ہے اس طریقہ سے بہت بہتر ہے جو تم خود اپنے لئے بناتے ہو اور یہ سمجھتے ہو کہ ہمارے لئے اس میں زیادہ اجر و ثواب ہے، جیسے بعض لوگ خلاف سنت رہبانیت کا طریقہ اختیار کر لیتے ہیں۔

بندہ کا فرض یہ ہے کہ ہمیشہ اپنے آقا کے حکم پر نظر رکھے اور اسی کو اپنے تمام معاملات میں حکم بنائے اور جس چیز سے اس نے روک دیا ہے اس سے بچے،

آجکل لوگوں کو حلاوت ایمان اور طہارت باطن سے صرف اس چیز نے روک رکھا ہے کہ وہ فرائض اور واجبات کو معمولی چیزیں سمجھ کر ان کا اتنا اہتمام نہیں کرتے جتنا کرنا چاہیئے،

حضرت بشر حافی رحمتہ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوا، آپ نے ارشاد فرمایا کہ اے بشر! تم جانتے ہو کہ تمہیں حق تعالےٰ نے سب اقران پر فوقیت و فضیلت کس سبب سے دی ہے، میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ، میں واقف نہیں، آپ نے فرمایا کہ اس فضیلت کا سبب یہ ہے کہ تم میری سنت کا اتباع کرتے ہو اور نیک لوگوں کی عزت کرتے ہو اور اپنے بھائیوں کی خیر خواہی کرتے ہو، اور میرے صحابہ اور اہل بیت کی محبت رکھتے ہو،

حضرت ابوبکر دقاق رحمۃ اللہ علیہ

حضرت ابوبکر دقاق قدس سرہٗ جو حضرت جنیدؒ کے اقران میں سے تھے فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں اس میدان میں سے گزر رہا تھا جہاں چالیس سال تک بنی اسرائیل قدرتی طور پر محصور رہے اور نکل نہ سکتے تھے جس کو وادی تیہہ کہا جاتا ہے، اس وقت میرے دل میں یہ خطرہ گذرا کہ علم حقیقت علم شریعت سے مخالف ہے، اچانک مجھے غیبی آواز آئی کل حقیقۃ لا تتبع بالشریعۃ فھی کفر جس حقیقت کی موافقت شریعت نہ کرے وہ کفر ہے

حضرت ابو علی جوزجانی رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ بندہ کی نیک بختی کی علامت یہ ہے کہ اس پر خدا اور رسول کی اطاعت آسان ہوجائے اور اس کے افعال مطابق سنت کے ہوجاویں اور اس کو نیک لوگوں کی صحبت نصیب ہوجاوے اور اپنے احباب واخوان کے ساتھ اس کو حسن اخلاق کی توفیق ہو اور خلق اللہ کے لئے اس کا نیک سلوک عام ہو اور مسلمانوں کی غم خواری اس کا شیوہ ہو اور اپنے اوقات کی نگہداشت کرے (یعنی ضائع ہونے سے بچائے)،

کسی نے آپ سے سوال کیا کہ اتباع سنت کا طریقہ کیا ہے، فرمایا کہ بدعات سے اجتناب اور ان عقائد و احکام کا اتباع جس پر علمائے اسلام کے صدر اول کا اجماع ہو، اور ان کی اقتداء کو لازم سمجھنا،

حضرت ابوبکر ترمذی رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ کمال ہمت اس کے تمام اوصاف کے ساتھ سوائے اہل محبت کے کسی کو حاصل نہیں ہوتی اور یہ درجہ ان کو محض اتباع سنت اور ترک بدعت کی وجہ سے حاصل ہوا کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوق سے زیادہ صاحب ہمت اور سب سے زیادہ واصل الی اللہ تھے،

(ف) ہمت اصطلاح صوفیہ میں تصرف اور توجہ کو کہتے ہیں جس کے معنی یہ ہیں کہ کوئی شخص اپنے تخیل کی قوت کسی کام کے ہونے یا نہ ہونے کی طرف جمع کرے، اس جگہ ممکن ہے

کہ یہی مراد ہو مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تصرف اور ہمت اصطلاحی کے استعمال کا صدور کہیں صراحۃً ثابت نہیں، اس لئے غالباً اس جگہ ہمت کے لغوی معنی مراد ہیں، یعنی دین کے کاموں میں چستی اور مضبوطی، واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حضرت ابوالحسن ورّاق رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ بندہ اللہ تعالیٰ تک صرف اللہ ہی کی مدد اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدار فی الاحکام کے ذریعہ پہنچ سکتا ہے اور جو شخص وصول الی اللہ کے لئے سوائے اقتدار رسول کے کوئی دوسرا طریقہ اختیار کرے وہ ہدایت حاصل کرنے کی خاطر گمراہ ہوگیا،

حضرت ابراہیم بن شیبان رحمۃ اللہ علیہ

یہ بزرگ حضرت ابو عبداللہ مغربی اور حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہما کے اصحاب میں سے ہیں، بدعات سے سخت متنفر اور مبتدعین پر سخت رد کرنے والے، کتاب وسنت کے طریقے پر مضبوطی سے قائم اور مشائخ آئمہ متقدمین کے طرز کا التزام کرنے والے تھے، یہاں تک کہ حضرت عبداللہ بن منازل ان کے متعلق فرماتے ہیں کہ ابراہیم بن شیبان رح تمام فقراء اور اہل آداب ومعاملات پر خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک حجت ہیں،

حضرت ابو عمر زجاجی رحمۃ اللہ علیہ

یہ عُبّاد وزُہّاد کے مشہور امام حضرت جنید رح اور حضرت سفیان ثوری رح کے اصحاب میں سے ہیں فرماتے ہیں کہ:۔

"زمانہ جاہلیت میں لوگوں کا دستور یہ تھا کہ ان چیزوں کا اتباع کرتے تھے جن کو ان کی عقلیں مستحسن سمجھتی تھیں، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو آپ نے ان کو اتباع شریعت کا ارشاد فرمایا، پس عقل صحیح وسلیم وہی ہے جو محسنات شرعیہ کو اچھا اور مکروہات شرعیہ کو ناپسند سمجھے

حضرت ابو یزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ میں نے تیس سال مجاہدات کئے، مگر مجھے کوئی مجاہدہ علم اور اتباع علم سے زیادہ شدید نہیں معلوم ہوا، اور اگر علماء کا اختلاف نہ ہوتا تو میں مصیبت میں پڑ جاتا، بلاشبہ علماء کا اختلاف رحمت ہے مگر وہ اختلاف جو تجرید توحید میں ہو کہ وہ رحمت نہیں) اور اتباع صرف اتباع سنت کا نام ہے (کیونکہ علم سنت کے علاوہ دوسری چیز علم کہلانے کی مستحق نہیں)

ایک مرتبہ ایک بزرگ ان کے وطن میں تشریف لائے، شہر میں ان کی ولایت و بزرگی کا چرچا ہوا، حضرت ابو یزید رح نے بھی زیارت کا قصد کیا اور اپنے ایک رفیق سے کہا، چلو ان بزرگ کی زیارت کر آویں،

ابو یزیدؒ اپنے رفیق کے ساتھ ان کے مکان پر تشریف لے گئے، یہ بزرگ گھر سے نماز کے لئے نکلے، جب مسجد میں داخل ہوئے، تو جانب قبلہ میں تھوک دیا، ابو یزید یہ حالت دیکھتے ہی واپس ہو گئے اور ان کو سلام بھی نہ کیا، اور فرمایا کہ یہ شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آداب میں سے ایک ادب پر مامون نہیں کہ اس کو ادا کر سکے، اس سے کیا توقع رکھی جائے کہ یہ کوئی ولی اللہ ہو،

امام شاطبی رح اس واقعہ کو کتاب الاعتصام میں نقل فرمانے کے بعد لکھتے ہیں کہ حضرت ابو یزید کا یہ ارشاد ایک اصل عظیم ہے جس سے معلوم ہوا کہ تارک سنت کو درجۂ ولایت حاصل نہیں ہوتا اگرچہ ترک سنت بوجہ ناواقف ہونے کے ہوا ہو،

اب آپ اندازہ کریں کہ جو علانیہ ترک سنت اور احداث بدعت پر مصر ہوں ان کو بزرگی اور ولایت سے دور کا بھی کوئی واسطہ ہو سکتا ہے ؟

حضرت ابو محمد بن عبدالوہاب ثقفی رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ صرف وہی اعمال قبول فرماتے ہیں جو صواب و درست ہوں اور صواب و درست میں بھی صرف وہی اعمال مقبول ہیں جو خالص (اس کے لئے ہوں) اور خالص میں سے بھی وہی مقبول ہیں جو سنت کے مطابق ہوں

نیز حضرت ابو یزید کا ارشاد ہو کہ اگر تم کسی شخص کی کھلی کھلی کرامات دیکھو، یہاں تک کہ وہ ہوا میں اڑنے لگے تو اس سے ہرگز دھوکا نہ کھاؤ اور اس کی بزرگی و ولایت کے اس وقت تک معتقد نہ ہو جب تک کہ یہ نہ دیکھ لو کہ امر و نہی اور جائز و ناجائز اور حفاظت حدود اور آداب شریعت کے معاملے میں اس کا کیا حال ہو،

حضرت سہل تستری رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ بندہ جو فعل بغیر اقتدار (رسول) کے کرتا ہو، خواہ وہ (بصورت) طاعت ہو یا معصیت، وہ عیش نفس ہو اور جو فعل اقتدار و اتباع سے کرتا ہے وہ نفس پر عتاب اور مشقت ہو کیونکہ نفس کی خواہش کبھی اقتدار و اتباع میں نہیں ہو سکتی اور اصل مقصود ہمارے طریق (یعنی سلوک) کا یہی ہو کہ اتباع ہوا سے بچیں،

نیز فرمایا کہ ہمارے (صوفیاء کرام کے) سات اصول ہیں، ایک کتاب اللہ کے ساتھ تمسک، دوسرے سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدار، تیسرے اکل حلال (یعنی کھانے پینے اور استعمال کرنے میں اس کا لحاظ کہ کوئی چیز حرام و ناجائز نہ ہو) چوتھے لوگوں کو تکلیف سے بچانا، پانچویں گناہوں سے بچنا، چھٹے توبہ، ساتویں ادائے حقوق،

نیز ارشاد فرمایا کہ تین چیزوں سے مخلوق مایوس ہوگئی، توبہ کا التزام، اور سنت رسول کا اتباع، اور مخلوق کو اپنی ایذاء سے بچانا،

نیز کسی نے آپ سے دریافت فرمایا کہ فتوت (عالی ظرفی) کیا چیز ہو؟ فرمایا کہ اتباع سنت،

حضرت ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ بسا اوقات میرے قلب میں معارف و حقائق اور علوم صوفیاء میں سے کوئی خاص نکتۂ عجیبہ وارد ہوتا ہو اور ایک زمانۂ دراز تک وارد ہوتا رہتا ہے مگر میں اس کو دو عادل گواہوں کی شہادت کے بغیر قبول نہیں کرتا اور وہ عادل گواہ کتاب و سنت ہیں،

حضرت ابو حفص حدّاد رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ جو شخص ہر وقت اپنے افعال و احوال کو کتاب و سنت کی میزان میں وزن نہیں کرتا اور اپنے خواطر (واردات قلبیہ) کو متہم (ناقابل اطمینان) نہیں سمجھتا اس کو مردانِ راہ تصوّف میں شمار نہ کرو ،

نیز آپ سے بدعت کی حقیقت دریافت کی گئی تو فرمایا کہ احکام میں تعدّی یعنی شرعی حدود سے تجاوز کرنا اور تہاون فی السنن یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں میں سستی کرنا اور اتباع الاراء والاھواء یعنی اپنی خواہشات اور غیر معتبر آراء رجال کی پیروی اور ترک الاتباع والاقتداء یعنی سلف صالح کے اتباع و اقتدار کو چھوڑنا ، اور کبھی کسی صوفی کو کوئی حالت رفیعہ بغیر امر صحیح کے اتباع کے حاصل نہیں ہوئی ،

حضرت حمدون قصّار رحمۃ اللہ علیہ

آپ سے کسی نے دریافت کیا کہ لوگوں کے اعمال پر احتساب اور داروگیر کسی شخص کے لئے کس وقت جائز ہوتی ہے ، فرمایا کہ جب وہ یہ سمجھے کہ یہ احتساب اور امر بالمعروف مجھ پر فرض ہو گیا ہے (فرض ہونے کی صورت یہ ہے کہ جس کو امر بالمعروف کیا جائے وہ اس کا ماتحت امد تحت القدرت ہو ، یا یہ یقین ہو کہ وہ ہماری بات مان لے گا ، وغیرذالک) یا یہ خوف ہو کہ کوئی انسان بدعت میں مبتلا ہو کر ہلاک ہو جاوے گا ، اور اس کو یہ گمان ہے کہ ہمارے کہنے سننے سے اس کو نجات ہو جاوے گی ،

نیز ارشاد فرمایا کہ جو شخص سلف صالح کے احوال پر نظر ڈالتا ہے اس کو اپنا قصور اور مردان راہ خدا کے درجات سے اپنا پیچھے رہنا معلوم ہو جاتا ہے ،

علامہ شاطبیؒ فرماتے ہیں کہ غرض اس کلام کی (واللہ اعلم) یہ ہے کہ لوگوں کو سلف صالح کی اقتدار کی ترغیب دیں ، کیونکہ یہی حضرات اہل سنت ہیں ،

حضرت احمد بن ابی الحواری رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ جو شخص کوئی عمل بلا اتباع سنت کرتا ہے اس کا عمل باطل ہے

سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کے سامنے کسی نے ذکر کیا کہ عارفین پر ایک حالت ایسی آتی ہے کہ وہ تمام حرکات و اعمال چھوڑ کر تقرب الی اللہ حاصل کرتے ہیں، حضرت جنید رح نے فرمایا کہ یہ ان لوگوں کا قول ہے جو اسقاط اعمال کے قائل ہیں،

اور فرمایا کہ میں تو اگر ایک ہزار سال بھی زندہ رہوں تو اپنے اختیار سے اعمال بر (طاعات عباوات) میں سے ایک ذرہ بھی کم نہ کروں، ہاں مغلوب و مجبور ہو جاؤں تو دوسری بات ہے،

اور فرمایا کہ وصول الی اللہ کے جتنے راستے عقلاً ہو سکتے ہیں وہ سب کے سب بجز اتباع آثار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام مخلوق پر بند کر دیئے گئے (یعنی بغیر اقتدار رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی شخص ہرگز تقرب الی اللہ حاصل نہیں کر سکتا اور جو دعویٰ کرے وہ کاذب ہے")

اور فرمایا کہ ہمارا یہ مذہب کتاب وسنت کے ساتھ مقید ہے،

نیز ارشاد فرمایا کہ جو شخص قرآن مجید کو حفظ[1] نہ کرے اور حدیث رسول کو نہ لکھے، اس معاملہ (تصوف) میں اس کی اقتدار نہ کرنی چاہیئے کیونکہ ہمارا علم کتاب وسنت کے ساتھ مقید ہے اور فرمایا کہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی تائید ہوتی ہے

حضرت ابو عثمان حیری رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ معیت وصحبت تین چیزوں سے حاصل ہوتی ہے ایک حسن ادب، دوسرے دوام ہیبت تیسرے مراقبہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحبت ومعیت اتباعِ سنت اور ظاہر شریعت کے التزام سے

---

[1] حفظ قرآن سے غالباً مراد یہ ہے کہ احکام قرآن پر اس کی نظر ہو، اور تلاوت کا ورد ہو، اسی طرح کتابت حدیث سے ضروری احادیث کے مضامین محفوظ ہونا مراد ہے جیسا کہ مشائخ سلف وخلف کے تعامل سے واضح ہے۔
محمد شفیع عفا عنہ

حاصل ہوتی ہے، اور اولیار کی صحبت بمعیت ادب واحترام اور خدمت سے حاصل ہوتی ہے، آپ کی وفات کے وقت جب آپ کا حال متغیر ہوا تو صاحبزادہ نے بوجہ شدت غم والم کے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے، ابو عثمان نے آنکھ کھولی اور فرمایا، بیٹا، ظاہر اعمال میں خلاف سنت کرنا یہ باطن میں ریار ہونے کی علامت ہے، آپ فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص اپنے نفس پر قول وفعل میں سنت کو حاکم بنادے گا وہ حکمت کے ساتھ گویا ہوگا اور جو قول وفعل میں خواہشات واہواء کو حاکم بنائے گا وہ بدعت کے ساتھ گویا ہوگا، حق تعالیٰ کا ارشاد ہے وان تطیعوا تہتدوا، یعنی اگر تم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کروگے تو ہدایت پاؤگے،

حضرت ابوالحسین نوری رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں جس کو تم یہ دیکھو کہ تقرب الی اللہ میں وہ کسی ایسی حالت کا مدعی ہے جو اس کو علم شرعی کی حد سے باہر نکال دے تو تم اس کے پاس نہ جاؤ،

حضرت محمد بن فضل بلخی رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ اسلام کا زوال چار چیزوں سے ہے، ایک یہ کہ لوگ علم پر عمل نہ کریں دوسرے یہ کہ علم کے خلاف عمل کریں، تیسرے یہ کہ جس چیز کا علم ہو اس کو حاصل نہ کریں، چوتھے یہ کہ لوگوں کو علم حاصل کرنے سے روکیں، علامہ شاطبی فرماتے ہیں کہ یہ تو ان کا ارشاد ہے، اور ہمارے زمانہ کے صوفیوں کا عام طور سے یہی حال ہوگیا، اور فرمایا کہ اللہ تعالےٰ کے ساتھ سب سے زیادہ معرفت رکھنے والا وہ شخص ہے جو اس کے اوامر کے اتباع میں سب سے زیادہ مجاہدہ کرتا ہو اور اس کے رسول کا سب سے زیادہ متبع ہو

حضرت شاہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنی نظر کو محارم سے محفوظ رکھے اور اپنے نفس کو شبہات سے بچائے اور اپنے باطن کو دوام مراقبہ کے ساتھ معمور کرے اور ظاہر کو اتباع سنت سے آراستہ کرے اور اپنے نفس کو اکل حلال کی عادت ڈالے تو اس کی فراست میں کبھی خطا نہیں ہوسکتی،

حضرت ابو سعید خراز رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ ظاہر شریعت جس باطنی حالت کا مخالف ہو وہ باطل ہے،

حضرت ابو العباس ابن عطار رحمۃ اللہ علیہ

جو سید الطائفہ حضرت جنید رح کے اقران میں سے ہیں فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنے نفس پر آداب الٰہیہ کو لازم کرلے، اللہ تعالیٰ اس کے قلب کو نور معرفت سے منور فرما دیتا ہے اور کوئی مقام اس سے اعلیٰ واشرف نہیں ہے کہ بندہ حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوامر اور اخلاق میں ان کا متبع ہو، نیز فرمایا کہ سب سے بڑی غفلت یہ ہے کہ بندہ اپنے رب سے غافل ہو اور یہ کہ اس کے آداب معاملہ سے غافل ہو،

حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ علم کثرت روایت کا نام نہیں بلکہ عالم صرف وہ شخص ہے جو اپنے علم کا متبع ہو اور اس پر عمل کرے اور سنت نبوی کی اقتدا کرے اگرچہ اس کا علم تھوڑا ہو، کسی نے آپ سے دریافت کیا کہ عافیت کیا چیز ہے تو فرمایا،

دین بلا بدعة وعمل بلا آفة و قلب بلا شغل ونفس بلا شهوة ،	دین بغیر بدعت کے اور عمل بغیر آفت کے (یعنی بچاؤ مخترعات کی آفتیں اس میں شامل نہ ہوں) اور قلب فارغ جس کو غیر اللہ کا شغل نہ ہو اور نفس جس میں شہوت (کا غلبہ) نہ ہو،

اور فرمایا کہ حقیقی صبر یہ ہے کہ احکام کتاب وسنت پر مضبوطی سے قائم رہے

حضرت بنان حمال رحمۃ اللہ علیہ

آپ سے دریافت کیا گیا کہ احوال صوفیہ کی اصل کیا ہے، فرمایا تین چیزیں، اول جس چیز کا حق تعالیٰ نے خود ذمہ لے لیا ہے اس میں اس پر اعتماد و توکل کرنا، (یعنی رزق) دوسرے احکام الٰہی پر مضبوطی سے قائم رکھنا، تیسرے قلب کی حفاظت (لا یعنی تفکرات سے) بچتے کونین سے فارغ ہو کر توجہ محض ذات حق کی طرف رکھنا،

حضرت ابو حمزہ بغدادی قدس سرہٗ

فرماتے ہیں کہ جس شخص کو حق کا راستہ معلوم ہو جاتا ہے اس کو اس پر چلنا بھی سہل ہوتا ہے اور اللہ تعالےٰ تک پہنچانے والے راستے کے لئے کوئی رہبر و رہنما بجز سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال و افعال و اقوال میں متابعت کے نہیں ہے،

حضرت ابو اسحاق رقاشی قدس سرہ

فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص یہ معلوم کرنا چاہے کہ میں حق تعالیٰ کی نظر میں محبوب ہوں یا نہیں تو علامت اللہ تعالیٰ کی محبت کی یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طاعت اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کو سب کاموں پر ترجیح دے اور دلیل اس کی حق تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ

حضرت ممشاد دینوری قدس سرہ

فرماتے ہیں کہ آداب مرید کا خلاصہ یہ ہے کہ مشائخ کے احترام و عظمت کا التزام کرے اور اخوان طریقت کی حرمت کا خیال رکھے اور اسباب کی فکر میں (زیادہ) نہ پڑے اور آداب شریعت کی اپنے نفس پر پوری حفاظت کرے،

حضرت ابو علی روزباری قدس سرہ

آپ سے کسی نے ذکر کیا، بعض صوفیا غنار و مزامیر سنتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ میرے لئے حلال ہے کیونکہ میں ایسے درجہ پر پہنچ چکا ہوں کہ مجھ پر اختلاف احوال کا اثر نہیں ہوتا، آپ نے فرمایا کہ اس نے یہ ٹھیک کہا ہے کہ وہ پہنچ گیا ہے مگر اللہ تک نہیں بلکہ جہنم تک!

حضرت ابو محمد عبد اللہ بن منازل رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ جو شخص فرائض شرعیہ میں سے کسی فریضے کو ضائع کرتا ہے اس کو اللہ تعالےٰ سنن کی اضاعت میں مبتلا فرما دیتے ہیں اور جو شخص سنن کی اضاعت میں مبتلا ہوتا ہے وہ بہت جلد بدعات میں مبتلا ہو جاتا ہے

زبان اور لباس کا اثر اخلاق اور معاشرت پر

جس طرح جمادات و نباتات اور جڑی بوٹیوں میں حق تعالیٰ نے خاص خاص آثار ودیعت رکھے ہیں جن میں سے طبع انسانی کے لئے مفید بعض مضر سمجھے جاتے ہیں اور دوا و علاج اور پرہیز میں ان کا لحاظ رکھا جاتا ہے اسی طرح انسانی افعال و اعمال میں بھی ہر عمل کے کچھ خواص ہیں جو قرآن و حدیث میں بیان کئے گئے اور بعض مشاہدات و تجارب سے ثابت ہیں،

زبان اور لباس اسی سلسلے کی دو کڑیاں ہیں کہ ان میں حق تعالیٰ نے خاص خاص آثار رکھے ہیں اور اکثر احکام اسلامیہ میں ان کا لحاظ رکھا گیا ہے،

صدیوں کے تجربہ اور ہزاروں مشاہدات سے یہ امر درجۂ یقین کو پہنچ جاتا ہے کہ انسان جس قوم کی زبان اور لباس اختیار کرتا ہے اس کے خیالات اور اخلاق نہایت سرعت سے اس کے قلب و دماغ پر چھا جاتے ہیں، اس دقیق ربط کی حقیقت کو آپ سمجھ سکیں یا نہ سمجھیں مگر نتائج اس کے اس قدر کھلے ہوئے ہیں کہ ان کا انکار نہیں ہو سکتا،

ہمارے اسلاف اس گُر سے واقف تھے انہوں نے جب جزیرۃ العرب سے علم ہدایت لے کر عجم کی طرف قدم نکالا تو ہر جگہ اس کا خیال رکھا اور جس طرح اسلام کی اشاعت و تبلیغ کو تمام عالم انسان پر عام کرنے کی کوشش کی اسی طرح عربی زبان اور عرب کی وضع و لباس کو بھی عام کرنے کی سعی فرمائی اور تھوڑے ہی عرصہ میں وہ حیرت انگیز کامیابی حاصل کی کہ عادۃً اس کی نظیر نہیں، ایک طرف اگر دنیا کا جغرافیہ بدل ڈالا تو دوسری طرف طبقات و ممالک کی زبانیں بدل ڈالیں اسلام سے پہلے مصر میں قبطی زبان، شام میں رومی زبان، عراق و خراسان میں فارسی، بلاد یورپ میں بربری زبانیں رائج تھیں، اسلام ان بلاد میں پہنچا تو تھوڑے عرصہ میں ان ممالک کی زبانیں اس طرح بدل گئیں کہ لوگ مادری زبانوں کو بالکل بھول گئے، اور ملکی زبانوں کا نام و نشان نہ رہا،

عربی زبان کے اس عموم و شیوع میں خود اس زبان کی شیرینی اور وسعت و سہولت

کو بھی بہت بڑا دخل ضرور ہے لیکن ساتھ ہی اس میں بھی شبہ نہیں کہ حضرات صحابہ وتابعین کی حکمت عملی اور اہتمام خاص کے بغیر یہ کایا پلیٹ ہوجانا ممکن نہ تھا،

اسی حکمت عملی کا ایک جزو یہ تھا کہ یہ اساطین امت جس خطۂ ملک میں اترکر جب خطبہ دیا تو عربی زبان میں دیا، حالانکہ مخاطب اس زبان سے بالکل ناواقف تھے اور یہ حضرات اس پر قادر تھے کہ خود یا کسی ترجمان کے ذریعہ خطبہ کو ملکی زبان میں مخاطبین تک پہنچاویں لیکن انہوں نے ایسا نہ کیا، اور ضروری احکام کو مخاطبین کی ملکی زبان میں پہنچا دینے کے لئے دوسرے انتظامات کرکے خطبوں کو صرف عربی زبان میں منحصر رکھا تاکہ مخاطب کو خود اس طرف رغبت ہو کہ امام وامیر کی تقریر کا مفہوم سمجھنے کے لئے عربی زبان سے آشنا ہو، اور ایسا ہی ہوا،

اسلامی اعتدال کی ایک مثال

لیکن اس حکمت عملی میں بھی مسلمانوں نے اپنے امتیازی نشان یعنی اعتدال اور حفاظت حدود کا ایسا خیال رکھا ہے کہ دوسری قوموں میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی، وہ چاہتے تھے کہ جلد سے جلد عربی زبان عام ہو جاوے لیکن اس مقصد کو ترغیب کی حد سے بڑھنے نہیں دیا کہ جبر و اکراہ کی نوبت آجاوے اقوام عالم کی کسی ایسی ضرورت کو عربی زبان پر موقوف نہیں رکھا جس کے بغیر گذارا مشکل ہو، خطبہ کا سمجھنا کوئی واجب وفرض نہیں کہ اس کے نہ سمجھنے سے انسان گناہگار رہے البتہ ترغیب کا ایک بہترین اور معتدل ذریعہ تھا کہ طبعی طور پر مخاطب کو اس کی رغبت ہوتی ہے کہ امیر کی تقریر کو سمجھے،

بخلاف اقوام نصاریٰ کے کہ جب ان کو اس گر کی خبر ہوئی اور انہوں نے اپنی زبان کو عام کرنے کی ناکام سعی شروع کی تو اس مقصد کے لئے خلق اللہ کی زندگی تنگ کردی، ان کا سفر و حضر اور معاملات بیع وشراء، رزق و روزی کو اپنی زبان جاننے پر موقوف کردیا، ان کی ازلی محرومی اور زبان کی تنگی وسختی اگر درمیان میں نہ ہوتی تو بلاشبہ آج دنیا میں انگریزی کے سوا اور کسی دوسری زبان کا نام ونشان نہ رہا ہوتا،

یہ حق تعالیٰ نے اسلام اور اسلامی زبان ہی کو خصوصی فضیلت عطا فرمائی ہے کہ وہ جس ملک میں داخل ہوئی ساری زبانیں منسوخ کرکے سب کی جگہ لے لی،

یورپ کا مشہور ڈاکٹر گستا دلی بان، زبان عربی کی اس ہمہ گیری پر حیران ہوکر لکھتا ہے "زبان عربی کی نسبت ہم کو وہی کہنا ہے جو ہم نے مذہب عرب کی نسبت کہا ہے

یعنی جہاں پہلے ملک گیر اپنی زبان کو مفتوحہ ممالک میں جاری نہ کر سکے تھے عربوں
نے اس میں کامیابی حاصل کی اور مفتوحہ اقوام نے ان کی زبان کو بھی اختیار کیا
یہ زبان ممالک اسلامی میں اس درجہ پھیل گئی کہ اس نے یہاں کی قدیم زبانوں یعنی
سریانی، قبطی، یونانی، بربری وغیرہ کی جگہ لے لی، ایران میں بھی ایک مدت
تک عربی زبان قائم رہی، اور اگرچہ اس کے بعد زبان فارسی کی تجدید ہوئی لیکن
اس وقت تک علماء کی تحریریں اسی زبان میں ہوتی تھیں، ایران کے کل علوم و
مذاہب کی کتابیں عربی ہی میں لکھی گئی ہیں، ایشیا کے اس خطہ میں زبان عربی کو
وہی حالت ہے جو ازمنۂ متوسط میں زبان لاطینی کی حالت یورپ میں تھی، ترکوں
نے بھی جنہوں نے عربوں کے ملک فتح کئے انہیں کی طرز تحریر اختیار کرلی اور اس
وقت تک ترکوں کے ملک میں کم استعداد لوگ بھی قرآن کریم کو بخوبی سمجھ لیتے ہیں

یورپ کی لاطینی اقوام کی ایک مثال البتہ ہے، جہاں زبان عربی نے ان
کی قدیم السنہ کی جگہ نہیں لے لی لیکن یہاں بھی انہوں نے اپنے تسلط کے بین آثار
چھوڑے ہیں، موسیو ڈوزی اور موسیو انگلمین نے مل کر زبان اندلس اور
پرتگال کے ان الفاظ کی جو عربی سے مشتق ہیں ایک لغت تیار کرلی ہے، فرانس
میں بھی عربی زبان نے بڑا اثر چھوڑا ہے موسیو سدی یو نہایت درست لکھتے ہیں
کہ اوورن اور شوڑین کے بھی زبان عربی الفاظ سے زیادہ معمور ہو گئے ہیں اور
ان کے ناموں کی صورت بھی بالکل عربی ہے، فرانسیسی زبان کے ایک لغت نویس
جنھوں نے الفاظ کا اشتقاق دیا ہے لکھتے ہیں کہ ... فرانس میں عربوں کے قیام کا
کوئی اثر نہ محاورات پر رہا ہے نہ زبان پر،

جو فہرست اوپر لکھی جاچکی ہے اس سے معلوم ہوگا کہ اس رائے کی کس قدر وقعت ہے
نہایت تعجب کی بات ہے کہ اب بھی ایسے تعلیم یافتہ لوگ موجود ہیں جو اس قسم کے مہمل
اقوال کا اعادہ کرتے ہیں، انتہی

اس فرانسیسی لغوی کی لغو بیانی کو تو خود یورپ کے فاضل گستاولی بان نے واضح کر کے محتاج
تردید نہیں چھوڑا ہے لیکن ہم اتنا اور بتا دینا چاہتے ہیں کہ یہ مسکین یا تو یورپ کی گذشتہ تاریخ
سے بالکل ناواقف ہوا اور یا بعض قومی تعصب کی وجہ سے لوگوں کو مغالطہ میں ڈالنا چاہتا ہے،

"تاریخ شاہد ہے کہ بلاد یورپ میں دخول اسلام کو نصف صدی گزرنے نہ پائی تھی کہ وہاں کے عام سکان و باشندگان نے بربری اور لاطینی زبانوں کو دفن کر دیا کہ ان ممالک میں نصاریٰ کے پادری اس پر مجبور ہو گئے کہ اپنے مذہب کی نماز و عبادت کا ترجمہ عربی زبان میں کر کے مسیحی قوم کے سامنے پیش کریں تاکہ وہ اس کو سمجھ سکیں (از رسالہ غابر الاندلس و حاضرہا صـ۳۸)

الغرض امرار اسلام نے اشاعت زبان کے اہم مقصد کے ساتھ رعایا کی سہولت و آسانی کا بھی خاص اہتمام رکھا ہے، اقوام یورپ کی طرح دنیا کو اس پر مجبور نہیں کیا، بایں ہمہ جس طرح اسلام ناسخ الادیان مسلّم تھا اسی طرح لسان عرب ناسخ الالسنہ ہو گئی،

آپ غور کیجئے کہ اسلاف اسلام نے عربی زبان کی اشاعت میں یہ کوشش کیوں کی، اس کا ایک سیاسی مقصد تو ظاہر اور عام ہے کہ حاکم و محکوم اور سلطان و رعیت میں ارتباط و انبساط بڑھے دوسرا مقصد یہ بھی ان حضرات کا مطمح نظر تھا کہ جب قرآنی زبان لوگوں میں رائج ہو گی تو قرآنی اخلاق و معاشرت بھی ان میں بآسانی پیدا ہو سکیں گے، چنانچہ عربی زبان کے عموم کے ساتھ ہی یہ دونوں مقصد حاصل تھے،

آجکل یورپ کو اپنی ہمہ دانی پر ناز ہے، وہ اپنے آپ کو تہذیب و تمدن اور معاشرت و سیاست کا مالک سمجھتا ہے اسی کی ایک مثال پر نظر ڈالئے،

ممالک یورپ میں اسلامی زبان اور اسلامی تمدن و معاشرت

اسلام جب بلاد مغرب میں فاتحانہ داخل ہوا اور اندلس و پرتگال اس کا مستقر ہو گئے تو نصف صدی نہ گذری تھی کہ یہاں کی بربری زبان بھی رخصت ہوئی، یہ ملک ایک خطۂ عرب بن گیا، اور نہ صرف زبان بلکہ یورپ کی ساری اقوام وضع قطع اور تمدن و معاشرت میں مسلمانوں کی نقل اتارنے کو فخر سمجھنے لگیں اور یہی نہیں بلکہ آس پاس کے دوسرے ممالک فرانس وغیرہ کے محبوبانہ اثر سے خالی نہ رہے،

شیخ محمد کرد علی مصری جو مصر میں مجمع علمی کے صدر ہیں اپنے سفرنامۂ اندلس میں اندلس و پرتگال کی سیاحت کے چشم دید واقعات اور اس کے ماضی و حال کا موازنہ بتلاتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"نہ فقط وہ ممالک یورپ جو اسلام کے زیر نگین آ چکے تھے، اسلامی زبان و اسلامی معاشرت کے دلدادہ ہو گئے، بلکہ گرد و پیش کے ممالک یورپ بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے، جلالقہ، لیوتیون، نار فاریون کے سمجھدار لوگ عربی زبان

سیکھتے تھے، وہ مسلمانوں کے تمدن و معاشرت پر ایسے فریفتہ تھے کہ اپنے مذہبی اصول کو چھوڑ کر مسلمانوں کی وضع قطع، مسلمانوں کی عادات و خصائل، مسلمانوں کی طرح اپنی عورتوں کو پردہ میں رکھنے کے عادی ہو گئے تھے، (غبارِ اندلس حافظ ہاشمی)

افسوس کہ ہم کیا سے کیا ہو گئے، کہاں سے کہاں جا پہنچے، سلف کی اس ناخلف اولاد نے کس طرح ان کی عزت کے نشانات کو مٹایا اور غیروں کی غلامی کا طوق اپنی ہاتھوں سے اپنی گردن میں ڈال لیا، ان کی قائم کی ہوئی بنیادوں کی ایک ایک اینٹ اور لگائے ہوئے چمن کا ایک ایک درخت جڑ سے نکال دیا صد افسوس کہ جو تو میں ہماری نقالی کو (بجا طور پر) فخر سمجھتی تھیں آج ہم بجا طور پر ان کے نقال بن گئے، وضع قطع ان کی اختیار کرلی، زبان ان کی لے لی بے ضرورت بھی انگریزی لفظ بولنے کو فخر سمجھنے لگے، صحیح لفظ بھی نہ آتا ہو تو غلط ہی سہی، صاحب بہادر کی مشابہت کا تو ثواب مل ہی جاتا ہے،

عورتوں کو پردہ سے نکالا اور مردوں کے دوش بدوش لا کھڑا کیا انا للہ وانا الیہ المشتکی،

ان حالات کے استحضار نے یہ چند اشعار بیساختہ زبان پر جاری کر دیئے،

نام لیتے ہیں ہم بزرگوں کا ! اور ہر بات میں ہیں ان کے خلاف
ان کے اخلاق کا مٹایا نام ہاتھ سے کھو دیئے وہ سب اوصاف
شکل و صورت میں انکی ضد ہیں ہم جانشینی کی اس پہ لاف و گزاف
سب کی نظروں میں تم اگر ہو ذلیل تو خطا کیا ہے پھر قصور معاف
تم ہی انصاف سے ذرا کہہ دو انہیں اسلاف کے ہو تم اخلاف
نام سے جن کے تھا جہاں روشن جن کے عالم پہ عام تھے الطاف
نقل کو جن کی جانتے تھے شرف اہل عالم کے خود پسند اشراف

آج بھی ذلتوں سے جائے پناہ،
ہے اگر کچھ تو اسوۂ اسلاف

ہم نے اول صرف ان کی زبان اور وضع اختیار کی اور سمجھا کہ ایمان و اسلام کا تعلق قلب سے ہے، ظاہری وضع و تراش کو اس میں کیا دخل لیکن تجربہ نے بتلا دیا کہ یہی ایک

بجلی کی رَو تھی جو قلب و دماغ پر چھا گئی اور انگریزیت و نصرانیت ہمارے دلوں کی تہ میں بیٹھ گئی
ایک شخص ابتداء میں صرف انگریزی جوتہ استعمال کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اس سے ہم انگریز نہیں بن گئے، لیکن تھوڑے ہی عرصہ میں وہ دیکھ لے گا کہ یہ انگریزی جوتہ اس کے بدن سے اسلامی پاجامہ اتروا کر ٹخنوں سے نیچا پاجامہ پہننے پر مجبور کر دے گا، پھر یہ پاجامہ اس کا اسلامی کرتہ اور عبا مار اتروائے گا، اور جب اعضاء و جوارح اور بدن انسانی کی پارلیمنٹ کے سب ارکان مغربی رنگ کے ہو گئے تو اس کے سلطان سر تاج کو مجبور ہو کر ان کا تابع بننا پڑے گا اور انگریزی ٹوپی اسلامی عمامہ کی جگہ لے لے گی، اور جب خود گھڑے گھڑائے صاحب بہادر بن گئے تو سمجھ لیجئے کہ اب گھر کے قدیم اصول و رواج کی خیر نہیں کیونکہ یہ کیسے کسائے صاحب بہادر کسی مسند پر نہیں بیٹھ سکتے، دستر خوان پر کھانا .... تناول نہیں فرما سکتے، نماز کے لئے بار بار وضو نہیں کر سکتے رکوع و سجدہ نہیں کر سکتے،

غرض گھر کا پرانا فرنیچر رخصت، پرانی وضع قطع رخصت، رسم و رواج رخصت طہارت و عبادت رخصت،

دیکھ لیا کہ ایک انگریزی جوتے کی آفت کہاں تک پہنچی اور کس طرح اس نے تمہارے دین و دنیا کو تباہ کر ڈالا،

حقیقت میں گناہوں کا ایک سلسلہ ہے، جب انسان ایک گناہ اختیار کرتا ہے تو دوسرا اس کے ساتھ خود بخود لگ لیتا ہے، ایک حدیث میں ہے کہ نیکی کی فوری جزا یہ ہے کہ اس کے بعد دوسری نیکی کی توفیق ہوتی ہے اور گناہ کی فوری سزا یہ ہے کہ اس کے بعد دوسرے گناہوں میں مبتلا ہو جاتا ہے"

(از رسالہ الدواء الشافی لابن القیم)

ہم آج انگریزوں کے مظالم اور تکبر آمیز معاملات سے نالاں ہیں اور ان کو برا بھی سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں، مخالفت کا اظہار بھی کرتے ہیں لیکن افسوس کہ انگریز جن عادات و خیال اور اخلاق و معاشرت کی وجہ سے قابل نفرت ہیں وہ ہمارے رگ و پے میں سرایت کئے ہوئے ہیں، انگریزوں کو ہندوستان سے نکالنے کے لئے تو بہت لوگ سرگرم کار نظر آتے ہیں لیکن انگریزیت کو قلب و دماغ اور اس کی غلامی کے طوق و زنجیر کو اپنے دست و گلو سے نکالنے کے لئے کوئی طیار نظر نہیں آتا، حالانکہ وہ غیر اختیاری ہے اور یہ اختیاری، اس کے راستہ میں بہت سی مشکلات

یہاں کچھ نہیں ،

اگر حقیقت میں ہمیں نصاریٰ اور انگریزوں سے نفرت ہے تو ہمارا پہلا قدم یہ ہونا چاہیئے کہ آج ہی ان کی وضع قطع اور طرز معاشرت کو یکلخت چھوڑ دیں اور زبان کا استعمال بھی صرف بقدر ضرورت و مجبوری کریں اور بغیر شدید ضرورت کے انگریزی الفاظ و زبان کا استعمال نہ کریں اور جن مواقع میں انگریزوں کی پالیسی نے ہمیں انگریزی کے لئے مجبور کر رکھا ہے ، ان میں بھی اس کی کوشش کریں کہ کوئی ہندوستانی اس پر مجبور نہ رہے ، ڈاک اور ریل کے ٹکٹ اور تمام کاروبار ہماری ملکی زبان میں ہوں ، ہندوستانی عدالتوں کے فیصلے ملکی زبان میں ہوں تاکہ ہمارے قلوب و دماغ نصاریٰ کے تسلط سے پاک ہوں ،

حافظ حدیث علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ اقتضاء الصراط المستقیم میں فرماتے ہیں ،

ان اعتیاد اللغۃ مؤثر فی العقل	کسی قوم کی زبان کا عادی ہونا اس کی عقل اور
والخلق والدین تاثیرا بینا	اخلاق اور دین میں کھلی ہوئی تاثیر رکھتا ہے

افسوس ہے کہ آج مسلمانوں کی نظر اس قدر سطحی ہوگئی ہے کہ اپنے بزرگوں کے برتے ہوئے مجرب اصول اور ان کے بتلائے ہوئے گُر ان کی سمجھ میں نہیں آتے ، انہیں قرآن و حدیث کے ارشادات سنائے جاتے ہیں تو ان کے دل اس کے قبول کے لئے نہیں کھلتے ،

سلف صالح کے حکمت آموز کلمات و اصول بتلائے جاتے ہیں تو وہ ان کی نظر میں نہیں آتے ، وہ علماء کو یہ رائے دیتے ہیں کہ عربی زبان کے رہے سہے آثار بھی مٹا دیں خطبے اردو زبان میں پڑھیں ، عربی کا نام نہ آنے دیں ، اس لئے آخر میں ہم خود اس قوم کے چند واقعات پیش کرتے ہیں جس کی کورانہ تقلید نے ہمارے بھائیوں کو مصائب و ذلت کا شکار بنا رکھا ہے ،

ذرا غور کیجئے کہ ہندوستان میں باوجود اس اشاعت و عموم کے فی صدی کتنے آدمی ہیں جو انگریزی جانتے ہیں لیکن انگریزوں نے اپنی سیاسی حکمت عملی کی بنا پر سارے دفتروں کے کاغذات ، ریل اور ڈاک کے ٹکٹ اور تمام کاروبار انگریزی میں رکھے ہیں ، اپنی ملکی زبان میں تمام علوم و فنون کا ماہر ہندوستانی انگریزوں کے دفتروں میں ایسا پھرتا ہے جیسے کوئی اندھا پھرا کرتا ہے ،

آپ غور نہیں کرتے کہ آخر انگریزوں نے یہ طرز کیوں اختیار کیا اور ہندوستانیوں کو

انگریزی سیکھنے پر مجبور کرنے سے ان کا کیا مقصد ہے، اگر ذرا غور سے کام لو تو مقصد کھلا ہوا ہے کہ ہندوستانی عموماً اور مسلمان خصوصاً ایک مذہبی فطرت رکھتے ہیں اور مذہب کسی وقت اجازت نہیں دیتا کہ مسلمان کسی کافر کا غلام بن جائے بلکہ مسلمان براہ راست اس کے لئے بھی اجازت نہیں دیتا کہ کسی کافر کی وضع قطع اور اس کی معاشرت اختیار کرے اس لئے موجودہ حکومت نے یہ جال پھیلایا کہ اپنی زبان سیکھنے پر انہیں مجبور کر دیا، زبان سیکھتے ہی ان کی معاشرت خود بخود بدلی، معاشرت بدلنے کے ساتھ ہی انہیں قومی اور مذہبی عزت ..... حقیر نظر آنے لگی اور انگریزی معاشرت کے طوق کو وہ اپنی زینت سمجھنے لگے،

اندلس میں عربی زبان اور عربی معاشرت کو مٹانے کی کوشش، اسلامی کتبخانے نذر آتش

اور یورپین نصاریٰ کی یہ پالیسی آج کی نہیں بلکہ زوال اندلس کے وقت جب کہ ممالک یورپ مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل کر نصاریٰ کے زیر نگیں ہو گئے، اور نصاریٰ نے ہر طرح کے جبر و اکراہ سے یہ چاہا کہ رعیت کو اپنا ہم رنگ اور ہم نوا بنالیں مگر صدیوں کی پیہم کوششوں کے باوجود اس میں کامیابی نہ ہوئی تو وہاں کے تجربہ کار اس کی تفتیش میں لگے کہ اس کا سبب کیا ہے؟

اس کمیشن کی رپورٹ یہ ہوئی کہ ہم نے اگرچہ مسلمانوں کو اپنے ملک سے نکال دیا ہے لیکن اسلامی زبان (عربی) کے مدارس اور اس کی تعلیم و تعلم ابھی تک ہمارے ملک میں عام ہے اسلامی معاشرت و تمدن رائج ہے،

اسی نے سب کے قلوب کو مسخر کیا ہوا ہے اور ہم سے ان کا رشتہ نہیں جوڑتا، جب تک اسلامی زبان، اسلامی کتب اور اسلامی معاشرت کو ممالک یورپ سے ختم نہ کر دیا جائے گا ہم اپنی کوشش میں کامیاب نہیں ہو سکتے،

۱۵۰۱ء سنہ عیسوی میں ان لوگوں کی یہ رپورٹ سامنے آئی، اسی وقت سے حکومتوں نے اپنا تمام تر زور اس پر خرچ کر دیا کہ یہ اسلامی نشانات یکسر ممالک یورپ سے فنا کر دیئے جائیں،

چنانچہ اس سال قشتالہ و غرناطہ سے ایسے پکے مسلمانوں کو بے سر و سامان نکل جانے پر مجبور کر دیا گیا جن کے متعلق حکومت کو یقین تھا کہ یہ اپنی زبان و معاشرت کو نہ چھوڑ سکیں گے،

۱۵۱۱ء میں کردینا کیمنس نے اسلامی قلمی کتابوں کو اطراف و جوانب سے جمع کر کے غرناطہ کے میدان میں ایک عظیم الشان انبار جمع کر دیا جو عالم انسان کے منتخب افراد

کی صدیوں کی عرق ریزی و محنت کے نتائج اور علوم شریعت و حکمت اور فلسفہ و ریاضی کے علمی خزائن تھے، اس ناعاقبت اندیش ظالم نے یہ عظیم الشان انبار نذر آتش کر دیا اور اسی پر بس نہیں کی بلکہ کسی اسلامی کتاب کا پاس رکھنا قانونی جرم بنا دیا اور جس جگہ کوئی کتاب ہاتھ آئی اس کو ضبط کر لینے اور جلا دینے کا حکم عام کر دیا، مورخین کا بیان ہے کہ پچاس سال تک حکومت کی یہ کوشش جاری رہی جب ممالک یورپ سے اسلامی کتابوں کو مٹایا جا سکا،

آپ اس سے ایک طرف تو اس علوم اسلامی کی ہمہ گیری اور جاذبیت کا اندازہ کر سکتے ہیں اور دوسری طرف یورپین نصاریٰ کی اندھی ذہنیت، کمینہ طبیعت اور اسلام دشمنی کا کچھ تخمینہ کر سکتے ہیں کہ یہ علوم و معارف کے خزائن جو ہر قوم کے لئے کام آنے والی چیز تھی اور ہزاروں فاضل علماء کی عمر بھر کی کمائی اور بیش بہا موتیوں سے زیادہ قیمتی خزائن تھے ان درندوں نے اس کے ساتھ کیا وحشیانہ سلوک کیا، خود یورپ کے غیر متعصب عیسائی ان کے اس ظلم و ستم پر ماتم کر رہے ہیں اس لئے نہیں کہ وہ مسلمانوں پر رحم کھاتے ہیں بلکہ اس لئے کہ وہ خود ان کتابوں اور ان علوم کے محتاج تھے (دیکھو غایۃ الاندلس)

۱۵۲۶ء میں فیلیپ امیر اسپانیہ نے اپنی قلمرو میں یہ حکم جاری کر دیا کہ کوئی شخص کوئی عربی جملہ نہ بول سکے، جن لوگوں کے نام عربی ترکیب پر مشتمل ہیں ان کے نام بدل دیئے جائیں اور جو لوگ اس کو منظور نہ کریں وہ اس کی قلمرو سے نکل جائیں، چنانچہ لاکھوں مسلمانوں کو اسی قانون کے ماتحت بے سر و سامان جلا وطن کر دیا گیا (غایۃ الاندلس و حاضرہا، ص۱۵۶)

الغرض نصاریٰ اور مغربی اقوام اس گُر کو سمجھتے ہیں جس کی بدولت ہمارے اسلاف نے اسلام اور عرب کا سکہ لوگوں کے قلوب پر بٹھایا تھا اور اپنی کامیابی کا راز اس میں سمجھتے ہیں کہ اسلامی آثار و شعائر اور زبان و معاشرت کو فنا کر دیں،

لیکن افسوس اسلام کا نام لینے والے اب بھی اس کو نہیں سمجھتے بلکہ جو کام فیلیپ نے بزور قانون اپنی رعیت سے کرایا تھا ہمارے سادہ لوح مسلمان وہ خود اپنے ہاتھوں سے خوشی خوشی اس کو انجام دے رہے ہیں اور یہی نہیں کہ وہ اتفاقی اس بلا میں پھنس گئے ہوں بلکہ اس سم قاتل کو آب حیوان اور اس مرض کی دوا سمجھ رہے ہیں،

الہ العالمین تو ہی مسلمانوں کو عقل دے کہ اب بھی اس حکمت کو سمجھ لیں اور غیروں کی زبان اور غیروں کی معاشرت اور غیروں کی وضع قطع سے اجتناب کریں، وہ اگر غیروں کے حاکمانہ

اور ظالمانہ تسلط کو اپنے اوپر سے ہٹانے میں کس قدر مجبور و معذور ہیں اور انگریزی وغیرہ کو ملازمت وغیرہ کی مجبوری سے نہیں چھوڑ سکتے تو اس میں کیا عذر ہو کہ اپنے قلب و دماغ اور اعضاء و جوارح سے ان کی غلامی کے طوق و زنجیر اتار پھینکیں اور اپنے نجی معاملات اور روز مرہ کے معاملات میں انگریزی زبان بولنا چھوڑ دیں،

ہماری یہ غرض نہیں کہ سر دست انگریزی زبان چھوڑ بیٹھیں اور جو عہدہ اور منصب اس پر موقوف کر دئے گئے ہیں ان سے یکسو ہو جاویں، غرض یہ ہو کہ ایک تو بے ضرورت اور بلا مجبوری اس زبان کا استعمال اپنے کاروبار میں نہ کریں دوسرے اپنے سیاسی مطالبات میں ان کو بھی شامل کریں کہ ملک کے سب کاروبار ملکی زبان میں ہوں،

اور اگر وہ یہ کرلیں تو شاید دوسری قسط بھی ان کے لئے بہت قریب نظر آنے لگے، مگر یہ دقیانوسی خیالات کس سے کہیں اور کون سنے ؎

می نفہمد کسے زبان مرا
بعزیزاں چہ التماس کنم

اللّٰھمّ انا نعوذ بك من شرور انفسنا وسیئات اعمالنا فلا ملجاء ولا منجاء منك الا الیك

مصائب دنیا

رحمت ہیں یا عذاب

بعض روایات حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کی مصائب و آفات حق تعالیٰ کی رحمت اور بڑی فضیلت کی چیز ہیں، جیسا کہ حدیث میں ہو کہ سب سے زیادہ بلائیں انبیاء علیہم السلام پر آتی ہیں اس کے بعد درجہ بدرجہ مقبولین و اولیاء پر،

لیکن اس کے بالمقابل بہت سی آیات قرآنیہ اور روایات حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کی مصیبتیں ہمارے گناہوں کے ثمرات و نتائج ہیں، و بعض سے معلوم ہوتا ہو کہ حق تعالیٰ کے

قہر کی علامت ہیں، اس لئے حیرانی ہوتی ہے کہ حقیقت کیا ہے اور انسان جب کسی مصیبت میں مبتلا ہو تو وہ اس کو قہر الٰہی سمجھے یا راحت،

قطب عالم حضرت شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہ نے اس مسئلے کا نہایت بہترین حل فرمایا ہے جو علامہ ابن جوزی رح نے اپنی کتاب صفوۃ الصفوہ میں تحریر فرمایا ہے (وہو ہذا)

حضرت شیخ قدس سرہ فرماتے ہیں کہ امراض و مصائب کی تین حالتیں ہیں، بعض حالات میں وہ عذاب اور قہر الٰہی ہوتے ہیں اور بعض میں گناہوں کا کفارہ اور بعض میں رفع درجات اور یہی پہچان ہر ایک کی ہے کہ:۔

اگر امراض و مصائب کے ساتھ مصیبت زدہ کو تقدیر الٰہی پر غصہ اور اس سے شکایت پیدا ہو تو وہ علامت قہر خداوندی اور عذاب کی ہے اور اگر یہ صورت نہ ہو بلکہ اس پر صبر کرے تو یہ علامت کفارۂ ذنوب ہونے کی ہے اور اگر صبر کے ساتھ رضا اور قلب میں انشراح محسوس کرے تو وہ علامت رفع درجات کی ہے، انتہیٰ

اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء و اولیاء علیہم السلام کی مصائب تیسری قسم میں داخل اور عام مومنین کی مصائب قسم دوم میں اور تیسری قسم اکثر کفار۔ کا حال ہوتا ہے، خدا تعالےٰ ہر مسلمان کو اس سے محفوظ رکھے، آمین،

حضرت ابوہریرہؓ کی رات

شاید کوئی مسلمان ایسا نہ ہوگا جو حضرت ابوہریرہ رض سے واقف نہ ہو کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی ہیں، ان کے گھرانہ کی رات ایک ممتاز رات تھی،

گھر میں ایک خود حضرت موصوف تھے، ان کی ایک زوجۂ محترمہ اور ایک کنیز، تینوں نے رات کو تین حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا کہ پہلے ایک تہائی حصہ میں ایک بیدار رہ کر عبادت میں مشغول رہتا، پھر ایک تہائی رات گذرنے پر وہ دوسرے کو اٹھا دیتا تھا، جب ان کا وقت ختم ہو گیا تو وہ تیسرے کو بیدار کر دیتا تھا کہ اپنی عبادت میں مشغول ہو جاوے،

(صفوۃ الصفوہ لابن الجوزی ص۱۱۵)

حضرت ابوہریرہؓ کا دن

جس زمانہ میں مروان کیطرف سے آپ ایک صوبہ کے عامل وحاکم تھے، عدالت کے وقت تو آپ خلق اللہ کی خدمت اور عدل وانصاف کے فیصلوں میں مشغول رہتے تھے، یہاں سے اٹھ کر لکڑیوں کا گٹھر اپنے سر پر رکھ کر لاتے تھے اور ظرافت کے ساتھ کہتے جاتے تھے اوسعو الطریق لامیرکم (تمہارے امیر المؤمنین آرہے ہیں، راستہ چھوڑدو) (صفوۃ الصفوۃ ص۱۱۵)

بندہ محمد شفیع عفاعنہ

۱۱ ذیقعدہ ۵۶ھ

امام المسلمین احمد بن حنبلؒ

کے

بعض ملفوضات طیبات

امام الدنیا والدین حضرت احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ امت کے ان چار اماموں میں سے ہیں جن کی تقلید پر حق تعالے ساری امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو جمع کر دیا ہے۔ ان کے فضائل ومناقب پر اکابر علماء کی مستقل بڑی بڑی تصانیف موجود ہیں۔ اس جگہ آپ کے بعض خاص ملفوظات درج کئے جاتے ہیں جو علوم ومعارف کے خزائن اور روح ایمان کو بڑھانے والے ہیں،

۱۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ حق تعالیٰ کو خواب میں دیکھا تو عرض کیا اے پروردگار جو اعمال بندہ کو آپ سے قریب کرنے والی ہیں ان میں سب سے بہتر اور زیادہ مفید عمل کونسا ہے، ارشاد فرمایا کہ قرآن مجید کی تلاوت، میں نے عرض کیا کہ یہ تقرب کا عظیم الشان

لے حافظ حدیث امام ابن حجیر، بیہقی، شیخ الاسلام زکریا انصاری، ابن جوزی، ابن ناصر وغیرہم جیسے ائمہ امت نے ان کی مستقل سوانحری اور مناقب وفضائل پر مفصل کتابیں لکھی ہیں (صفوۃ الصفوہ ص۳۳۳)

فائدہ صرف اس صورت میں ہے جب کہ قرآن مجید کو سمجھ کر پڑھا جاتا ہو، یا عام ہے کہ سمجھ کر پڑھیں یا بلا سمجھے،

۲۔ ارشاد فرمایا کہ سمجھ کر پڑھیں یا بلا سمجھے ہر حال میں وہ میرے تقرب خاص کا ذریعہ ہے (از کتاب صفوۃ الصفوہ لابن الجوزی صفحہ ۲۲۴)

۳۔ کوئی نوعمر لڑکا اگر آپ کی خدمت میں طلب حدیث کے لئے تنہا حاضر ہوتا تو آپ اس کو تنہائی میں حدیث پڑھانے سے انکار فرما دیتے تھے جب تک کہ اس کے ساتھ کوئی دوسرا آدمی نہ ہو، اور فرماتے تھے کہ خدا تعالیٰ کے عظیم القدر پیغمبر حضرت ذکریا علیہ السلام نے اس لئے نکاح کر لیا تھا کہ نظر بد کے خطرہ سے محفوظ ہو جاویں (تو ہمارا کہاں ٹھکانہ ہے، ہمیں تو ایسے مواقع سے بہت

حضرت ابوالقاسم نصرآبادی رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ تصوف کی اصل صرف کتاب و سنت کا التزام اور بدعات و اہوا سے اجتناب اور مشائخ طریق کی عظمت و احترام اور خلق اللہ کے اعذار پر نظر اور اوراد پر مداومت اور رخصتوں کا ترک ہے،

تتمہ:۔ احقر مترجم عرض کرتا ہے کہ یہ چالیس سے زائد مشائخ صوفیہ کے اقوال اس بارہ میں نقل کئے گئے ہیں جو سمجھ دار کے لئے کافی سے زائد ہیں اس لئے انہیں پر اکتفا کیا جاتا ہے ورنہ اس مقدس جماعت کے اکثر افراد سے اسی قسم کے اقوال منقول ہیں جن کے جمع کرنے کے لئے ایک دفتر چاہیئے، حق تعالیٰ ان حضرات کی برکت سے اتباع سنت کی توفیق عطا فرمائے اور بدعات و مخترعات سے بچائے اور اس ناکارہ کو بھی ان حضرات کے زمرہ میں محشور فرمائے آمین

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

حضرت یحییٰ بن معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ لوگوں کے تمام اختلافات کی اصل تین چیزیں ہیں اور ان تینوں کی تین ضدیں ہیں، جو شخص ایک اصل سے علیحدہ ہوتا ہے وہ اس کی ضد میں مبتلا ہو جاتا ہے، وہ تین اصل یہ ہیں، ایک توحید، اور اس کی ضد شرک ہے، دوسرے سنت اور اس کی ضد بدعت ہے، تیسرے طاعت اور اس کی ضد معصیت ہے،

بچنا چاہیئے جن میں نظر بد کا ذرا سا بھی احتمال ہو۔ صفوۃ الصفوہ

ف ۔ سبحان اللہ اس امام ہمام کی احتیاط و تقویٰ دیکھیئے کہ باوجود ہر طرح قادر علی النفس اور مجسم تقویٰ ہونے کے کسی نو عمر لڑکے کو تنہائی میں درس حدیث دینے سے بچتے تھے ۔ افسوس ہے کہ آجکل یہ بلا اس قدر عام ہوگئی ہے کہ عوام کا تو پوچھنا کیا ، علماء و فضلاء اور اور معلمین و مدرسین اس میں احتیاط نہیں کرتے

۴ ۔ ایک مرتبہ اپنے ایک بھائی کو خط لکھا ۔

" اما بعد ! اے برادر ، کیا ابھی تک تمہارے لئے وہ وقت نہیں آیا کہ تم لوگوں سے وحشت کرنے لگو ، حالانکہ ہمارے سلف صحابہ و تابعین وغیرہم کا یہ حال تھا کہ جب ان کی عمر چالیس سال کو پہنچ جاتی تھی تو سب سے جان پہچان اور میل جول چھوڑ دیتے تھے اور ایسے ہو جاتے تھے کہ گویا وہ مخبوط العقل ہیں تاکہ وہ سب سے یکسو ہو کر موت کی تیاری کریں " (صفوۃ الصفوۃ صہ ۲۲۶)

۵ ۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ دو خصلتیں ایسی ہیں کہ ان کا علاج بہت دشوار ہے ، ایک لوگوں سے طمع کا قطع کرنا ، دوسرے اللہ تعالےٰ کے لیے عمل میں اخلاص پیدا کرنا ۔

۶ ۔ آپ فرماتے تھے کہ جس کی عقل بڑھائی جاتی ہے اس کا رزق کم کر دیا جاتا ہے

۷ ۔ آپ فرماتے تھے کہ بقدر ضرورت دنیا کا طلب کرنا حب دنیا میں داخل نہیں ،

۸ ۔ فرماتے تھے کہ آب زمزم مثل خوشبو کے ہے ، جس طرح خوشبو کا رد کرنا بلا عذر شرعی ، خلاف سنت ہے ، اسی طرح آب زمزم کا رد کرنا بھی خلاف ادب ہے !

۹ ۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ جب قرض کے متعلق حدیث میں یہ وارد ہے کہ جب تک میت کے ذمہ قرض رہتا ہے اس کی روح معلق رہتی ہے تو غیبت کا کیا حال ہوگا کیونکہ قرض کو تو ادا کرنے کی بھی صورتیں ہیں ، وارث بھی میت کی طرف سے ادا کر سکتے ہیں اور غیبت کا دین ادا نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اگر کسی شخص کا دین ہمارے ذمہ نہ ہوا اور وہ مرجائے تو ہم اس کے وارثوں کو ادا کر کے یا معاف کرا کے اس سے بری ہو سکتے ہیں لیکن اگر ہم نے کسی کی غیبت کی اور اس کا انتقال ہوگیا تو ہم اگر اس کے سارے وارثوں کو بلکہ ساری دنیا کو راضی کریں اور سب سے معافی مانگتے پھریں اس کا مطالبہ ہم سے ساقط نہیں ہو سکتا اس سے معلوم ہوا کہ مسلمان کی آبرو اس کے مال سے زیادہ واجب الاحترام ہے ،

۱۰۔ فرماتے تھے کہ حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسٰی علیہ السلام کو وصیت فرمائی تھی کہ کسی گنا ہگار کو اس کے گناہ پر کبھی عار مت لگاؤ اور حقیر مت سمجھو!

۱۱۔ فرماتے تھے کہ علم اگر تمہیں نفع نہ پہنچائے تو وہ تمہیں ضرر پہنچائے گا (یعنی یہ نہ سمجھو کہ علم سے نفع نہ ہوا تو نہ سہی، کوئی نقصان بھی نہیں، کیونکہ علم غیر نافع مضر ہے)

۱۲۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ طالب علم اس وقت تک عقلمند نہیں کہلا سکتا جب تک اپنے نفس کو تمام مسلمانوں سے کمتر نہ سمجھے،

۱۳۔ فرماتے تھے کہ اگر کوئی شخص تمہارا حق غصب کرلے اور بغیر خصومت (مقدمہ بازی) کے اس کے وصول ہونے کی توقع نہ ہو تو اس حق کو چھوڑ دو کیونکہ تمہارے دین کی اس میں حفاظت ہے۔

۱۴۔ فرمایا کرتے تھے کہ قرن اول میں جو لوگ شرار (بدعمل) سمجھے جاتے تھے وہ اس زمانہ کے صلحاء واتقیاء سے بہتر تھے،

۱۲ ربیع الاول ۲۴۱ھ میں آپ کی وفات ہوئی، وفات کے بعد امام محمد بن خزیمہؒ نے آپ کو خواب میں دیکھا کہ نہایت خوش وخرم پھر رہے ہیں، حال پوچھا تو فرمایا کہ مجھے خدا تعالٰے نے بخش دیا اور ایک تاج اور سونے کے جوتے پہنائے اور فرمایا کہ یہ انعام آپ کے اس استقلال پر ہے جو خلق قرآن کے فتنے میں آپ نے استعمال کیا، پھر حق تعالٰے نے فرمایا کہ اے احمد آج تم بعینہٖ انہیں الفاظ کے ساتھ مجھ سے دعا مانگو جو تمہیں سفیان ثوریؒ سے پہنچے تھے اور جن کے ساتھ تم دنیا میں مجھ سے دعا مانگا کرتے تھے۔ میں نے انہیں الفاظ سے دعا کی، الفاظ یہ تھے:۔

یارب کل شیئ اسألك بقدرتك علی کل شیئ الا تسألنی عن شیئ واغفرلی کل شیئ؛

حق تعالٰے نے یہ ارشاد فرمایا کہ اے احمد، یہ سامنے جنت ہے جاؤ اس میں داخل ہو جاؤ، اللہ العالمین اس امام ہمام کی برکات سے ہماری اور سب مسلمانوں کی مغفرت فرمائے آمین

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

۹ ذیقعدہ ۵۶ھ

حضرت امام محمد بن حسن شیبانیؒ کی کتاب "مبسوط"

(از قلم فیض رقم حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ سابق صدر مہتمم دار العلوم دیوبند)

حضرت امام محمد بن حسن رحمۃ اللہ علیہ امت کے ان آئمہ میں سے ہیں جن کے علمی احسانات تمام عالم اسلام پر حاوی ہیں، آپ کے نام نامی اور جلالت قدر سے کوئی پڑھا لکھا مسلمان ناواقف نہ ہونا چاہیئے، آپ امام اعظم ابو حنیفہ کے خاص شاگرد اور خود امام مجتہد ہیں۔ آپ کی عظیم الشان اور کثیر التعداد تصانیف ہمیشہ مسلمانوں کے لئے مایۂ ناز سمجھی گئی ہیں اور فقہ حنفی کا تو مدار ہی تقریباً آپ کی تصانیف پر ہے۔ ان میں سے ایک مشہور و معروف تصنیف مبسوط ہے جو ہزار ہزار صفحہ کی چھ جلدوں میں تمام ہوئی ہے؛

افسوس ہے کہ علوم اسلامیہ کا یہ عظیم الشان ذخیرہ اب تک طبع نہیں ہوا اور نوادر عالم میں سے سمجھا جاتا ہے۔

حال میں مخدومی و استاذی شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی صدر مہتمم دار العلوم دیوبند ۔۔۔۔ اس کتاب کے متعلق ایک عجیب واقعہ ڈابھیل سے تحریر فرما کر المفتی میں شائع کرنے کے لئے عطا فرمایا ہے جو ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے۔ وھوھذا۔

حال ہی میں ایک وسیع النظر، بدیع الفکر عالم شیخ محمد زاہد بن الحسن الکوثری (اطال اللہ بقائہ) کا رسالہ بلوغ الامانی فی سیرۃ الامام محمد بن حسن الشیبانی مطبوعہ مصر ایک دوست نے ہدیۃً بھیجا تھا۔ کل اس کو مطالعہ کرتے وقت ایک واقعہ نظر سے گذرا، بیساختہ دل میں آیا کہ المفتی میں شائع کر دیا جائے۔ لمبی چوڑی چیز نہیں ہے مگر بے حد مؤثر اور کیف آور ہے۔ امید ہے کہ آپ بھی محظوظ ہوں گے، مبسوط امام محمد کے تذکرہ میں صرف ڈیڑھ سطر کی عبارت ہے

واسلم حکیم من اھل الکتاب بسبب مطالعۃ المبسوط ھذا وقال ھذا کتاب لمحمد کم الاصغر فکیف کتاب محمد کم الاکبر (بلوغ الامانی ص ۱۶)

یعنی:- علماء اہل کتاب میں سے ایک بڑے عالم اور حکیم نے امام محمدؒ کی کتاب مبسوط کا مطالعہ کیا تو اس کتاب کے مطالعہ نے اس کے قلب میں حقانیت اسلام کا یقین پیدا کر دیا اور یہ کہہ کر اپنے اسلام کا اعلان کر دیا کہ جب تمہارے محمد اصغر (یعنی محمد بن حسنؒ) کی کتاب کا یہ حال ہے

جو میرے مشاہدہ میں آیا تو محمد اکرم رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم، کی کتاب کا کیا حال ہوگا، انتہی،

اختلافات فقہاء میں حق ایک ہی یا متعدّد

یہ ایک مشہور علمی مسئلہ ہے کہ جن مسائل میں ائمہ مجتہدین مختلف ہیں، ایک چیز کو ایک امام حلال قرار دیتا ہے اور دوسرا حرام اور امت کا اس پر اتفاق ہے کہ دونوں امام اہل حق ہیں اور ہر ایک کے مقلد کو اپنے اپنے امام کے قول پر عمل کرنا جائز بلکہ واجب ہے تو بحث یہ آجاتی ہے کہ کیا عند اللہ اس چیز کا حلال ہونا بھی حق ہے اور حرام ہونا بھی یا حق ایک ہی ہے اسی مسئلے پر علماء اصول کی مفصل بحثیں ہیں اور ایک مدت مدید تقریباً بیس سال کا عرصہ ہوتا ہے کہ سیدی استاذی شیخ التفسیر حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی صدر مہتمم دار العلوم دیوبند نے اس موضوع پر ایک رسالہ ھدیۂ سنیہ کے نام سے تحریر فرمایا تھا جو اس وقت شائع بھی ہوگیا تھا،

حال ہی میں اس مسئلہ پر ایک فیصلہ کن تحریر امام محمد بن حسن رح کی رسالہ بلوغ الامانی ؔ سے حضرت ممدوح نے لکھ کر از راہ شفقت عنایت فرمائی، یہ عبارت چونکہ اس اہم مسئلہ کا نہایت مکمل اور بہترین حل ہے اس لئے احقر نے مناسب سمجھا کہ ہدیۂ سنیہ کی دوسری طباعت اور اس میں اضافے کا انتظار نہ کروں بلکہ المفتی میں اس ترجمہ کو شائع کردوں تاکہ ایک چیز وجود میں آجائے اور دوبارہ جب ہدیۂ سنیہ طبع ہو تو اس وقت اس کا بطور ضمیمہ ملحق کردینا آسان ہوجائے نیز تنہا یہ عبارت بھی اس مسئلے کے لئے بالکل کافی ہے، اس لئے ناظرین المفتی اسی سے استفادہ کرسکتے ہیں، وہ عبارت یہ ہے،

وروی بن ابی العوام عن الطحاوی ایضا عن سلیمان بن شعیب الکیسانی	نیز ابن ابی العوام نے طحاوی سے اور انھوں نے سلیمان بن شعیب کسانی سے اور انھوں نے اپنے والد سے روایت

عن ابیہ قال املی علینا
محمد بن الحسن ، وقال اذا
اختلف الناس فی مسئلہ فحرّم
فقیہ واحلّ اخر وکلاھما یسعہ
ان یجتہد رأیہ فالصواب
عند اللہ واحد حلال او حرام
ولا یکون عندہ حلال وحرام
وھو شیٔ واحد ولکن الصواب
عندہ عز وجلّ واحد وقد
کلّف من وسعہ الاجتہاد والرّأی
ان یجتہد رأیہ حتی یصیب الحق
الذی عندہ فی رأیہ فان اصاب
الحق الذی ھو عند اللہ عز وجلّ
فی رأیہ واجتہادہ وسعہ ذالک
وکان اصاب ما کلف بہ وادّاہ
وان کان اصاب ما کلف من
اجتہاد فی رأیہ ولم یصیب
الحق عند اللہ عز وجل بعینہ فقد ادّی
ما کلف بہ وکان مأجوراً فاما
ان یقول قائل قد احلّ فقیہ
وحرم فقیہ فی فرج واحد و
کلاھما صواب عند اللہ عز وجلّ
فھذا لا ینبغی ان یتکلم بہ و
لکن الصواب عند اللہ عز وجلّ
واحد قد ادّی القوم ما کلفوا بہ

کیا کہ انہوں نے نقل فرمایا کہ امام محمد بن حسن رح نے ہمیں
املا لکھایا جس میں فرمایا کہ جب لوگ کسی مسئلے میں مختلف
ہوں ، ایک فقیہ ایک شے کو حرام قرار دے اور دوسرا
حلال اور دونوں کو اجتہاد کا حق حاصل ہو تو صواب
(حق) اللہ تعالے کے نزدیک ان دونوں میں سے ایک ہی ہے
اور ائمہ کے نزدیک ایک ہی شے حرام اور حلال دونوں
نہیں ہوسکتی ، بلکہ حق اللہ تعالے کے نزدیک ایک ہی ہے اور
مجتہد اس کا مکلف ہے کہ وہ اپنی رائے اور اجتہاد کو اس
میں خرچ کرے تاکہ وہ اس حقیقت پر پہنچ جائے جو اللہ کے
نزدیک حق ہے ،

پس اگر اپنی رائے اور اجتہاد میں اس کو حق پہنچ جائے
جو اللہ کے نزدیک حق ہے تو اس پر اسکو عمل کرنے کی بھی اجازت
ہے اور وہ جس کام کا مکلف تھا اس نے وہ بھی ادا کر دیا اور اگر
اپنے اجتہاد و رائے میں جس چیز کا مکلف تھا وہ تو ادا کر دیا ، لیکن
جو اللہ کے نزدیک متعین حق ہے اس پر نہیں پہنچا تو جس چیز
کا مکلف تھا وہ تو ادا کر دیا اور مستحق ثواب ہوگیا ، لیکن
یہ درست نہیں کہ کوئی شخص یہ کہے کہ ایک امام نے ایک عورت
کو حلال قرار دیا اور دوسرے نے حرام ، اور اللہ کے
نزدیک دونوں درست اور حق ہیں ، بلکہ حق اللہ تعالے
کے نزدیک ایک ہی ہے ، البتہ قوم فقہاء اپنے فریضے سے
سبکدوش ہوگئی ، کیونکہ وہ اپنے مقدور بھر اجتہاد کر چکی اس
لئے ان کو اس پر عمل کرنا جائز ہوگا اگرچہ ان دونوں
میں سے ایک نے ضرور حق مطلوب میں خطاء کی ہے مگر چونکہ
وہ اپنی کوشش کو خرچ کر چکا ہے تو اپنے فریضہ سے سبکدوش
ہوگیا ، اگرچہ حقیقت کے اعتبار سے اس نے خطاء کی ، کیونکہ

حین اجتہدوا وقالوا باجتہادھم ووسعہم الذی فعلوا وان کان احدھما قد اخطاء الذی کان ینبغی ان یقول بہ الا انہ قد اجتہد فقد ادی ما کلف بہ وان کان اخطاء لان الصواب عند اللہ عزوجل فی الاشیاء کلھا واحد وھذا کلہ قول ابی حنیفۃ وابی یوسف وقولنا (بلوغ الامانی ص۲۷)

حق تعالیٰ کے نزدیک تمام اشیاء میں حق ایک ہی ہے اور یہی امام اعظم ابو حنیفہؒ اور ابو یوسف کا قول ہے اور یہی ہمارا مذہب ہے،

فیشن پرست عورتوں کے لئے موجدین فیشن کا فتویٰ

یورپ عورتوں کی آزادی اور فیشن نوازی سے تنگ آ رہا ہے

(انگریزی سے ترجمہ)

اسلامی تعلیم نے عورت کو جس طرح گھر کی زینت قرار دیا اس سے زیادہ اس کا اہتمام کیا ہے کہ وہ گھر کی ملکہ، اولاد کی مربی، امور خانگی کی منتظم وسلیقہ شعار بنے، قرآن وحدیث کے نصوص وارشادات، امہات الامۃ کے مرقعات عمل سبھی کچھ اس کے لئے پیش فرمائے لیکن یورپ زدہ قلب ودماغ، افسوس کہ اس سے متاثر نہیں ہوتے لیجئے، آج خود یورپ کا ہی فتویٰ ملاحظہ کیجئے، ایک یوروپین مضمون نگار کا مقالہ پڑھیئے،

میں یہ دیکھ کر حیران ہوں کہ یورپ کی عورت کیا سے کیا بن گئی۔ اس نے تمام نسوانی خصوصیات کو ترک کر دیا جو گذشتہ دور میں عورتوں کے لئے طرۂ امتیاز تھیں، نہ عورت میں پہلی سی سادگی ہے، نہ محبت، نہ اطاعت عورت زمانے کے ساتھ بدل چکی ہے، بیوی کی خصوصیات کو ترک کرنے کے بعد عورتوں نے محبوبہ کی خصوصیات اختیار کر لی ہے، محبوبہ کی خصوصیات بلاشبہ دلکش ہیں، یہ خصوصیات ہماری دلچسپی کا باعث تو بن سکتی ہیں لیکن ان خصوصیات کے ذریعہ ہم معاشرتی سکون کبھی حاصل نہیں کر سکتے، اگر ہم معاشرتی سکون چاہتے ہیں تو ہم کو ایک باوفا بیوی کی ضرورت ہے، محبوبہ کا وجود ہمارے لئے بیکار ہے،

موجودہ دور کی بیوی کی زندگی کے جس شعبہ پر بھی نظر ڈالئے، صرف بناوٹ اور ظاہرداری ہی ظاہرداری ہے، موجودہ دور کی بیوی آپ سے غیر معمولی محبت کریگی لیکن یہ محبت درحقیقت محبت نہیں ہے بلکہ ایک آرٹ ہے جس کے ذریعہ شوہروں کو احمق بنایا جاتا ہے، اگر بیویاں درحقیقت اتنی ہی محبت کیا کریں جتنی کہ وہ ظاہر کرتی ہیں تو پھر یورپ میں سو شادیوں کا نتیجہ طلاق نہیں ہوا کرتا، واقعہ ہے کہ ان کو محبت کرنیکا فن آگیا ہے، یہ ایک ایکٹریس کی طرح اپنا پارٹ ادا کرتی ہیں، اور بس، اس سے زیادہ ان کی محبت کی اور کچھ وقعت نہیں ہے،

میں نے ایک دو نہیں، ہزاروں عورتوں کو دیکھا ہے کہ وہ اپنے شوہروں پر والہ و شیدا نظر آتی ہیں، لیکن میں نے جب ان کی پرائیویٹ زندگی کا مطالعہ کیا تو مجھے معلوم ہوا ہے کہ ان کی محبت کا سب سے بڑا حقدار ایک غیر شخص ہے جو بظاہر تو دوست بنا ہوا ہے لیکن درحقیقت وہ ان اظہار محبت کرنے والی عورتوں کی دلچسپی کا سب سے بڑا مسئلہ ہے، کیا یہ حالات صاف طور پر یہ ظاہر نہیں کر رہے ہیں کہ یورپ کی بیوی ایک پیشہ ور محبوبہ بن گئی ہے،

موجودہ دور کی بیویوں کے لباس پر نظر ڈالئے تو آپ کو یہ اندازہ ہوگا کہ اس لباس کا مقصد جسم کی پوشش نہیں ہے بلکہ جسم کو خوشنما بنا کر اور جسم کے بعض حصوں کو عریاں کر کے مردوں کے سنسان جذبات کو ابھارنا ہے، ایک نیک بیوی جو صرف

اپنے شوہر سے غرض رکھتی ہو اسے بھلا نفسانی جذبات کو ابھارنے والے لباس کی کیا ضرورت ہو سکتی ہو، یہ سب کچھ جس مقصد کے ماتحت ہو رہا ہو وہ ظاہر ہو، اور یہ مقصد اس قدر تاریک ہے کہ عورت کی ہستی کو اس مقصد نے مٹا دیا ہے،

تمدن، معاشرت اور تفریحات کے لحاظ سے بھی آپ کو مشکل ہی سے کوئی بیوی نظر آئے گی، ہر بیوی محبوبہ بنی ہوئی ہے، اور ہر بیوی کی یہ خواہش ہو کہ شوہر اسے بچے پیدا کرنے کے لئے مجبور نہ کرے، ذرا غور کیجئے، اگر عورت بچے پیدا کرنے سے گھبراتی ہے تو اس کے وجود کی ضرورت ہی کیا ہو۔ اور اگر پھر بھی اس کی ضرورت مان لی جائے تو آخر وہ کون سبب ہے جو اسے بچے پیدا کرنے سے متنفر کئے ہوئے ہے۔ بچے پیدا کرنے سے نفرت کا باعث اس کے سوا کچھ نہیں ہو کہ موجودہ دور کی بیوی ایک محبوبہ کی طرح خوش جمال رہنا چاہتی ہے، حالانکہ ایک بیوی کا حقیقی حسن اس کی اولاد ہے

یورپ کی اس بڑھتی ہوئی رَو کو روکنا ہر معقولیت پسند انسان کا فرض ہے ممکن ہے کہ عورتوں کا محبوبہ پن جوانی میں اچھا معلوم ہو سکے، لیکن جوانی کے چند محدود سال گذرنے کے بعد ہم کو محبوبہ کی ضرورت نہیں ہو گی، ہم کو ایک سچے دوست کی ضرورت ہو گی، ہم کو ایک اچھے ساتھی کی ضرورت ہو گی، ہم کو ایک بہترین شریک زندگی کی ضرورت ہو گی مگر وہ اس زمانہ میں مفقود ہو، اس زمانہ میں حشرات الارض کی طرح محبوبہ پن رکھنے والی عورتیں مل سکتی ہیں مگر شریف اور نیک بیوی کا ملنا ناممکن ہو گیا ہو!"

ہر چہ گیرد علتے علت شود

اہل یورپ کے مضحکہ خیز اوقاف

ایک خاتون کا وقف نامہ کتوں کے نام

تمام امور خیر کی طرح وقف کی تجویز و تشکیل کا موجد بھی اسلام ہو جس نے سب سے پہلے گھر کو

پہلا وقف قرار دیا اور اعلان فرمایا اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّھُدًی
اوقاف کی تشریع اس عظیم الشان فائدے کیلئے ہوئی کہ جس وقت انسان دنیا سے رخصت ہو اور اس
کے اعمال کا سلسلہ منقطع ہو جائے اس وقت بھی اس کا ثواب اس کو پہنچتا رہے، دنیا کی دوسری اقوام
نے بھی اس کی نقلیں اتاریں اور اپنے معابد ومشاہد کے لئے اوقاف کئے۔ ان کے اجر وثواب کے حاصل ہونے
یا نہ ہونے کا مسئلہ تو ایک غور طلب مذہبی مسئلہ ہے لیکن اس کے مصارف تو معقول ہیں لیکن یورپ
کے مزاجوں کی.... بے اعتدالی نے کچھ ایسی صورت پیدا کرلی ہے کہ اسے کوئی چیز موافق ہی نہیں
آتی، وہاں وقف بھی کئے جاتے ہیں تو وہ بھی کتوں کے نام، ذیل کا واقعہ پڑھئے اور عبرت
حاصل کیجئے، کہ جو لوگ وحی اور نور نبوت کا اتباع نہیں کرتے وہ کیسی ٹھوکریں کھاتے ہیں
اور کس طرح ان کے اعمال دنیا اور آخرت میں ضائع ہو جاتے ہیں۔

"پچھلے دنوں جب انگلستان کی مشہور دولتمند خاتون مسز ایم سی وھیل بیمار ہوئی
تو اس نے وصیت کی کہ اس کی تمام املاک اور جائداد کتوں کو دیدی جاوے، خاتون
کے مرنے کے بعد اس کی وصیت کے مطابق اب اس کی تمام جائداد کے وارث
کتے ہیں، اس جائداد سے کتوں کی پرورش اور نسل کشی ایک ٹرسٹ کے ماتحت
جاری ہے، (اخبار دین ودنیا، دہلی، ۴ جولائی ۱۹۵۰ء)

امام حجاز شافعی رحمۃ اللہ علیہ
امیر المومنین ہارون الرشید کے دربار میں

امام شافعی رح نے طلب علم کے لئے ایک طویل سفر کیا ہے جس کا مستقل سفرنامہ ان کے
بعض تلامذہ نے بھی ضبط کیا ہے، اسی سفر کے سلسلے میں بغداد بھی تشریف لے گئے تھے، آپ فرماتے
ہیں کہ میں جس وقت بغداد میں داخل ہوا تو قدم رکھتے ہی ایک غلام میرے ساتھ ہو لیا اور نہایت
تہذیب ومتانت کے ساتھ مجھ سے پوچھا،

"آپ کا کیا نام ہے؟"

میں نے کہا "محمد"

"غلام نے والد کا نام دریافت کیا تو میں نے کہا "ادریس"

پھر اس نے کہا نسب دریافت کیا تو میں نے کہا، شافعی"

غلام نے یہ سن کر کہا، آپ مطلبی ہیں، میں نے کہا کہ ہاں"

غلام نے یہ سب سوال و جواب ایک تختی پر لکھ لئے جو اس کی آستین میں تھی اور اس کے بعد مجھے چھوڑ دیا، میں بغداد کی ایک مسجد میں جا کر ٹھہر گیا، اور اس فکر میں تھا کہ غلام نے یہ تحقیق کیوں کی اور اس کا اثر کیا مرتب ہوتا ہے، یہاں تک کہ جب آدھی رات گذر گئی تو مسجد کے دروازہ پر زور سے دستک دی گئی جس سے سب اہل مسجد مرعوب ہو گئے، دروازہ کھولا گیا تو کچھ لوگ مسجد میں داخل ہوئے اور ایک ایک آدمی کے چہرے کو غور سے دیکھتے پھرنے لگے، یہاں تک کہ وہ میرے پاس آئے، میں نے کہا فکر نہ کرو، جس کو تم ڈھونڈتے ہو وہ میں ہوں، انہوں نے کہا کہ امیرالمومنین (ہارون الرشید) نے آپ کو یاد فرمایا ہے، میں فوراً بلا کسی پس و پیش کے اٹھ کر ساتھ ہو لیا،

میں نے امیرالمومنین کو دیکھا تو سنت کے موافق سلام کیا، امیرالمومنین نے میری طرز سلام کو پسند کیا اور محسوس کیا کہ درباری لوگ جو تکلفات میں سلام کرتے ہیں وہ خطا ہیں، سلام مسنون یہی ہے، مجھے سلام کا جواب دیا اور کہا تزعم انک من بنی ھاشم (تم یہ زعم رکھتے ہو کہ میں بنی ہاشم میں سے ہوں) میں نے کہا، امیرالمومنین، آپ لفظ زعم استعمال نہ کریں کیونکہ یہ لفظ قرآن میں جس جگہ آیا ہے سب جگہ زعم باطل کے لئے آیا ہے، امیرالمومنین نے اس قول سے رجوع کر کے تزعم کے بجائے تقول کا لفظ استعمال کیا،

تب میں نے جواب دیا کہ ہاں

امیرالمومنین نے میرا نسب پوچھا تو میں نے اپنا پورا نسب نامہ سنا دیا، جو حضرت آدم علیہ السلام تک مجھے محفوظ تھا،

امیرالمومنین نے کہا کہ اتنی فصاحت و بلاغت صرف بنی عبدالمطلب ہی میں ہو سکتی ہے، اس کے بعد فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ آپ کو عہدہ قضا سپرد کر دوں اور اس کے عوض میں اپنی تمام سلطنت اور ذاتی جائدادوں کا نصف حصہ آپ کو دیدوں، سب پر آپکا اور میرا حکم قرار دہ شرطوں

کے مطابق چلے گا، اور حکم کا ماخذ قرآن وحدیث اور اجماع امت ہوگا،

میں نے کہا، امیرالمومنین، اگر آپ یہ چاہیں کہ اس تمام مال ومنال اور سلطنت وحکومت کے عوض میں محکمہ قضاء کا صرف اتنا کام کردیا کروں کہ صبح کو اس کا دروازہ کھول دوں اور شام کو بند کردوں تو میں قیامت تک اس کے لئے بھی تیار نہ ہوں گا،

ہارون الرشید یہ جواب سن کو رونے لگے کہ اچھا، آپ ہمارا کچھ ہدیہ قبول فرمائیں گے میں نے عرض کیا کہ مضائقہ نہیں، لیکن نقد ہونا چاہیے، وعدہ نہ ہوں،

امیرالمومنین نے میرے لئے ایک ہزار کا حکم جاری فرمایا اور میں نے اسی مجلس پر اس پر قبضہ کرلیا، جب دربار سے واپس آیا تو وہاں کے حشم وخدم نے مجھ سے مطالبہ کیا کہ اپنے انعام میں سے کچھ ہمیں بھی انعام دیجیے، چونکہ مجھ سے سوال کیا گیا تھا تو میری مروت نے اس پر کم پر قناعت نہ کی کہ جتنے آدمی بھی تھے، سب پر کل مال کو برابر تقسیم کرلیا اور اس میں ایک حصہ اپنا بھی اسی قدر رکھا جتنا کہ ہر شخص کے حصہ میں آیا تھا،

(از رحلۃ الشافعی، طبع مصر)

فائدہ

امت کے امام اور علمائے سلف کے حالات کو پڑھیے اور ان کی للّٰہیت، زہد وقناعت امراء کے معاملہ میں خودداری، جس مال میں دین کا خطرہ ہو اس سے اجتناب اور جو حلال طریق سے بغیر ذلت نفس کے ملے اس کی قدر وغیرہ کا سبق لیجئے،

علمائے سلف
کے
چند ملفوظات حکمت

لوگوں سے اختلاط واجتناب میں حکم معتدل حضرت اکیم بن صیفی رحمہ فرماتے ہیں کہ لوگوں سے

انقباض و ترش روئی ان کی عداوت کا سبب بن جاتی ہے اور ان سے انبساط و خلط ملط برے ہم نشینوں کو جمع کر دیتی ہے اس لئے انسان کو چاہئیے کہ انقباض و انبساط کی درمیان راستہ اختیار کرے ۔ (تنبیہ المغترین للشعرانی صہ)

اتباع سنت سب سے بڑا تقویٰ ہے

ایک مرتبہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو یہ ایک اطلاع ملی کہ فلاں خطہ (دار الحرب سے) جو کپڑے آتے ہیں ان میں نجاست کا استعمال کیا جاتا ہے ۔ آپ نے ارادہ کیا کہ اس کی منادی کرادی جاوے کہ لوگ یہ کپڑے استعمال نہ کریں ۔ ایک شخص نے عرض کیا کہ اے امیر المومنین ، یہ کپڑے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں بھی آتے تھے اور سب صحابہ پہنتے تھے اور خود سید الابرار صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کو زیب بدن فرماتے تھے ، حضرت فاروق اعظم رض فوراً اس ارادہ سے رک گئے اور استغفار کیا ، اور فرمایا کہ اگر ان کا ترک تقویٰ ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کو ہرگز استعمال نہ فرماتے (تنبیہ المغترین صہ)

ف :- وجہ یہ ہے کہ اسلام نے جس طرح طہارت و لطافت کی بے نظیر تعلیم فرمائی ہے اسی طرح شبہات و اوہام سے بھی بچایا ہے ، محض اس خیال پر کہ ملک کے عام رواج کے مطابق اس کپڑے میں بھی نجاست ہوگی جو ہمارے ہاتھ میں آیا ہے اس پر نجاست کا حکم نہیں دیا ،

اسی طرح ایک مرتبہ حضرت امام زین العابدین رح نے اپنے صاحبزادہ سے فرمایا کہ میرے لئے ایک کپڑا تیار کر دو جس کو بوقت قضاء حاجت (استنجا) استعمال کیا کروں کیونکہ میں دیکھتا ہوں کہ مکھیاں نجاست پر بیٹھتی ہیں پھر میرے کپڑوں پر آجاتی ہیں ، صاحبزادہ نے کیا خوب فرمایا کہ والد محترم ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا نہیں کیا بلکہ آپ کا ایک کپڑا رہتا تھا جس میں قضائے حاجت بھی فرماتے تھے ، اور اسی میں نماز بھی پڑھتے تھے ، امام موصوف نے صاحبزادہ کی بات کی قدر کی اور اس خیال کو چھوڑ دیا ،

تواضع میں تکبر

حضرت حسن بصری رح فرماتے ہیں کہ جو شخص مجمع میں اپنی مذمت بیان کرے اس نے درحقیقت اپنی مدح کی ہے دیکیونکہ ظاہر یہی ہے کہ اس وقت لوگ اس کی مدح کریں گے ، اور یہ کید نفس ہے کہ لوگوں سے اپنی مدح کرا کے خوش ہونا چاہتا ہے جس کی سبیل یہ نکالی ہے کہ خود اپنی مذمت کرنے لگے ، اور یہ علامات ریا میں سے ہے ۔ (تنبیہ مذکور صہ ۹)

جو چیز اپنے اختیار میں نہ ہو اس کا حقیقی علاج تفویض ہے، تربیت اولاد کیلئے زرّیں اصول

شیخ عبدالوہاب شعرانی رح فرماتے ہیں کہ میرے بیٹے عبدالرحمن کو ابتدا میں علم کا شوق نہ تھا، میں اس کی وجہ سے بہت تنگدل اور پریشان رہتا تھا، حق تعالےٰ نے میرے دل میں ڈالا کہ میں اس معاملہ کو حق تعالےٰ کے سپرد کردوں، میں نے ایسا ہی کیا، اسی رات سے بفضل ایزدی اس کو علم کا شوق پیدا ہوگیا اور بغیر میرے کہنے کے خود تحصیل علم میں محنت کرنے لگا اور اپنے ہمسبقوں سے آگے بڑھ گیا، حق تعالےٰ نے مجھے ایک بڑی تکلیف سے راحت عطا فرمادی

امام شعرانی رح فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے شیخ علی خواص رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے کہ

ما انفع لا ولاد العلماء والصالحین من الدعاء لهم بظهر الغیب مع تفویض امرهم الی اللہ تعالیٰ (تنبیہ المغترین صہ)

معاملہ تربیت میں علماء وصالحین کی اولاد کے لئے کوئی چیز ایسی نافع نہیں جیسی پس پشت ان کے لئے دعا کرنا اور ان کے معاملہ کو حق تعالیٰ کے سپرد کرنا ہے۔

تصحیح نیت کا اہتمام تصحیح اعمال سے مقدم ہے

حضرت حسن بصری رح فرماتے ہیں کہ اہل جنت کا دخول جنت میں اور اہل جہنم کا جہنم میں ان کے اعمال کی وجہ سے ہوگا، ہر فریق کا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جنت یا دوزخ میں رہنا محض نیت پر مبنی ہوگا (کیونکہ اہل جنت کی نیت یہ تھی کہ اگر وہ ہمیشہ دنیا میں رہتے تو اطاعت کرتے اور اہل دوزخ کی نیت یہ تھی کہ اگر زندہ رہتے تو کفر و شرک کرتے (تنبیہ صہ)

کونسا عمل زیادہ ہے

توراۃ میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں جس عمل کو قبول کروں وہی عمل زیادہ ہے اور جس کو میں رد کردوں وہ کم ہے اگرچہ دیکھنے میں بہت ہو (تنبیہ صہ)

تعلیم و وعظ کیسے آدمی کا حق ہے

حضرت شداد بن حکیم فرماتے ہیں کہ جس شخص میں تین خصلتیں موجود ہوں وہ اس کا مستحق ہے کہ لوگوں کو وعظ و تعلیم کرے اور جس میں یہ نہ ہو اس کو تعلیم و وعظ چھوڑ دینا چاہیئے،

وہ تین خصلتیں یہ ہیں:- ایک یہ کہ لوگوں کو حق تعالےٰ کی نعمتیں یاد دلائے تاکہ وہ اس کا شکر ادا کریں، دوسرے یہ کہ ان کو ان کے گناہ یاد دلائے تاکہ وہ توبہ کریں، تیسرے یہ کہ ان کو شیطان کی عداوت پر متنبہ کرے تاکہ وہ اس کے کید سے محفوظ رہیں (تنبیہ صہ)

عشق کیا چیز ہے!

حکماء، اطباء، صوفیاء اور شعراء کے مقالات

(از قلم حکمت رقم جناب حکیم محمد عمر صاحب طبیب دارالعلوم دیوبند)

عشق ایک ایسا عام لفظ ہے کہ ہر خاص و عام، عالم و جاہل صغیر و کبیر سب کی زبانوں پر جاری ہے لیکن اسکی حقیقت ایک لاینحل معمے سے کم نہیں، حکیم صاحب موصوف نے اسکے متعلق حکماء، اطباء، صوفیا اور شعراء کے بیانات سے دلچسپ مقالہ لکھا ہے جو درج ذیل ہے اسمیں شبہ نہیں کہ قرآن کریم میں اس لفظ کا استعمال نہیں کیا گیا، ذخیرۂ حدیث میں بھی بجز ایک ضعیف روایت کے جس کو خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں لیا ہے اور کہیں نظر سے نہیں گزرا اس بنا پر بعض علماء نے مطلقاً عشق کو مذموم قرار دیا ہے لیکن تحقیق یہ ہے کہ عشق افراط محبت کا نام ہے اور محبت جبکہ اسکا تعلق خدا تعالیٰ اور اسکے رسول وغیرہ کیساتھ ہو تو ایک امر واجب ہے اور کسی کل مباح کیساتھ ہو تو مباح، پھر ایسی صورتمیں اگر محبت کی حد سے تجاوز ہو کر عشق کی حد تک پہنچ جاوے اگرچہ یہ مطلوب فی الدین نہیں مگر محمود و مقبول ہے، مذموم نہیں کہہ سکتے واللہ اعلم (از لنفسہ)

ارشادات نبوت وغیرہ

ارشاد نبوی ﷺ الارواح جنود مجندہ فما تعارف منہا ائتلف وما تناکر منہا اختلف (مشکوٰۃ) حدیث مذکورہ سے معلوم ہوا کہ عشق و محبت کی اصل در روحانی تعلق ہے جو ازل سے ارواح کے اندر رکھدیا گیا ہے،

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ عشق عذاب کی ایک قسم ہے اور کوئی عقلمند اس بلا کو اپنے اوپر مسلط کرنے کے واسطے تیار نہیں ہوتا، عشق غیر اختیاری چیزوں میں سے نہیں، (حضرت عمر رضی اللہ عنہ)

حکماء

بقراط حکیم العشق طمع تیولد فی القلب و یجتمع فیہ سواد من الحرص (عشق ایک طمع کا نام ہے جو قلب میں پیدا ہوتی ہے اور اس میں ایک حصہ حرص کا جمع ہو جاتا ہے،

العشق هوالابتہاج بتصور حضرت ذات ما والشوق حرکتہ (عشق کسی ذات کے خیال وصال پر خوش ہونیکا نام ہے اور شوق اس کی حرکت ہے)

ارسطو العشق عمی الحس عن ادراک عیوب المحبوب۔ (محبوب کے عیوب سے اندھا ہو جانے کا نام عشق ہے

غیر معلوم حکیم عشق اس خواہش کا نام ہے جو دل میں پیدا ہو کر اور پرورش پاکر قلب میں حرص کا بہت سا مواد جمع کر دیتی ہے اور جب کبھی یہ خواہش زیادہ بڑھ جاتی ہے تو عاشق اضطراب، حرص اور لالچ کے ہاتھوں بہت پریشان ہو جاتا ہے، یہاں تک کہ یہ پریشانی رنج و قلق میں مبتلا کر دیتی ہے اور اس وقت سودا کی زیادتی یا صفراء کی شعلہ انگیزی سے خون کھولنے لگتا ہے، چونکہ سودا کی طبیعت میں یہ بات داخل ہے کہ قوت متفکرہ کو خراب کر دے اور قوت متفکرہ کی خرابی عقل کو ضائع کر دیتی ہے، اس لئے آخر کار فضول تمنائیں عاشق کو مجنون بنا کر چھوڑتی ہیں، جب عاشق اس حالت کو پہنچ جاتا ہے تو کبھی خودکشی کر لیتا ہے، کبھی رنج میں جان کھو دیتا ہے، کبھی حسن جاناں کی نظارہ بازی کرتے ہوئے خوشی کے مارے مر جاتا ہے، کبھی اس طرح درد سے کراہتا ہے کہ روح سینہ میں گھٹ جاتی ہے

افلاطون عشق حرارت عزیزیہ کی اس قوت کا نام ہے جو شہوانی تخیل آفرینیوں اور خیالی تصویروں سے پیدا ہوتی ہے، اس کا نشو و نما فطری قویٰ کے سانچہ پر ہوتا ہے اور ہر ایک کو اس کی فطرت کے خلاف دوسرے رنگ کا لباس پہنا دیتا ہے، یہاں تک کہ یہ نفسانی مرض اور جنون شوق ہو کر اتنا سخت بیمار کر دیتا ہے کہ اس کی دوا صرف موت رہ جاتی ہے اور کچھ نہیں،

جالینوس محبت روح کا ایک فعل ہے اور یہ روح اعضائے رئیسہ میں چھپی ہوئی ہے۔ جب یہ فعل قوت اور کافی اثر پیدا کر لیتا ہے تو دل و دماغ اور جگر خراب ہو جاتے ہیں، (جالینوس)

فارابی عشق نصف بیماریوں کا مجموعہ ہے اور نصف جنونوں کا، اور وہ سب رنجوں سے بڑا رنج ہے عشق بہ نسبت تمام امراض کے نصف کی حیثیت رکھتا ہے اور یہ بالکل کھلی بات ہے، اس لئے کہ روح لطیف ہے اور جسم کثیف، تمام بیماریاں جسم میں پیدا ہوتی ہیں، اور محبت روح سے، اور اس میں شک نہیں کہ لطیف کا لطیف میں پیوست ہو جانا جلد

جلد اور طاقت کے ساتھ اثر جما لیتا ہے اور اسی کے قریب قریب لطیف کا کثیف میں سرایت کرتا ہے جیسے کہ بخار کا ہڈیوں میں بیٹھ جانا، اس کے بعد کثیف کا کثیف میں اثر کرنے کا نمبر ہے مثلاً فالج کا کسی عضو پر گرنا۔ (فارابی)

ابن خلکان عشق موت کا ایک گھونٹ ہے اور بربادی کے باغوں میں ایک چھوٹا سا باغیچہ، محبت نظر آنے اور نہ آنے، دونوں سے کہیں دور ہے، محبت چقماق جیسی چنگاری ہے جو سینوں میں پوشیدہ ہے، اگر چوٹ لگے تو چمک اٹھتی ہے اور اگر نہ لگے تو چھپ جاتی ہے۔

عرب کی ایک خاتون مسکین العاشق کل شیئٍ علاوۃ هبوب الریاح تعلقہ ولمعان البرق یورقہ ورسوم الدیار تحرقہ والعذل یولمہ والتذکر یسقمہ (مسکین عاشق، ہر چیز اس کی دشمن ہے، ٹھنڈی ہوائیں اس کو بے چین کرتی ہیں، بجلی کی چمک اس کی نیند اڑا دیتی ہے، آثار دیار اس کے قلب میں آگ بھڑکاتے ہیں، لوگوں کی ملامت اس کو ایذا پہنچاتی ہے، یاد محبوب اس کو بیمار کر دیتی ہے۔

ایک بدوی عورت محبت میں عقل جاتی رہتی ہے جسم گھٹنے لگتا ہے، آنسو خاموشی کے ساتھ بہنے لگتے ہیں، ہر نیا دن محبت میں ایک نئی روح پھونک دیتا ہے، اور محبت معشوق کی بے رخی سے بالکل ختم ہے نہ کم۔

تمیمی عشق نہ عاشقوں کے اختیار سے ہوتا ہے اور نہ ان کی خواہش سے، بلکہ عاشق ہونا ایسا ہی ہے جیسا مہلک بیماریوں میں گرفتار ہو جانا، اِس میں اور اُس میں رتی برابر فرق نہیں۔

ابو وائل محبت اگر انتہائی دیوانگی یا اس کی قسم میں سے نہیں تو جادو کا نچوڑ تو یقینی ہے، محبت نام ہے معشوق کے ساتھ دل کے بلا واسطہ متعلق ہو جانے کا۔

صوفیائے کرام

عراقی عشق اشارات بذات احدیت مطلقہ است واعتبار جملہ متاخرین ہمین است عاشق آنرا گویند کہ عقل درو نہ باشد وخبرا: سرو پا ندارد و خواب ولہ برخود حرام گرداند، زبان بذکر و دل بفکر وجان بمشاہدہ او مشغول دارد۔ (شیخ فخرالدین عراقی)

شہاب الدین نوری سب سے پہلے جذبۂ پسندیدگی پیدا ہوتا ہے، اس کے بعد قرب و نزدیکی کی خواہش پیدا ہوتی ہے جو مودت میں تبدیل ہو جاتی ہے، اس کے بعد محبت ہوتی ہے، پھر درجہ ہوا ہے اور اس کے بعد عشق کا، لیکن عشق آخری منزل نہیں ہے کیونکہ عشق بڑھ جانے کے بعد تیتم ہو جاتا ہے اور تیتم میں زیادتی ہونے سے ولہ کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور جنون کا درجہ غالباً والہ کے بعد ہے،

جنید بغدادی عشق محبت سرمدی ہے، جیسے خدا کی مہربانیاں ہر جاندار کو عطا کیا کرتی ہے (جنید بغدادی)

خواجہ ابراہیم مستملی شارح تعرف محبتے کہ میان مخلوقان باشد، اول درجہ موافقت طبع ہست کہ بینید شنود کہ طبع او را موافق اند و طبع آں چیز آرام گردید، چوں مدتے بموافقت طبع بر آید، درجۂ ثانی، میل کند میل بر نفس رسید است کہ نفس بہ صحبت آں چیز و آں کس میل کند و از دیگراں اعراض سازد، چوں مدتے باین تمام گاہے برائے کہ بمقام ثالثہ رسد و گردد چوں مدتے کہ باین مقام یوم گاہے بر آید، چہارم درجۂ محبت گردد و در محبت سخن بسیار است چوں گاہے چندیں باین مقام بباشد بدرجۂ پنجم رسد ولہ گردد و حیرت باشد و متحیر گردد، چوں از مقام پنجم بلرزد بدرجۂ ششم آید، و آں مقام ششم را ہوا خوانند، چوں دیگہ باین مقام ششم بر آید بدرجۂ ہفتم رسد و آں عشق است

حضرت بندار بن الحسین رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ اہل بدعت کی صحبت حق سے اعراض پیدا کر دیتی ہے،

دار الاسلام بغداد کا ایک اعجوبہ

بغداد جو صدیوں تک خلفاء و ملوک کا دار السلطنت رہا ہے طبعی طور پر ضروری تھا کہ یہی ان بادشاہوں کی موت کی گھاٹی ہوتی، مگر اس کے عجائب میں سے یہ ہے کہ اس عظیم الشان دار السلطنت میں کسی بادشاہ کو موت نہیں آئی، جتنے خلفاء و ملوک اس میں آباد رہے سب کی وفات یہاں

سے نکلنے کے بعد دوسرے شہروں میں ہوئی۔

خلیفہ ابوجعفر منصور جو بانی بغداد ہیں آن کا انتقال سفر حج میں ہوا۔ اور مکہ معظمہ میں حجون (پہاڑ) کے نزدیک دفن کئے گئے۔

خلیفہ مہدی نے ماسبذان میں انتقال کیا۔ خلیفہ ہادی عیسا آباد میں مرے۔ ہارون الرشید کا طوس میں انتقال ہوا۔ مامون الرشید کی وفات بلادِ روم بذندون کے اندر واقع ہوئی۔ اسی طرح سے ان کی اولاد میں جس قدر بادشاہ ہوئے سب کی وفات دوسرے شہروں میں ہوئی۔ البتہ محمد امین کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ بغداد میں قتل کئے گئے۔ مگر صحیح یہ ہے کہ وہ بھی خاص شہر بغداد کے اندر مقتول نہیں ہوتے۔ شہر بغداد سے باہر تھے وہاں قتل کئے گئے۔ اسی مضمون کو ایک بغدادی شاعر منصور نمری نے اپنے اشعار میں لکھا ہے:-

أَعَايَنْتَ فِي طُوْلٍ مِنَ الْأَرْضِ وَالْعَرْضِ — كَبَغْدَادَ دَارًا إِنَّهَا جَنَّةُ الْأَرْضِ

قَضٰى رَبُّهَا أَنْ لَا يَمُوْتَ خَلِيْفَةٌ — بِهَا إِنَّهُ مَا شَاءَ فِي خَلْقِهِ يَقْضِيْ

تاریخ بغداد للخطیب صہ ۶۸ ج ۱

(ترجمہ) کیا آپ نے زمین کے طول و عرض میں بغداد جیسا کوئی شہر دیکھا۔ بلاشبہ وہ زمین کی جنت ہے اس شہر کے مالک نے حکم کر دیا ہے کہ کوئی بادشاہ اس میں نہ مرے گا۔ بیشک وہ اپنی مخلوق میں جو چاہے حکم کرتا ہے

فائدہ:- ہندوؤں اور دوسری اوہام پرست قوموں میں اگر کہیں ایسا اتفاق ہوتا کہ اتنے عظیم الشان دار السلطنت میں کوئی بادشاہ نہ مرے تو وہ اس شہر کی پوجا پاٹ شروع کر دیتے۔ اور خدا جانے کیا کیا عقیدے اور خیال قائم کرتے۔ حق تعالیٰ نے مسلمانوں ہی کو یہ عقل و فہم دیا ہے کہ ہر چیز کو اس کی حد پر رکھتے ہیں۔ علماء و حکماء سے گزر کر شاعرانہ خیالات رکھنے والے بھی اسی کا اعلان کرتے ہیں کہ اس میں بغداد کی زمین یا آب و ہوا کی کوئی تاثیر نہیں بلکہ یہ سب کچھ اسی مالک الملک کے حکم اور قضاء و قدر سے ہے جس کے قبضہ میں سب کی جانیں ہیں۔ اسی نے اس شہر کو یہ عجیب فضیلت عطا فرمادی اور اگر وہ چاہے تو آج اس کو بدل دے اور اس پر فضا جنت زمین کو موت کا گھاٹ بنادے۔ فانہ الفعّال لما یرید ولا یمنعہ شئ عن شئ۔

مکالمہ ابوجعفر منصور اور رومی سفیر

خلیفۃ المسلمین ابوجعفر منصور عباسی نے جب شہر بغداد کی تعمیر کو مکمل کر کے اُس کو اپنا پایۂ تخت بنایا تو شاہِ روم کا ایک سفیر مہمان پہنچا۔ بغداد کی سیر و تفریح کے بعد دربارِ شاہی میں حاضر ہوا۔ اور امیر المومنین منصور سے عرض کیا کہ جہاں پناہ آپ نے ایسا شہر بنایا ہے کہ آپ سے پہلے کسی بادشاہ کو میسر نہیں ہوا۔ مگر اس میں تین عیب ہیں۔

ایک یہ کہ یہ پانی سے دُور ہے۔ اور انسان کو پانی کی سب سے زیادہ ضرورت ہے دوسرے یہ کہ انسان کی نظر فطرۃً سبزی کو پسند کرتی ہے۔ اس شہر کی بنا میں اس کی رعایت نہیں کہ کچھ درخت اور چمن ہوتے۔ تیسرے یہ کہ آپ کی رعیت آپ کی ساتھ ہی اس شہر میں آباد ہے اور جس بادشاہ کی رعیت اُس کی ساتھ اس طرح خلط ملط ہو کر رہتی ہو اُس کا راز پوشیدہ نہیں رہ سکتا۔

امیر المومنین منصور نے کہا کہ یہ عیوب جو تم نے شمار کئے کوئی قابلِ التفات چیز نہیں کیونکہ پہلا عیب یعنی پانی کی نہروں سے دُور ہونا سو اس کا یہ جواب ہے کہ بقدر ضرورت پانی یہاں شہر میں موجود ہے اور ضرورت سے زائد کی فکر فضول ہے۔ دوسری چیز سبزی اور چمن وغیرہ سو اُس کا جواب یہ ہے کہ ہم سیر و تفریح اور لہو و لعب کے لئے پیدا نہیں ہوئے۔ اور تیسرا عیب کہ میرا راز پوشیدہ نہیں رہ سکتا تو آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ میرا کوئی راز ہی ایسا نہیں جس کو میں اپنی رعیت سے پوشیدہ رکھوں۔ میری رعیت سب کی سب میری اولاد کی طرح ہمراز ہے۔

منصور کا نظریہ اپنی جگہ پر صحیح تھا۔ لیکن پھر زمانہ کی رفتار نے اُن میں بھی سفیر رومیؔ کے بعض مشوروں پر عمل کرنے کے لئے مجبور کر دیا۔ اور اسی وجہ سے بغداد کی عام آبادی کو محلہ کرخ کی طرف منتقل کر دیا گیا۔ اور دجلہ سے دو نہریں بغداد میں لائی گئیں۔ (تاریخ بغداد للخطیب ص۷۲ ج۱)

دکانوں پر ٹیکس

امیر المومنین منصور عباسی کے زمانہ تک بغداد میں دکانوں پر کوئی خراج (ٹیکس) عائد

نہیں کیا گیا تھا ان کے بعد خلیفہ مہدی نے بمشورہ ابو عبید اللہ دکانوں پر ٹیکس لگایا۔
(تاریخ بغداد ص۴۱ ج۲)

ایک بغدادی سقار

عالی ظرفی کی عجیب نظیر

حضرت ذوالنون مصری کو ایک مرتبہ کسی دشمن نے تہمت لگائی اور اس سلسلہ میں وہ قید کر کے بغداد لائے گئے۔ قصر حکومت کے نیچے ہتھکڑی اور بیڑیوں میں جکڑے ہوئے پڑے تھے، پیاس کا غلبہ تھا اس فکر میں تھے کہ کس سے کہیں اور کون سنے۔ اتفاقاً ایک شخص نہایت خوش لباس سامنے آیا جس کے ہاتھ میں بلوری جام اور بغل میں مشکیزہ تھا۔ ذوالنون نے خیال کیا کہ یہ بادشاہی ساقی ہے۔ یہ ہماری بات کیا سنے گا۔ لیکن لوگوں سے پوچھا تو معلوم ہوا کہ یہ کوئی درباری آدمی نہیں بلکہ عوام کو پانی پلانا اس کا کام ہے۔ آپ نے اس سے پانی طلب کیا اس نے نہایت ادب واحترام سے پانی پلایا۔ حضرت ذوالنون نے خوش ہو کر ایک دینار اس کے سامنے پیش کیا۔ اس نے انکار کیا۔ حضرت ذوالنون نے اصرار فرمایا تو کہا کہ آپ قید میں ہیں اور یہ انسانیت اور مروت سے بہت بعید ہے کہ کسی قیدی سے کچھ لیا جاوے۔ حضرت ذوالنون اس سقار کی عالی ظرفی سے بہت ہی متعجب تھے۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ مروت وعالی ظرفی سیکھنا ہو تو بغداد کے سقار سے سیکھو
(تاریخ بغداد للخطیب)

مغربی تمدن ومعاشرت

کی مضرت خود اہل یورپ کی نظر میں

اسلام روزِ اول سے انسان کو سادہ معاشرت کی تعلیم دیتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

اور صحابہ کرام کا اسوۂ حسنہ اور اسلاف اسلام کا ہر طرز عمل یہی ہدایت کرتا ہے۔ اور جب تک مسلمانوں کی قسمت میں خیر مقدر تھی اُس وقت تک وہ اسی اُسوہ کے پابند تھے۔ مگر مگر بدنصیبی سے آجکل مسلمانوں نے اپنی روایات کو بھلا کر اقوام یورپ کی تقلید شروع کردی جن کا مبلغ علم اور دین و مذہب ہوا پرستی اور بہائم کی طرح ہوس رانی اور اسباب عیش وعشرت کی فراوانی ہے۔ انھیں قرآن وحدیث سنایا جاتا ہے تو التفات نہیں کرتے اسلامی تاریخ کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے تو تنگ نظری کا سبق سمجھتے ہیں۔ اس لئے ہم اس وقت خود موجدین فیشن وتمدّنِ جدید کا وہ مصدقہ فیصلہ نقل کرتے ہیں جو انھوں نے تمدنِ جدید کی مضرتیں بھگتنے کے بعد صادر کیا ہے۔

مقلدین یورپ کے لئے یورپ کا فتویٰ

انگلستان کی انجمن تجدید صحت وحیات کا پروگرام

انگلستان کی انجمن تجدید صحت وحیات نے اپنی زندگی اور صحت کے لئے کچھ اصول طے کرکے شائع کئے ہیں جو ہر ممبر کے پاس چھپے ہوئے موجود رہتے ہیں یہ اصول رسالہ چشمۂ حیات دہلی مجریہ مارچ ۱۹۳۰ء میں شائع ہوئے ہیں۔ ان اصول میں سے ہم چند چیزیں نقل کرتے ہیں جو صریح اسلامی تعلیمات ہیں۔ اہل یورپ نے بہت سی ٹھوکریں کھاکر اور نقصان اٹھاکر بآخر ان کو اختیار کیا ہے۔ یہ مسلمانوں کے لئے درس عبرت ہے کہ غیر اقوام اسلامی تعلیمات کی خوبیاں محسوس کرکے اُس کی طرف آرہی ہیں اور مسلمان دوسروں کی تقلید کو معراجِ کمال سمجھ رہے ہیں۔ ؎

یک سید پر نان ترا برق سر　　　تو ہمے جوئی لب نان دربدر

مغربی معاشرت	اسلامی معاشرت (ارشاد نبوی)
غذا سادہ کھاؤ۔ چب خوب	غذا اور پانی (۱) آئندہ میری امت میں ایسے لوگ بھی

بھوک لگے اُس وقت کھاؤ۔ تحریک پیدا کرنے والی غذائیں نہ کھاؤ بلکہ صرف طاقت برقرار رکھنے والی چیزیں کھاؤ۔ عام طور پر ایک وقت کے کھانے کھاؤ۔ اپنے کھانے کو ڈھک کر رکھو تاکہ ہوا کے جراثیم خاک دھول، مکھیاں، ہوائی کیڑے ان پر یورش نہ کر سکیں۔ کھانے کی چیزیں جو کھلی رکھی ہوں مت کھاؤ۔ خاص کر وہ چیزیں جن کا رنگ مزہ اور بو بدل گئی ہو۔

پانی پانی کے برتن ڈھکے ہوئے ہونے چاہئیں اور کسی ایک برتن میں زیادہ عرصہ تک پانی نہ رکھا کیجئے۔ تجربہ اور مقامی موسمی حالات بتائیں گے کہ کس برتن میں کتنے عرصہ تک پانی رکھنا صحت کے واسطے مفید یا مضر ہے۔ مگر برتن کے منہ کو ڈھکنا بہرحال ضروری ہے۔

روشنی غیر قدرتی روشنی کا استعمال جس قدر بھی کم کیا جائے بہتر ہے۔ خصوصاً رات کو سوتے وقت

غسل سوائے ہاتھوں کے

چل گئے جو الوانِ نعمت مختلف قسم کے کھانے اور مختلف قسم کے پانی اور شربت اور مختلف رنگ کے کپڑے جمع کریں گے وہ میری امت کے بدترین لوگ ہیں (ترغیب و ترہیب مسلم ج ۳)

(۲) ارشاد نبوی ہے کہ سونے کے وقت اپنے دروازے بند کر دو اور کھانے کے برتنوں کو ڈھک دو اور پینے کے برتنوں مشکیزہ وغیرہ کا منہ بند کر دو۔ (کنز بحوالہ مسند احمد ج ۵)

روشنی حدیث میں ارشاد ہے واطفؤا سرجکم (یعنی سوتے وقت اپنے چراغ گل کر دو) اور عام عادت شریفہ یہی تھی کہ شب کو بلا ضرورت روشنی کا استعمال نہ فرماتے تھے یہاں تک نماز تہجد پڑھنے کے وقت بھی اس کا التزام نہ تھا حضرت صدیقہ عائشہؓ اس حالت کے متعلق فرماتی ہیں والبیوت یومئذ لیس فیہا المصابیح (یعنی اس زمانہ میں گھروں کے اندر چراغ جلانے کی ایسی عادت نہ تھی کہ بغیر علم ہی کریں) آج یورپ کی تہذیب نے ہر جگہ رات کو دن بنا رکھا ہے یورپ کی آنکھ بند تقلید کرنے والے اور بجلی کی روشنی کو جزو تہذیب سمجھنے والے خود اہل یورپ کے اقوال دیکھیں اور عبرت حاصل کریں!

غسل غسل میں صابون کا استعمال تو خود انہیں عقلاً کی ایجاد ہے جو آج اس کو منع کر رہے ہیں۔ اسلام نے تو اس میں بھی اپنے اصول کے موافق سادگی کی تعلیم دی ہے۔

لباس نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کا عام لباس کرتا اور تہبند تھا اور کبھی صرف دو چادریں ایک اوڑھنے کے لئے اور ایک تہبند کے لئے ہوتی تھیں۔ کبھی کبھی جبہ بھی استعمال فرماتے تھے بعض حضرات پاجامہ بھی استعمال فرماتے تھے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پاجامہ کو پسند فرمایا ہے مگر یہ سب لباس ڈھیلا ڈھالا ہوتا تھا۔ چست لباس پسند نہ تھا۔

اور کسی جگہ کے لئے صابن
استعمال کرنے کی عادت
اگر چھوڑ دی جائے تو صحت
کی ترقی دیکھنے کے قابل ہوگی۔

کپڑے

آپ کو جوتے
گیٹس، ہاتھوں
کے تسمے، بیلٹے اور اسی قسم کی
دیگر بندشیں ڈھیلی ہونی
چاہئیں، نیل کے چکنے ہوئے
کپڑے ربڑ کی چیزیں جہاں
تک ممکن ہو پہنئے۔ اصول
یہ ہونا چاہیئے کہ جسم کو گرم
رکھنے کے لئے سردیوں میں
ایسا کپڑا پہنا جائے کہ جن
میں گرمی زیادہ ہو۔ اور کپڑوں
کا وزن ہلکا ہو، گرمیوں میں
ایسے کپڑے ہوں کہ وہ پسینہ
نہ روکیں، اور پسینہ جذب
کرتے رہیں اور جسم کو ٹھنڈا
رکھیں، کالے اور بہت
گہرے رنگ کے کپڑے
کم سے کم استعمال کیجئے
اوسطاً سات پونڈ وزنی کپڑے
گرمیوں میں اور اوسطاً سات
سے دس پونڈ وزن کے کپڑے

یہ چست لباس کی جکڑ بند انہیں دانایان فرنگ کی ایجاد ہے
جو آج اس کو صحت و تندرستی کے لئے مضر فرما رہے ہیں۔ آج کل
ربڑ اور ربڑ کی اشیاء کا استعمال بھی انہیں لوگوں کی مایۂ فخر
ایجاد ہے جس کے ذریعہ مدتوں دنیا کی صحت کو خراب کرنے کے
بعد یہ مضرت کا اقرار کیا جا رہا ہے یورپ کے وہ روشن خیال
دیکھیں کہ انھوں نے سنتِ رسول کے بدلے میں یورپ سے
کیا لیا اور ایک مضر اور کتنا مہنگا سودا خریدا جس کو یورپ
اب پسند نہیں کرتا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔ سفید رنگ
کے کپڑے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند تھے۔ بلکہ آپکا ارشاد

عليكم بالبياض من الثياب فليلبسها احياءكم وكفنوا فيها موتاكم فانها من خير ثيابكم (کنز جلد ۸ بحوالہ حاکم ومسند احمد وغیرہ)

تم سفید کپڑوں کے پابند رہو زندہ بھی اسکو استعمال کریں اور کفن بھی یہی ہو کیونکہ سفید کپڑے بہترین لباس ہیں۔

ننگے پیر رہنا

اسلامی معاشرت اور نشست جو تمام
بلاد میں معروف و مشہور ہے یہی کہ جوتے
نکال کر فرش پر بیٹھتے ہیں۔ جوتے صرف چلنے پھرنے کے وقت
استعمال کرتے ہیں بلکہ اس میں بھی کسی وقت ننگے پیر چلنے کو
عار نہیں سمجھتے حضرات صحابہ کرام کی معاشرت یہی تھی۔ جوتوں کو
جزو بدن بنا لینا یہ خاص یورپ ہی کی لغو معاشرت نے دنیا
جاری کیا کہ کرسیوں کی نشست رکھی گئی کہ بیٹھنے اور کام کاج
کی حالت میں بھی جوتے نہ اتریں بلکہ بعض مصنوعی صاحب
بہادر تو سوتے ہوئے بھی آرام کرسی پر جوتوں سمیت
دراز ہو جاتے ہیں۔ خدا کا شکر ہے آج یورپ بہت
سی مضرتیں برداشت کرنے کے بعد اسی نظریہ پر آیا جس
کو اسلام نے اوّل قائم فرمایا تھا۔ لیکن افسوس ہے

جاڑوں میں جسم پر ہونے چاہئیں

ننگے پیر آپ جس قدر ننگے پیر رہ سکیں بہتر ہے۔ جہاں کہیں آرام اور حفاظت کے ساتھ ننگے پیر پھرنا ممکن ہو یا صرف سلیپر، کھڑاؤں وغیرہ سے کام چل جائے وہاں بوٹ اور شوز استعمال نہیں کرنے چاہئیں۔

سونا نرم پروں کے گدّے بستروں پر سونا صحت کے لئے بہت مضر ہے۔

از رسالہ چشمۂ حیات دہلی

مارچ سنہ ۱۹۳۸ء

کہ ہمارے بھائی اس وقت بھی آنکھیں نہیں کھولتے وہ اُسی معاشرت کو فخر و عزت بنائے بیٹھے ہیں جس سے یورپ عاجز آکر توبہ کر رہا ہے۔

سونا نرم گدّوں پر سونا جس کو یورپ نے آج مضر صحت بتلایا ہے۔ اسلامی معاشرت پہلے ہی اُس سے دُور تھی۔ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر چمڑے کا تھا۔ جس کے اندر کھجور کے درخت کا گودہ بھرا ہوا تھا۔ (ترغیب وترہیب ص۱۱۵ج۴ بحوالہ بخاری)

بعض مرتبہ ازواج مطہرات میں سے کسی نے کوئی کپڑا بچھا دیا تو آپ نے اٹھوا دیا۔

تنبیہ اسلامی معاشرت اور سادہ زندگی جس طرح مسلمان کو دنیوی لذات میں انہماک سے روکنے والی ہے اسی طرح صحت و تندرستی اور دنیوی راحت کی بھی کفیل ہے۔ جو لوگ جدت پرستی میں مبتلا ہیں خدا کے لئے اب تو غور کریں۔ اگر اپنے مذہبی فتوے سے متاثر نہیں ہوتے تو انھیں کا فتویٰ سُن لیں جن کے مقلد ہیں فقط

بندہ

محمد شفیع

پھر وہی قیدِ قفس پھر وہی صیاد کا گھر

جرمنی میں آزادئ نسواں کا حشر

مغربی تہذیب نے عورتوں کو جو آزادی دے رکھی تھی۔ اس کے نتائج نظروں کے سامنے ہیں لیکن اب زیادہ دنوں تک یہ آزادی باقی نہ رہ سکے گی جرمنی میں اس کا ردِّ عمل شروع ہو چکا ہے۔ اور مدّ جس زور کا تھا۔ جزر اس زیادہ زوردار ہے ہٹلر نے عورتوں کو پھر گھر کی چار دیواری میں بند کر دیا ہے اور اعلیٰ تعلیم حسبِ سابق عورت کے لئے پھر "شجرِ ممنوعہ" قرار دی گئی۔ جرمنی چاہتا ہے کہ عورتیں کچھ نہ کریں صرف بچے پیدا کریں جن کی آیندہ جنگ میں ملک کو ضرورت ہے۔ ایک نازی لیڈر الفرڈ روز برگ کہتا ہے "جو عورت بچے پیدا نہیں کرتی، بیاہی ہو یا بن بیاہی سماج کے لئے لعنت ہے" لڑکیوں کے لئے اعلیٰ تعلیم علانیہ ممنوع نہیں قرار دی گئی۔ لیکن اس راہ میں اتنی دشواریاں پیدا کر دی گئی ہیں کہ اس کا حاصل کرنا ان کے لئے تقریباً ناممکن ہے۔ برلن یونیورسٹی کی یونین کا صدر کہتا ہے "یونیورسٹیاں صرف مردوں کے لئے بنائی ہیں۔ عورتوں کی تعلیم کا اصلی مقصد صرف یہ ہے کہ ان کو ماں بننے کے لئے تیار کیا جائے۔ ہم عورتوں کی تعلیم محض کلچر کے خیال سے بالکل بے سود سمجھتے ہیں۔" لڑکیوں کو ماں بننے کے لئے ایک سادہ کلچر سے زیادہ کی ضرورت نہیں، اور یہ چیز وہ ثانوی مدارس میں حاصل کر لیتی ہیں۔ یہ مدرسے ان کی عام صحت اور ورزش کا بھی زیادہ اہتمام کرتے ہیں۔ جو تندرست ماں بننے کے لئے سب سے مقدم شئے ہے۔ ان اسکولوں میں ضروری اور مفید معلومات کھانا پکانے اور صفائی کے آداب، حفظانِ صحت اور ورزش کے ضروری طریقے سکھائے جاتے ہیں۔ اور تعلیم کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ لڑکیوں کے دلوں میں نازی اصول جاگزیں ہوں۔ ان کو جنگ کی برتری حکومت کی سر بلندی اور ہٹلر کی مشق کرائی جاتی ہے۔ اور ان میں نسلوں اور خاندانوں کے ذہنی و خلقی تفاوت کے نظریہ کو مقبول بنایا جائے۔

ثانوی نصاب کے ختم کر لینے کے بعد لڑکی کچھ عرصہ تک کسی گھر کی خادمہ یا کسی فارم کی مزدور یا بچوں کی انا بن کر گھریلو اور عملی زندگی کے تجربات حاصل کرتی ہے۔ حکومت

نوجوان اور بن بیاہی لڑکیوں کو اپنے خزانہ سے قرض دے دے کر ازدواجی زندگی کے لئے ابھارتی رہتی ہے تاکہ ان میں گھریلو زندگی میں کوئی زحمت محسوس نہ ہو۔ بعد ازاں چند برسوں کے اندر ان قرضوں کو وہ بالاقساط ادا کر دیتی ہیں اگر ایک مقررہ میعاد کے اندر کوئی بچہ پیدا ہو جاتا ہے تو چوتھائی قرض ساقط ہو جاتا ہے۔ اس طرح پر عورت کے ہاتھوں سے عمل و لطف کا پچھلا میدان جاتا رہا۔ اس تحریک کے ائمہ چاہتے ہیں کہ عورت کی تمام عملی سرگرمیوں سے ہٹا کر صرف معمولی گھریلو کاموں میں قید کر دیں۔ لیکن ہنوز عورت کے لئے وہی کام ممنوع ہوتے ہیں۔ جن کے لئے مرد تیزی سے لپک رہے ہیں اور جن کو وہ آسانی سے انجام دے کر لطف اٹھا سکتے ہیں۔ کارخانوں، فارموں اور سرکاری محکموں میں چھوٹی ملازمتوں کے دروازے اب بھی لڑکیوں اور عورتوں کے لئے کھلے ہوئے ہیں۔ لیکن یہ بھی اس وقت تک کھلے رہیں گے جب تک مرد اُن کی طرف متوجہ نہیں ہیں۔ مردوں نے جہاں توجہ کی عورتوں کو یہ تنگ میدان بھی اُن کے لئے فوراً خالی کر دے گا۔ اب جرمنی میں عورت سیاسی محکموں اور بڑے بڑے انتظامی عہدوں پر بالکل نظر نہیں آتی بلکہ معلمہ اور لیڈی ڈاکٹر کی حیثیت میں بھی بہت کم دکھائی دیتا ہے۔ ان کے لئے یونیورسٹیوں کے دروازے بالکل بند ہیں ۱۹۳۵ء میں قانونی کالجوں نے صرف سات لڑکیوں کو داخل کیا۔ کیونکہ وہ چاہتے ہیں کہ عورت کسی سول ملازمت کی خواہش نہ کر سکے۔ آج وہاں نہ کوئی عورت کسی اسکول کی ہیڈ ماسٹر ہے اور نہ کسی یونیورسٹی کی پروفیسر۔ بڑے بڑے تمام علمی عہدے صرف مردوں کے لئے مخصوص ہیں۔ ۳۵ برس کی عمر سے پہلے کسی عورت کے لئے سرکاری ملازمت کا تعلق جائز نہیں ہے۔ مرد اور عورت اگر ہر حیثیت سے برابر ہوں تو حکومت مرد کو ترجیح دیتی ہے۔

حکومت اس کی وجہ یہ بیان کرتی ہے کہ اس کے پیش نظر یہ ہے کہ لڑکیاں ازدواج کی طرف مائل ہوں۔ لیکن اگر یہ بھی ہو جائے کہ جرمنی کے تمام مرد شادی کر کے اپنی بیویوں کے نان نفقہ کے ذمہ دار ہو جائیں جب بھی جرمنی میں لڑکیاں اور عورتیں بے مرد کی بچ رہیں گی؛

جرمنی میں عورت اس وقت نہ صرف مادی حیثیت سے ستم رسیدہ ہے۔ بلکہ اخلاقی اعتبار سے بھی مظلوم ہے۔ اس نے زندگی کی تمام چہل پہل سے محروم ہو کر اپنی دنیا اپنی چہار دیواری کے اندر بسا لینی چاہی لیکن موجودہ گورنمنٹ اس کے اس چھوٹے سے دائرے

کے اندر بھی اس کو آزاد چھوڑنا نہیں چاہتی۔ چنانچہ اس کو اس کی اجازت نہیں دی گئی ہے کہ وہ اپنے بچوں کی تربیت آزادانہ طریق پر اپنے حسب منشاء کر سکے۔ بلکہ نازی گورنمنٹ بچوں کی تربیت کی ذمہ دار خود بن گئی ہے۔ تاکہ ان کو شروع ہی سے اپنے نازی اصولوں پر لے کر چل سکے۔ ظاہر ہے کہ یہ طریقہ نہایت ظالمانہ ہے۔ یہ ماں اور اس کے بچے کے درمیان تفریق کرتا ہے۔ جو عورت آسانی سے برداشت نہیں کر سکتی۔ یا تو عورت کو باہر کی چہل پہل دو۔ اور اگر اس کو اس سے الگ کر کے اندر قید کرنا چاہتے ہو تو اس دائرہ کے اندر اس کو وہ سب کچھ دو جو اس کا ہے۔ اور یقیناً اس میں سب سے اہم اس کا بچہ ہے۔ جس کی مادی اور اخلاقی تربیت کی وہ تنہا ذمہ دار ہے۔

کبھی کبھی یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جرمنی خواتین اس قید و بند میں کیسے خوش رہ سکتی ہے؟ اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ بن بیاہی لڑکیاں شوہر کی تمنا کرنا سیکھیں اور اس کے لئے موثر پروپیگنڈہ جاری کریں۔ اور شادی شدہ عورتیں اپنی اپنی زندگی پر قناعت کریں اور زیادہ سے زیادہ تعداد میں بچے پیدا کریں کچھ دنوں کے بعد طبیعتیں آپ سے آپ بدل جائیں گی۔

موجودہ حکومت کا رعب دلوں پر اس طرح چھایا ہوا ہے کہ عورتوں میں اس طرز عمل کے خلاف آواز اٹھانے کی ہمت نہیں ہے۔ وہ یاس و ناامیدی کی حالت میں اس تماشہ کو دیکھ رہی ہیں۔ اور اب سمجھنے لگی ہیں کہ عورت صرف بیوی اور ماں بننے کے لئے پیدا ہوتی ہے۔ کیسی بیوی اور کیسی ماں؟ ایسی بیوی جو بچے پیدا کرنے کا فرض انجام دے اور ایسی ماں جو دودھ پلانے کی خدمت بجا لائے اور اس کا تو خیال بھی نہ کرے کہ وہ گھر کی مالکہ اور بچے کی ماں ہے

عورت نے اپنے حق سے زیادہ لیا تھا۔ زمانہ نے اس کو مع سود کے واپس لے لیا۔

(از "اصلاح" سرائے میر اعظم گڈھ

ہندوستان میں حدیث اور مذہب حنفیہ کی عظیم الشان خدمت

اور

علمائے مصر کا اعتراف

حجاز و عراق اور مصر و شام علوم اسلامیہ کے مرکز سمجھے جاتے ہیں اور یہ سمجھنا صحیح بھی ہے اور ہندوستان جس طرح جغرافیائی حیثیت سے اُن سے بعید اور الگ تھلگ ہے اس کا مقتضی بظاہر یہ تھا کہ علوم اسلامیہ میں اس کا کوئی خاص حصّہ نہ ہوتا۔ لیکن خدا کی دین (عطاء آلہی) کسی ضابطہ کی پابند نہیں وہ جس جگہ اور جس قوم اور جس شخص کو چاہیں اپنے انعامات سے مالا مال فرماتا ہے۔ اَللّٰہُ یعلم حیث یجعل رسالتہ۔

ہندوستان کو حق تعالیٰ نے جس طرح یہ شرف عظیم عطا فرمایا ہے کہ خدا تعالیٰ کے سب سے پہلے پیغمبر (آدم علیہ السلام) اور وحی آلہی سب سے پہلے اسی خطہ پر نازل ہوئی۔ اسی طرح یہ نعمت غیر مترقبہ بھی اس کے حصّہ میں لکھدی کہ اسلام اور علوم اسلامیہ کی حقیقی اور صحیح خدمت جو اس وقت ہندوستان میں ہو رہی ہے آج اُس کی نظیر بلاد اسلامیہ میں بھی نظر نہیں آتی یہ ضروری ہے کہ مغربی تعلیم اور نئی روشنی (جس کو نئی اندھیری کہنا زیادہ موزوں ہے) کے اثر سے مذہب اور علوم مذہبیہ سے عام مسلمانوں میں بیگانگی اور اس کی وجہ سے علوم و علماءؒ کی کساد بازاری روز بروز بڑھتی جاتی ہے لیکن اس حالت میں بھی یہاں اللہ تعالیٰ کے ایسے مخلص بندے موجود ہیں جو اس کس مپرسی اور بے قدری کی حالت میں اپنے اوقات کو علمی خدمت کے لئے وقف کئے ہوئے ہیں۔ اور وہ بڑی بڑی خدمتیں کر رہے ہیں جس کا انتظام سلطنتوں سے بھی مشکل تھا۔ اُن غریبوں کے پاس اتنا سرمایہ بھی نہیں ہوتا کہ اپنی تصنیف کو مطبع تک پہنچا سکیں اور کہیں مر بھر کر کوئی تصنیف طبع بھی ہو گئی تو اس کی صورت نہیں بنتی کہ اُس کو عام طور پر شائع کر سکیں اور اس خزینۂ علوم کو اُس کے مستحقین تک پہنچا سکیں۔ اور کہیں اتفاق سے کوئی تصنیف بیرونِ ہند چلی جاتی ہے تو خدا شناس علماء اُس کو کس طرح قبول کرتے ہیں، اس کا ایک نمونہ آپ تحریر ذیل میں ملاحظہ فرمائیں گے :-

بقیۃ السلف حجۃ الخلف حکیم الامت مجدد الملت سیدی وسندی حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی دامت برکاتہم کی تصانیف مفیدہ جو بفضلہ تعالیٰ سات سو سے زائد رہیں (زادہا اللہ تعالیٰ امثالہا) اُن میں سے چند تصانیف حجاز و مصر وغیرہ بلادِ اسلامیہ میں پہنچی۔ وہاں کے ماہر علماء نے اُن کو ایک نعمتِ عظیمہ اور مایۂ ناز علمی خدمت سمجھا۔

حضرت ممدوح نے مدت ہوئی ایک تصنیف کی بنا ڈالی تھی جس میں حنفی المذہب مسلمانوں کے لئے مذہب امام اعظم ابو حنیفہؒ کے ہر مسئلہ پر قرآن و حدیث سے شواہد و دلائل جمع کئے گئے۔ عرصہ دراز سے موصوف نے یہ خدمت اپنے عزیز خاص اور مجاز خاص حضرت مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی کے سپرد فرمائی اور اُن کی تحریر کو باستیعاب خود ملاحظہ فرمانے اور ضروری اصلاحات عطا فرمانے کا التزام کیا۔ مولانا ظفر احمد صاحب نے اس جد و جہد اور دقتِ نظر سے اس کام کو انجام دیا کہ آج کل بہت ہی دشوار ہے حق تعالیٰ کا شکر ہے کہ یہ عظیم الشان خدمت اب تقریباً پندرہ جلدوں کی صورت میں مکمل ہو چکی ہے جن میں سے دس طبع ہو چکی ہیں باقی زیر طبع ہیں۔ یہ عظیم الشان تصنیف سادی حنفیہ کی بے نظیر تنقیح متن حدیث کی شرح اور مباحث اسناد اور اصول حدیث کے متعلق علوم سلف و خلف کا نچوڑ ہونے کی حیثیت سے علم حدیث و فقہ کی ایسی جامع کتاب ہو گئی کہ اس کی نظیر موجود نہیں۔

کتاب کی چند جلدیں مصر پہنچی۔ مصر کے مشہور و معروف مصنف علامہ زاہد کوثری نے اُس کے متعلق اپنے ایک علمی مضمون میں اظہارِ رائے فرمایا ہے۔

اسی طرح شیخ التفسیر والحدیث سیدی واستاذی حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی دیوبندی نے حال میں علم حدیث کی ایک ایسی عظیم الشان خدمت فرمائی ہے کہ اس قرن میں اس کا تصور مشکل تھا یعنی حدیث کی مشہور کتاب صحیح مسلم جس پر کوئی مبسوط و مفصل شرح ایسی موجود نہ تھی جس پر اکتفا کیا جا سکے۔ امام نوویؒ کی شرح بہترین اور جامع شرح ہے۔ لیکن اوّل تو موصوف شافعی المذہب ہیں اسی مذہب کے اصول پر یہ شرح کی گئی حنفیہ کے لئے اس پر قناعت نہیں ہو سکتی۔ دوسرے بہت سے مواقع پھر بھی تشنۂ تفصیل بھی باقی ہے۔ حضرت ممدوح نے بفضلہ تعالیٰ اس شرح کی تصنیف کو نصف سے زائد مکمل کر لیا ہے۔ اور ہنوز سلسلۂ تصنیف جاری ہے۔ دو جلدیں طبع ہو چکی ہیں۔

علامہ کوثری نے اس شرح مسلم کے متعلق بھی اپنے اس مضمون میں اظہار خیال فرمایا ہے۔ وہ بھی آپ اس عربی مضمون میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

اسی طرح فقیہ العصر محدث الوقت شیخ المشائخ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری قدس سرہ کی عظیم الشان تصنیف بذل المجہود شرح سنن ابی داؤد جو عرصہ ہوا چھپ کر شائع ہو چکی ہے اور بیان و توصیف سے بے نیاز ہے۔ اس پر نیز علامہ شوق قدس سرہ کی کتاب آثار السنن، اور دوسرے علماء ہند کی خدمات حدیث پر بھی علامہ موصوف نے اس مضمون میں فاضلانہ تبصرہ فرمایا ہے۔ یہ مضمون اہل ہند کے لئے ایک ماہر عالم کی سند اور مایۂ ناز ہونے کے علاوہ علم حدیث و فقہ کی مستقل تاریخ، اور ہر زمانہ اور ہر دور اور ہر ملک میں اس کی جو جو خدمتیں ہوئی ہیں اس کا ایک اجمالی مگر جامع نقشہ ہے۔ اور علماء و طلباء حدیث کے لئے معلومات نافعہ کا خزانہ ہے۔ اس لئے ہم اس کی اصل عبارت کو مع ترجمہ کے ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔

احادیث احکام کی خدمت

اور

بلاد اسلامیہ میں اس کے مختلف دور

مع ترجمہ

(از علامہ کوثری مصری)	(حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب)
لابد لمن ینتمی الی الفقہ من ان یکون ذا عنایۃ بالاحادیث والآثار الواردۃ عن الصحابۃ والتابعین ومن بعدھم فی الاحکام الاصلیۃ والفرعیۃ لیکون علی بینۃ من امرہ فیصون نفسہ من جماولۃ اجراء القیاس علی	جو شخص علم فقہ سے تعلق رکھے اس کے لئے ضروری ہے کہ ان احادیث اور آثار صحابہ اور اقوال تابعین و تبع تابعین وغیرہ کو معلوم کرنے کا خاص اہتمام کرے جو احکام اصول و فروع کے متعلق وارد ہوئے ہیں تاکہ وہ ایک حجت پر قائم ہو۔ اور اپنے نفس کو بمقابلہ منصوص قیاس کرنے سے بچا سکے

مند المنصوص - ويحترز من
مخالفة الاجماع فى المسائل المجمع
عليها لانه لا يمكن تفريق ما يصح
فيه القياس مما لا يصح هو فيه
وتمييز ما يستساغ فيه الخلاف مما لا
يسوغ فيه غير الاتباع الجاد -
الا لمن احاط خبراً بموارد النصوص
ووجوه التفقه فيها - واستقرأ
الآثار الواردة من فقهاء
السلف فى الاحكام فهو الذى
يقدر ان يتصون من القياس
فى مورد النص - وهو الذى
يستطيع ان يحترز من الخلاف
فى موطن الاجماع - ولذلك
تجد علماء هذه الامة واولادها
قد سعوا سعياً بليغاً فى جميع
الادوار فى جمع ادلة الاحكام
والكلام عليها متناً وسنداً
ودلالة على اختلاف اذواقهم
ومشاربهم فى شروط قبول
الاخبار - وعلى تفاوت مداركهم
فى النصوص والآثار - وكانت
امصار المسلمين تتناوب فى
الاضطلاع باعباء علوم السنة مدى
القرون ان قصر فى ذلك قطر قام قطر

اور مجمع علیہا مسائل میں مخالف اجماع سے
بچ سکے۔ کیونکہ جن مواقع میں قیاس جائز
ہے اور جن میں جائز نہیں۔ اسی طرح جن
مسائل میں اختلاف رائے جائز ہے۔ اور
جن میں اُن کے درمیان امتیاز کرنا صرف
اس پر موقوف ہے کہ موارد نصوص اور ان
میں وجوہ استنباط سے باخبر ہو۔ اور فقہاء
سلف سے جو اقوال متعلقہ احکام منقول ہیں
اُن پر حاوی ہو۔ وہی شخص اپنے آپ کو موارد
نص میں قیاس کرنے سے محفوظ رکھ سکتا
ہے۔ اور مواقع اجماع میں اجماع کا خلاف
کرنے سے بچ سکتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اس اُمت کے علماء اور
رہنمایانِ مذہب نے ہر زمانہ اور ہر دور میں
ادلۃ الاحکام (وہ آیات و احادیث جن سے
احکام فقہیہ نکالے گئے ہیں) جمع کرنے میں
سعی بلیغ فرمائی ہے اور سنداً و متناً اُن پر
کلام کیا ہے۔ اور علم الحدیث کے بارہ میں
اپنے اپنے ذوق و مذاق اور مذہب و مشرب
کے اعتبار سے مختلف شرائط مقرر فرمائی ہیں۔
بلاد اسلامیہ ہر زمانہ اور ہر دور میں علوم
سنت کی نشر و اشاعت اور شرح و تسہیل
میں نوبت بنوبت مشغول رہے ہیں۔ ایک
ملک کے لوگوں نے کسی وقت اس میں سستی
شروع کی تو دوسرے کسی ملک کے علماء

اخر بواجبه فی هذا الباب وهكذا وكانت من اكبر الاقطار حظًا من العلوم ما بين شرعية وعقلية وادبية والاسيما علوم السنة والفقه البلاد العراقية ايام مجد الدولة العباسية الى تاريخ انقراضها. وما خلف علماؤها من المآثر الخالدة شاهد صدق على ذلك ثم خلفتها فی حيازة القدح المعلى فی العلوم. الدولة المصرية على التساع مما لكها فی عهد الدولتين البحريه والبرجية والآثار الباقية من الدولتين والجامعات العلمية التى كانت الملوك والامراء شيد وها لم تزل ماثلة اما منا تنطق عن ماض مجيد ولم نزل نشاهد فی التاريخ مبلغ ما كانوا يدرون عليها من الخيرات فی سبيل العلم مع مشاطرة كثير من ملوكهم وامرائهم العلماء فی علومهم و ما هم الذا هر برقوق يتفقه على الامام اكمل الدين البابرتی ويشارك المحدثين فی رواية

اس خدمت کے لئے کھڑے ہوگئے۔ اور سب سے زیادہ حصہ علوم شرعیہ و عقلیہ میں اور خصوصاً علوم سنت و فقہ کی خدمت میں بلادِ عراق کے اُس دَور کا ہے جب دولتِ عباسیہ ان میں عروج پر تھی۔ یہانتک کہ دولت عباسیہ کا خاتمہ ہوا تو اُس کی ساتھ ہی ساتھ اسی علمی خدمت کا بھی یہاں سے خاتمہ ہوگیا۔ علماء عراق کے وہ علمی آثار جو آج تک صفحاتِ کتب میں مدوّن چلے آتے ہیں ہمارے اس بیان پر شاہد عدل ہیں۔ دولتِ عباسیہ اور بلاد عراق کے بعد یہ نعمتِ خداوندی اور علوم اسلامیہ کی خدمت میں حظ عظیم دولت مصریہ کے ہاتھ آیا جو اُس کے دونوں دَور یعنی دولتِ برجیہ میں برابر قائم رہا۔

ان دونوں دولتوں کے آثار باقیہ اور وہ مدارس عالیہ جو ان ملوک و امراء کے بنائے ہوئے ہیں آج بھی ہمارے سامنے کھڑے ہوئے اپنے قابل فخر عہد ماضی کی خبر دے رہے ہیں۔ اور ہم ہمیشہ کتب تاریخ میں اُن بیش بہا اقوام و عظیم الشان خزائن کا مطالعہ کرتے رہتے ہیں جو ملوک مصر اشاعت علوم اور اقامت مدارس کے لئے پانی کی طرح بہاتے تھے۔ حالانکہ یہ ملوک و امراء صرف سلطنت و حکومت ہی کے مالک نہ تھے بلکہ اُن میں سے بہت سے حضرات خود بھی ماہر علماء بھی

الصحیحین ویجلب امثال ابن
ابی المجد من کبار المسندین
من الاقطار النائیة رغبة
منه فی اعلاء سند المتعلمین بمصر
بسماعهم الحدیث من اصحاب
الاسانید العالیة ویفعل مثل
ذلك المؤید حیث کان هو
نفسه یروی الصحیح عن السراج
البلقینی بل ابن حجر سمع الحدیث
من المؤید هذا وترجم له فی
عداد شیوخه فی المعجم المفهرس
وقد جلب المؤید الی مصر العلامة
شمس الدین الدیری صاحب
"المسائل الشریفة فی ادلة مذهب
الامام ابی حنیفة" وکذلك
تری الظاهر جقمق یسمع الصحیح
من ابن الجزری - ویجلب
کبار المسندین الی مصر لیتلقی
منهم المتعلمون بمصر مرویاتهم
فی السنة من الصحاح والمسانید
ویجعل القلعة المصریة مجمع
هؤلاء العلماء وموضع تلقی
المتعلمین تلك الکتب من
هؤلاء المسندین تنویها بامرهم
واعلاء الشأن العلم - وبهذه العنایة

دیکھئے ظاہر برقوق (سلطان مصر) امام
اکمل الدین بابرتیؒ سے علم فقہ حاصل کرتے
ہیں اور صحیحین کی روایت میں اجلہ محدثین کے
ساتھ شرکت کرتے ہیں۔ اور امام حدیث ابن ابی
المجد جیسے سند الوقت عالم کو بلادِ بعیدہ سے
محض اس لئے مصر میں بلاتے ہیں کہ مصری طلباء
حدیث اُن سے استفادہ کریں۔ اور اُن کی
سند عالی ہو جاوے۔

اسی طرح سلطان مصر مؤید علم حدیث میں
خود وہ درجہ عالیہ رکھتے ہیں کہ صحیح بخاری کو
حافظ سراج الدین بلقینی سے روایت کرتے
ہیں۔ بلکہ حافظ الدنیا ابن حجرؒ نے ملک مؤید
سے بہت سی احادیث حاصل کی ہیں اور اُن
کو اپنے اساتذہ کے زمرہ میں شمار کیا ہے
جیسا کہ اُن کے معجم مفہرس میں موجود ہے
ملک مؤید نے ہی علامہ شمس الدین دیری
مصنف المسائل الشریفہ فی ادلۃ مذہب
الامام ابی حنیفہ کو افادۂ علوم کے لئے مصر
میں بلایا۔

اسی طرح سلطان ظاہر صحیح بخاری کو
امام ابن الجزری سے پڑھتے ہیں اور بڑے
بڑے ائمہ حدیث وفقہ کو بلادِ بعیدہ سے
مصر میں بلاتے ہیں تاکہ مصر کے علماء و طلباء
ان سے صحاح ستہ کو بسند عالی حاصل کریں۔
اور مصر کے شاہی قلعہ کو علماء کی مجلس بحث

والرعاية من الملوك والامراء
كانت مصر دار حديث وفقه
وادب في القرون الثلاثة
السابع والثامن والتاسع
وها هي قد اكتظت كتب
التاريخ بتراجم رجال كبار
انجبتهم مصر بكثرة بالغة
في "تلك القرون الذهبية
ممن لهم مؤلفات كثيرة
جدا في شتى العلوم بحيث
يعدون مفاخر الاسلام فضلا
عن مصر. بل ما تركوا المحفوظة
في خزانات العالم وما يقضي
لمصر بالفخر الخالد. ومؤلفاتهم
في الحديث والفقه والتاريخ
خارجة عن حد الاحصاء وقد
استمرت النهضة العلمية بمصر
على ما وصفناه الى اوائل
القرن العاشر. فبانقراض الدولة
المصرية البرجية في اوائل
ذلك القرن تضائل النشاط
العلمي بمصر بل تزعزعت اركان
العلم بها. وغادر هذا النشاط
القطر المصري الى اقطار اخرى
كما هو" سنة الله في خلقه"

ونظر اور درس وتدریس کے لئے مقرر کر دیتے
ہیں تاکہ لوگوں کے قلوب میں علماء کی عزت
وشان بڑھے۔

اُمرا و سلاطین کی اس خاص توجہ واہتمام
کی وجہ سے مصر ساتویں' آٹھویں' نویں تین
صدیوں میں دار الحدیث دار الفقہ دار الادب
بنا ہوا تھا۔

مصر کے ائمہ علوم وفنون اور علماء متقنین
کے زریں کارنامے آج بھی صفحات تاریخ سے
ممتاز حیثیت میں چمکتے ہوئے نظر آتے ہیں
ان میں وہ لوگ بھی ہیں جو علوم مختلفہ میں بہت
سی تصانیف مفیدہ کے مالک ہیں جس کی وجہ
سے وہ نہ فقط دیار مصر کے لئے فخر ہیں بلکہ
مفاخر اسلام سمجھے جاتے ہیں۔ بلکہ عام عالم
کے علمی خزائن میں جو ان کی عظیم الشان یادگاریں
محفوظ ومخزون ہیں وہ مصر کے لئے دائمی
فخر کی خبر دیتی ہیں۔ اُن کی تصانیف فنون
حدیث وفقہ وتاریخ میں حد شمار سے خارج ہیں۔

اور دیار مصریہ میں یہ علمی خدمات کا خاص
اہتمام دسویں صدی ہجری کے اوائل تک جاری
رہا۔ اسی صدی کے اوائل میں جبکہ دولت برجیہ
کا خاتمہ ہوا۔ اس کی ساتھ ہی ساتھ مصر میں
یہ نشاط علمی اور علوم اسلامیہ کی مخصوص
خدمت ضعیف ہوگئی۔ بلکہ اس میں ارکان علم
متزلزل ہوگئے۔ اور اب مصر نے یہ مبارک

فاذا قارنت رجال اواخر القرن
العاشر برجال القرون الثلاثة
التي سبقته علمت مبلغ ما اصيبت
به مصر من الانحطاط العظيم
في العلم حين ذاك ثم توزعت
الاقطار النشاط العلمي. وكان
حظ اقليم الهند من هذا الميراث
منذ منتصف القرن العاشر
هو النشاط في علوم الحديث
فاقبل علماء الهند عليها اقبالاً
كليا بعد ان كانوا منصرفين
الى الفقه المجرد والعلوم
النظرية. ولو استعرضنا
ما لعلماء الهند من الهمة العظيمة
في علوم الحديث من ذالك
الحين - منذ ركود سائر
الاقطار - لوقع ذلك موقع
الاعجاب الكلي والشكر العميق
وكم لعلمائهم من شروح ممتعة
وتعليقات نافعة على الاصول
الستة وغيرها وكم لهم من
مؤلفات واسعة في احاديث
الاحكام وكم لهم من
ايادٍ بيضاء في نقد الرجال و
وعلل الحديث وشرح الاثار

خدمت دوسرے ممالک کے سپرد کردی ہے
جیسا کہ یہی سنت اللہ ہے کہ ایک کے بعد
دوسرا انعام الٰہیہ کا وارث ہوتا ہے۔ آپ
اگر دسویں ہجری کے علماء مصر کا موازنہ ساتویں
آٹھویں نویں صدی کے علماء کے ساتھ کریں
تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ اس صدی میں مصر کس
مصیبتِ عظیمہ کا شکار ہوگیا۔ جب یہ خدمت
علمی دوسرے اطراف و ممالک میں تقسیم
ہوئی تو ہندوستان کو اس میراث میں سب
سے بڑا حصہ حاصل ہوا۔ علماء ہند اب کلی طور
پر خدمتِ حدیث میں مصروف ہوگئے حالانکہ
اس سے پہلے اُن کی تمام تر توجہ محض فقہ اور
علوم معقولات کی طرف تھی اگر ہم اس ہمت
عالیہ اور خدمتِ عظیمہ کا اچھی طرح مطالعہ
کریں جو اس وقت علماء ہند کو حاصل ہے
تو ایک عجیب عالمِ حیرت نظر آنے لگے۔
اُصول حدیث صحاح ستہ وغیرہ پر اُن
پر اُن کے کس قدر حواشی و شروح نافعہ ہیں۔
اور احادیث احکام میں اُن کی کس قدر تالیفات
مفیدہ ہیں۔ اور نقد رجال اور علل حدیث کے
فنون میں اُن کی کس قدر روشن خدمات ہیں
اسی طرح مختلف علوم و فنون میں اُن کی تصانیف
مفیدہ کا احاطہ نہیں ہوسکتا۔ ہم حق تعالیٰ
سے دعا کرتے ہیں کہ اُن کی یہ نشاطِ علمی اور
مذہب اہل حق کی صحیح خدمت ہمیشہ قائم رہے۔

وتاليف مؤلفات في شتى الموضات والله سبحانه هو المسئول ان يديم نشاطهم في خدمة مذاهب اهل الحق ويوفقهم لامثال امثال ما وفقوا له الى الآن - وان يبعث هذا النشاط في سائر الاقاليم من جديد - ومن احسن الكتب للاقدمين في احاديث الاحكام سوى الصحاح والسنن والمسانيد مصنف ابن شيبة وكتب الطحاوي ولاسيما معاني الآثار وكتب ابن المنذر ولاسيما الاشراف وشروح الجصاص لمختصر الطحاوي ومختصر الكرخي والجامع الكبير وكتب ابن عبد البر كالتمهيد والاستذكار وكتب الاحكام لعبد الحق والوهم والايهام لابي الحسن بن القطان وكتب البيهقي والنووي وكتب ابن دقيق العيد من الامام والالمام وشرح العمدة واللباب في الجمع بين السنة والكتاب لابي محمد المنبجي والاهتمام بتلخيص الالمام لقطب الدين الحلبي

اور اُن کو ایسی ہی تصانیف کثیرہ کی مزید توفیق عطا ہو۔ اور یہ کہ حق تعالیٰ ابھر از سر نو تمام ممالک اسلامیہ میں یہی روح پھونک دے - اور احادیث احکام کے باب میں متقدمین کی سب سے بہتر کتاب مصنف ابن ابی شیبہ اور امام طحاوی کی تصانیف بالخصوص معانی الآثار اور ابن منذر کی تصانیف بالخصوص اشراف اور امام جصاص کی شروح مختصر طحاوی اور مختصر کرخی اور جامع کبیر پر۔ اور ابن عبد البر کی تصانیف مثل تمہید و استذکار۔ اور کتب احکام علامہ عبد الحق کی اور کتاب الوہم والایہام امام ابوالحسن ابن القطان کی اور امام بیہقی و نووی کی تصانیف اور علامہ ابن دقیق العید کی تصانیف مثل الامام والالمام و شرح عمدہ و غیرہ اللباب فی الجمع بین السنۃ والکتاب مصنفہ علامہ ابو محمد منبجی کی۔ اور الاہتمام بتلخیص الالمام قطب الدین حلبی کی جس میں اُن اغلاط کی اصلاح بھی کر دی گئی ہے جو علامہ ابن دقیق العید سے الالمام میں دربارہ نسبت واقع ہوئی ہیں۔ یعنی حدیث کی تخریج جس نے کی ہے اُس کے علاوہ کسی اور شخص کی طرف منسوب کر دیا ہے۔ اسی طرح التحقیق لابن الجوزی اور المنتقی لابن تیمیہ اور التنقیح لابن الہادی۔ اور تمام کتب تاریخ اور ان سب میں زیادہ نافع اور مادہ حدیث کو حاوی نصب الرایہ حافظ جمال الدین زیلعی

وقد صلح ما غلط فيه ابن
دقيق العيد من عز والحديث
في الالمام الى غير من خرجه
وتحقيق ابن الجوزي ومنتقى
المجد بن تيميه وتنقيح ابن الهادي
عبد الهادي وكتب التخاريج
كلها ومن انفعها واوسعها
(نصب الرايه) للجمال الزيلعي
والمعتصر للجمال الملطي وكتب
ابن حجر وخصوصاً فتح الباري
والتلخيص الحبير وكتب البدر
العيني ولاسيما عمدة القاري
وشرح معاني الآثار وشرح
الهداية وكتب العلامة
قاسم وخاصة تخريج احاديث
الاختيار الى غير ذلك مما
لايحصى من الكتب المؤلفة
الى اوائل القرن العاشر۔

ثم ياتي دور اخواننا الهنود
من اهل السنة فمآثرهم
في السنة في القرون الاخيرة
فوق كل تقدير۔ وشروحهم
في الاصول الستة تزخر بالتوسع
في احاديث الاحكام فدونك
فتح الملهم في شرح صحيح مسلم

کی اور کتاب المعتصر جمال الدین ملطی کی اور
حافظ ابن حجر کی تصانیف خصوصاً فتح الباری
اور تلخیص الحبیر اور علامہ بدر الدین العینی کی
تصانیف بالخصوص عمدۃ القاری اور شرح معانی
الآثار اور شرح ہدایہ۔ اور علامہ قاسم کی کتابیں
خاصکر تخریج احادیث اختیار۔ اور ان کے
علاوہ وہ بے شمار کتابیں جو دسویں صدی
ہجری کے اوائل میں تصنیف ہوئی۔

اس کے بعد ہمارے بھائی اہل ہند کا
دور شروع ہوتا ہے۔ خدمت سنت و علوم
سنت کے باب میں آخری تین صدیوں میں
ان کے آثار باقیہ اور تصانیف مقبول حد شمار و
انداز سے باہر ہیں۔ اصول ستہ (کتب صحاح
حدیث) پر ان کی شروح و حواشی ان کے وسعت
علم فی احادیث الاحکام کی خبر دے رہی ہیں۔
فتح الملہم فی شرح مسلم اور
بذل المجہود فی شرح سنن ابی داؤد اور
العرف الشذی فی سنن الترمذی کو دیکھیے جن میں مسائل
خلاف کا بیان شافی موجود ہے۔

اور بعض علماء ہند کی مستقل تصانیف
احادیث احکام کے متعلق نہایت عجیب و بدیع
طرز پر ہیں جن میں احادیث احکام کا استیعاب
کیا گیا ہے اور تمام کتب حدیث کے مصادر سے
انتخاب کر کے ایک جگہ مبوب کر کے جمع کر دیا گیا
ہے۔ اور ہر حدیث پر جرحاً و تعدیلاً اور تقویۃً و

وبذل المجهود في شرح سنن
ابي داؤد - والعرف الشذي في
سنن الترمذي الى غير ذلك
مما لايخفى نفعها البيان الشافي
في مسائل الخلاف ولبعض علمائهم
ايضاً مؤلفات خاصة في احاديث
الاحكام على طراز بديع
مبتكر وهو استقصاء احاديث
الاحكام من مصادرها وحشدها
في صعيد واحد في الابواب
والكلام على كل حديث منها
جرحاً وتعديلا وتقوية
وتوهيناً وها هو العلامة
المحدث مولانا ظهير حسن
النيموي رحمه الله قد الفا
كتابه "اثار السنن" في
جزئين لطيفين وجمع فيهما
الاحاديث المتعلقة بالطهارة
والصلاة على اختلاف مذهب
الفقهاء وتكلم على كل حديث
منها جرحاً وتعديلا على طريقة
المحدثين واجاد فيما عمل
كل الاجادة وكان يريد ان
يجري على طريقة هذه اخر
ابواب الفقه لكن المنية

تضعیفاً کلام کیا ہے۔
علامہ محدث مولانا ظہیر احسن (شوق) نیموی
رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف اور بالخصوص آثار
السنن پر نظر ڈالئے جو دو لطیف جلدوں میں لکھی
گئی ہے جس میں کتاب الطہارۃ وکتاب الصلوٰۃ
کی احادیث جمع کی گئی ہیں اور مذاہب فقہا کا
اختلاف اور ان کے دلائل اور ہر حدیث پر جرحاً
وتعدیلاً محدثانہ بہترین کلام کیا گیا ہے۔ اور موصوف
کا مقصد تھا کہ اسی طرز پر تمام ابواب فقہیہ کی
احادیث جمع فرمائیں۔ مگر موت اس تمنا کے درمیان
حائل ہوگئی۔ یہ کتاب ہندوستان میں پریس
پر چھپ چکی ہے مگر قدردان اہل علم میں اس کے
نسخے ہاتھوں ہاتھ نکل گئے۔ اور اب اس کے نسخہ
کا ملنا بھی طبع ثانی سے پہلے دشوار ہے۔
اسی طرح علامہ یکتا اور عالم بے نظیر شیخ مشائخ
الہند محدث اعظم قدوہ علما صاحب نقد وبصیرت
حکیم الامت محمد اشرف علی تھانوی صاحب تصانیف
کثیرہ جن کا چھوٹی بڑی تصانیف کا عدد پانسو تک
پہنچا ہے حق تعالےٰ آپ کی حیات کو دراز فرمائے
آپ نے بھی خدمت حدیث کا خاص اہتمام فرمایا
اور کتاب احیاء السنن اور آثار السنن اس باب
میں تصنیف فرمائی جن کے بہترین کتاب ہونے
کے لئے صرف حضرت مصنف کا نام نامی دینا
کافی ہے۔ یہ دونوں کتابیں بھی ہندوستان میں
طبع ہوئی۔ مگر اب اس کے ایک نسخہ کا ملنا بھی سخت

حالت دون امنية رحمة الله و
هذا الكتاب مطبوع بالهند
طبعاً حجرياً الا ان اهل العلم
تخاطفوه بعد طبعه فمن
الصعب الظفر بنسخة منه الا اذا
اعيد طبعه

وكذلك عني بهذا الامر العلامة
الاوحد والحبر المفرد شيخ المشائخ في
البلاد الهندية المحدث الكبير والجهبذ
الناقد البصير مولانا حكيم الامة محمد
اشرف علي التهانوي صاحب المؤلفات
الكثيرة البالغ عددها نحو خمسمائة
مؤلف ما بين كبير وصغير فالف
طال بقاؤه كتاب (احياء السنن)
وكتابه جامع الآثار في هذا الباب
ويغني عن وصفهما ذكر اسم مؤلفهما
العظيم وكلاهما مطبوع بالهند
الا ان الظفر بهما اصبح بمكان من
الصعوبة حيث نفدت نسخهما
المطبوعة لكثرة الراغبين في
اقتناء مؤلفات هذا العالم الرباني
وهو الآن قد ناهز التسعين اطال
الله بقاءه وهو بركة البلاد الهندية
وله منزلة سامية عند علماء الهند
حتى لقبوه حكيم الامة وهذا العالم

دشوار ہے۔ کیونکہ اس عالم ربانی کی تصانیف
عام طور پر مقبول ہیں شائقین کی کثرت کی
وجہ سے سب نسخے مطبوعہ ختم ہوگئے۔ علا
موصوف کی عمر اس وقت تقریباً نوے سال
ہے حق تعالیٰ آپ کی عمر کو بالعافیت دراز
فرمائے۔ آمین۔ کیونکہ آپ کا وجود تمام دیار
ہندیہ کے لئے برکت عظیمہ ہے اور علماء ہند
میں آپ کی ایک خاص شان ہے۔ اور اسی وجہ
سے آپ کا لقب خواص وعوام کی زبانوں پر
حکیم الامت مشہور ہے۔ اور حضرت ممدوح
نے اپنے شاگرد اور بھانجے کو جنھوں نے
علوم حدیث آپ ہی سے حاصل کئے۔ ایک
محدث ناقد اور فقیہ بارع ہیں یعنی مولانا ظفر
صاحب تھانوی زادت مآثر کو ارشاد فرمایا
کہ مذہب حنفیہ کے دلائل کی تکمیل تمام ابواب
فقیہ میں اس طرح کریں کہ جس قدر کتب
حدیث اس وقت میسر آئیں۔ سب سے
حنفیہ کے مستدلات کو ابواب فقیہ کی ترتیب
پر جمع فرمادیں اور ہر حدیث پر جن حدیث کے
اصول کے موافق جرح۔ تعدیل سے کلام
کریں۔ چنانچہ یہ عالم اس عظیم الشان مہم کی خدمت
میں تقریباً بیس سال اس طرح مشغول رہے
اس سے زائد اشتغال آج کل ممکن نہیں۔ یہاں
تک کہ اس مہم کو انتہائی خوبیوں کے ساتھ
پایۂ تکمیل تک پہونچا دیا جو آثار السنن کے

الجلیل قد اشار الی تلمیذہ وابن اختہ
المخرج فی علوم الحدیث لدی المحدث
الناقد والفقیہ البارع مولانا
ظفر احمد التھانوی زادت مآثرہ
ان یستوفی ادلۃ ابواب الفقہ
بجمع احادیث الاحکام فی الاداب
من مصادر صعبۃ المنازل مع
الکلام علی کل حدیث فی ذیل کل
صفحۃ بما تقتضی بہ صناعۃ الحدیث
من تقویۃ وتوھین واخذ ورد علی
اختلاف المذاھب فاشتغل ھذا العالم
الغیور بھذہ المھمۃ الشاقۃ نحو عشر من
سنۃ اشتغالا لا مزید علیہ حتی
اتم مھمتہ بغایۃ من الاجادۃ
بتوفیق اللہ سبحانہ فی عشرین جزءا لطیفا
بقطع (آثار السنن) وسمی کتابہ ھذا
(اعلاء السنن) وجعل لہ فی جزء خاص
مقدمۃ بدیعۃ فی اصول الحدیث
نافعۃ للغایۃ فی بابہ - والحق یقال انی دھشت
من ھذا الجمع وھذا الاستقصاء ومن
ھذا الاستیفاء البالغ فی الکلام علی کل
حدیث بما تقتضی بہ الصناعۃ متنا وسندا
من غیر ان یبدو علیہ آثار التکلف فی
تائید مذھب بل الانصاف رائدہ عند الکلام
علی آراء اھل المذاھب فاغتبطت بہ غایۃ

تقطیع پر بیس جلدوں میں آئی ہے - اور اس
کتاب کا نام اعلاء السنن رکھا - اور ایک مستقل
جلد میں اس کتاب کا مقدمہ لکھا ہے - جو
اُصول حدیث کی ایک عجیب نادر کتاب
ہے اور سچی بات یہ ہے کہ میں اُن کے اس جمع
اور استیعاب سے نیز ہر حدیث پر متناً و سنداً
محدثانہ کلام سے جو فن حدیث کا مقتضیٰ تھا
حیرت میں پڑ گیا - کیونکہ اس میں جو کلام کیا
گیا ہے کسی جگہ اس میں تکلف کر کے اپنے
مذہب کی تائید نہیں کی گئی بلکہ ہر جگہ محض انصاف
کو امام بنایا گیا ہے - مجھے اس خاص طرز
تصنیف سے انتہائی غبطہ پیدا ہوا - اور
مردوں کی ہمت اور بہادروں کی جفاکشی ایسی
ہی ہونا چاہیئے -

حق تعالے خیر و عافیت کے ساتھ اُن کی
عمر دراز فرمائے اور اسی جیسی اور تالیفات نافعہ
کی مزید توفیق عطا فرمائے اور مؤلف علامہ
نے اس کتاب کی دس جلدیں چھپوا کر شائع
فرما دی ہیں جن میں سے جلد اول کے نسخے
ختم ہو گئے - اور باقی جلدوں کی طباعت
نہایت سُست رفتار کے ساتھ جاری ہے
کاش کہ بڑے مطابع والے حضرات میں سے
کوئی صاحب اس کی کوشش کر لیتے کہ مؤلف
سلمہ سے اس کتاب کا ایک نسخہ منگا کر عمدہ
مصری ٹائپ پر چھپوا دیتے - اور اگر

الاغتباط وهكذا تكون همة الرجال
وصبر الابطال اطال الله بقائه في خير
وعافية ووفقه لتاليف امثاله من المؤلفات
النافعة وقد طبع المؤلف حفظه الله
نحو عشرة اجزاء من ذلك الكتاب
طبعا حجريا وقد نفدت نسخ الاجزاء
الاول - واما طبع الباقي فيجري ببطء
بالغ فياليت بعض اصحاب المطابع الكبيرة
بمصر سعى في جلب الكتاب المذكور
من مؤلفه وطبع تمام الكتاب من اوله
الى اخره بالحروف الجميلة المصرية
ولو فعل ذلك احدهم لخدم العلم
خدمة مشكورة وملأ فراغا في هذا الباب
ومن مشاهير علماء الهند ايضا ممن
يعنون باحاديث الاحكام علامة المحدث
الشيخ مهدي حسن الشاهجهانفوري المفتي
حفظه الله فانه شرح كتاب الآثار
الامام محمد بن الحسن الشيباني في مجلدين
ضخمين كثر الله سبحانه من امثال
هؤلاء الرجال - وهذه نبذة يسيرة
من مآثر هؤلاء الاخوان - وفي ذلك
فليتنافس المتنافسون

محمد زاهد الكوثري (مصری)

کوئی صاحب ایسا کریں گے تو علم حدیث
کی ایک مقبول خدمت کریں گے۔ اور اس
خدمت کی ایک خالی جگہ کو پُر کردیں گے۔
نیز مشاہیر علماء ہند میں سے جو کہ
احادیث احکام کی خدمت میں مشغول ہیں
علامہ محدث شیخ مفتی مہدی حسن شاہجہانپوری
بھی ہیں۔ خدا تعالے آپ کو محفوظ رکھے کہ
انہوں نے اما. محمد رح کی کتاب الآثار
کی شرح فرمائی ہے۔ حق تعالے آپ جیسے
آدمی ہماری قوم میں اور زیادہ پیدا فرمائے۔
یہ ایک مختصر یادداشت ہے علماء ہند
کے مخصوص آثار و خدمات علوم کی۔ اور
رغبت کرنے والوں کو ایسی ہی چیزوں میں
رغبت کرنا چاہیئے۔

قلّت و کثرت کی جنگ عظیم

غزوۂ موتہ میں حضرت عبداللہ بن رواحہ کا خطبہ

ملک شام مضافات شہر بلقا میں بیت المقدس سے تقریباً دو منزل کے فاصلہ پر ایک مقام موتہ کے نام سے موسوم ہے اہلِ روم اور مسلمانوں کی سب سے پہلی جنگ عہد نبوت میں اس جگہ واقع ہوئی ہے۔ اس میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے صرف تین ہزار مسلمانوں کا لشکر زیر قیادت حضرت زید بن حارثہ رضؓ روانہ فرمایا تھا۔ یہ خدائی لشکر جب ارض معاون پر پہنچا تو معلوم ہوا کہ ہرقل بادشاہ روم ایک لاکھ مسلح فوج لے کر میدان میں اُترا ہوا ہے۔ اور اُس پر مزید یہ ہوا کہ قبائل لخم وجذام وغیرہ کی مجموعی طاقتیں اپنی ایک لاکھ جمعیت کے ساتھ اُس کی کمک کے لئے پہنچ گئی۔ اب گویا تین ہزار بے سامان مسلمانوں کا مقابلہ۔ دو لاکھ مسلح فوج کے ساتھ پڑ گیا۔ اس وقت مسلمان اس فکر میں پڑے کہ کیا کرنا چاہیئے۔ بعض کی رائے ہوئی کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں قاصد بھیج کر اطلاع دیں کہ یا تو ہمارے لئے ایک اور کمک بھیجی جاوے یا جیسا ارشاد ہو اُس پر عمل کیا جاوے۔ حضرت عبداللہ ابن رواحہ رضی اللہ عنہ بھی شریکِ لشکر تھے مسلمانوں کی سراسیمگی دیکھ کر کھڑے ہوگئے۔ اور ذیل کا مختصر خطبہ دیا۔ جس میں واضح کر دیا ہے کہ اسلامی جہاد اور ملکی لڑائیوں میں آسمان زمین کا فرق ہے۔ مسلمان کبھی کثرت اور سامان کا بھروسہ نہیں کرتے۔ ہم اس خطبہ کے اصل عربی الفاظ مع ترجمہ نقل کرتے ہیں۔

یا قوم واللہ ان الذین تکرھون للتی خرجتم لما تطلبون الشھادۃ وما نقاتل الناس بعدد ولا قوۃ ولا کثرۃ وما نقاتلھم الا بھذا الدین الذی اکرمنا اللہ تعالیٰ بہ فانطلقوا

اے میری قوم۔ واللہ تم جس چیز کو اسوقت ناگوار سمجھ رہے ہو وہی تو وہ چیز ہے جس کی طلب میں تم گھر سے نکلے تھے یعنی شہادت اور ہم تو کسی وقت بھی ساز و سامان یا قوت یا کثرت کے بھروسہ دُنیا سے نہیں لڑتے بلکہ محض اس دین کے بھروسہ لڑتے ہیں جس کے ذریعہ ہمیں

وانما هی احدی الحسنیین اما ظهور دا ما شهادۃ (عیون الاثر لابن سید الناس ص۱۵۱ ج ۲)
اللہ تعالیٰ نے عزت دی ہے (پیارے بھائیو) آگے بڑھو دو بھلائیوں میں سے ایک نہ ایک ضرور ہے یا فتح اور یا شہادت۔

اس خطبہ نے مسلمانوں میں ایک نئی رُوح پھونک دی اور بھولا ہوا سبق یاد دلا دیا۔ اور یہ تین ہزار کا دستہ دو لاکھ رومی فوج پر ٹوٹ پڑا۔ اور انجام وہ ہوا جو دنیا نے دیکھ لیا۔ آج ہمارے روشن خیال حضرات کو یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ دین و دیانت اور اتباع شریعت کو جنگ و جہاد اور سیاست و سیاسیات میں کیا دخل ہے۔ لیکن جو حضرات اسلام میں سب سے پہلے اس میدان میں اُترے۔ اور جو اسلامی سیاست کے سب سے معلّم اوّل تھے۔ اور جنھوں نے مہینوں اور ہفتوں میں دُنیا کا جغرافیہ بدل ڈالا اس حقیقت سے اپنے تجربہ کی بنا پر واقف تھے۔ اور اُسی کی تبلیغ فرماتے تھے۔

کاش آج بھی مسلمان پیدا ہوں اور انگریزوں اور ہندوؤں کی بیہودہ سیاست کا ہار گلے سے اُتار کر خالص اسلامی سیاست پر نظر ڈالیں۔ اور اُن ماہرین سیاست کے نقشِ قدم پر چلیں جن کی کامیاب سیاست کا لوہا آج بھی مشرق و مغرب، یورپ و ایشیا میں مانا ہوا ہے۔ واللہ الموفق۔

حضرت فضالہ رضی اللہ عنہ کا اسلام

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ

ایک دن میں اخلاقی کایا پلٹ

فتح مکہ کے بعد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم طواف میں مشغول تھے۔ فضالہ ابن عمیر ملوح اس قصد سے طواف میں داخل ہوئے کہ اچانک فخر دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم

پر حملہ کرکے آپ کو شہید کردیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اُن کے دلی خیال کا انکشاف ہوگیا۔ جب طواف کرتے ہوئے فضالہ آپکے قریب آئے آپ نے فرمایاکہ تمہارا نام فضالہ ہے۔ عرض کیا بے شک یارسول اللہ میرا ہی نام فضالہ ہے۔ آپ نے فرمایاکہ تم دل میں کیا سوچ رہے ہو۔ فضالہ نے بات ٹالنے کے لئے کہا "کچھ نہیں" میں تو ذکر اللہ میں مشغول تھا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے کریمانہ اخلاق سے ان کے دلی راز کا افشانہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایاکہ خدا تعالےٰ سے استغفار کرو اور اس کے ساتھ ہی اپنا دست مبارک فضالہ کے سینے پر رکھ دیا۔ فضالہ کہتے ہیں کہ واللہ آپ نے جس وقت اپنا دستِ میرے سینے سے اُٹھایا تو دنیا کی کوئی چیز میرے قلب میں آپ سے زیادہ محبوب نہ تھی۔

فوراً مشرف باسلام ہوگئے۔ اور وہی فضالہ جو قتلِ رسول کے مجرم بننے کے لئے حرم میں داخل ہوئے تھے اسیرِ حب رسول ہوکر واپس ہوتے ہیں۔ اور صرف اسی ایک زیارت کا وہ گہرا رنگ لے کر جاتے ہیں کہ جاہلیت وکفر کے تمام اخلاق وعادات ایکدم چھوٹ جاتے ہیں۔ اپنے مکان واپس آئے تو یہاں ایک عورت سے ان کی شناسائی وتعلق تھا جس کے پاس جایا کرتے تھے وہ مل گئی اُس نے کچھ باتیں کرنا چاہا فضالہ اس وقت (صبغۃ اللہ) کے گہرے رنگ میں رنگے جاچکے تھے اور قدیم، پُرانی محبت، تقاضائے نفسانی سب ایک ہی عربی کے قدموں پر نثار آئے تھے فوراً اُس کے جواب میں اشعار پڑھے ؎

قَالَتْ هَلُمَّ اِلَى الْحَدِيْثِ فَقُلْتُ لَا ‌ ‌ ‌ ‌ يَابٰى عَلَيْكِ اللّٰهُ وَالْاِسْلَامُ

محبوبہ نے کہاکہ آؤ بات چیت۔ میں نے کہا ہرگز نہیں۔ اللہ تعالےٰ اور اسلام اس سے منع کرتا ہے۔

لَوْ مَا رَأَيْتِ مُحَمَّدًا وَقَبِيْلَهٗ ‌ ‌ ‌ ‌ بِالْفَتْحِ يَوْمَ تُكَسَّرُ الْاَصْنَامُ

عیون الاثر لابن سید الناس ج ۲

اگر تم فتح مکہ کے دن محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے قبیلہ کو دیکھتیں جبکہ بُت توڑے جارہے تھے

لَرَأَيْتِ دِيْنَ اللّٰهِ اَضْحٰى بَيِّنًا ‌ ‌ ‌ ‌ وَالشِّرْكُ يَغْشٰى وَجْهَهُ الْاِظْلَامُ

تو کھلی آنکھوں دیکھ لیتی کہ اللہ کا دین واضح ہوگیا اور شرک وکفر کے چہرے پر تاریکی چھا گئی

اللہ اللہ کیا نظر فیض اثر تھی کہ جو کام عمر بھر کی ریاضت ومجاہدہ سے حاصل نہیں ہوسکتا وہ ایک نظر میں ہوگیا ؎

دل میں سما گئی ہیں قیامت کی شوخیاں ‌ ‌ ‌ ‌ دو چار دن رہے تھے کسی کی نگاہ میں

دربارِ نبوت کی حاضری کا ایک عجیب واقعہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا

معجزہ بعد الوفات

یہ واقعہ جو نقل کیا جاتا ہے کوئی خواب یا افسانہ نہیں۔ صحیح اور سچّا واقعہ ہے جو محدثانہ اسناد صحیح کے ساتھ نقل کیا گیا ہے۔ نویں صدی ہجری کے مشہور و معروف علامہ عبدالعزیز مکّی اپنے رسالہ (فیض المجد علی حدیث شیبتنی ہود) میں عارف باللہ سیدی عبداللہ ابن اسعد یافعی کی کتاب نشر المحاسن کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں اور حضرت یافعی فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ مجھے صحیح اسناد کے ساتھ پہونچا ہے۔ اور اُس زمانہ میں بہت زیادہ مشہور ہوا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ عارف باللہ شیخ ابن الزغب یمنی رحمۃ اللہ علیہ کی عادت تھی کہ ہمیشہ اپنے وطن سے سفر کرکے اوّل حج ادا کرتے اور پھر زیارت روضۂ اقدس کے لئے حاضر ہوتے تھے۔ حاضری دربار کے وقت والہانہ اشعار قصیدہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صاحبین حضرت صدیق اکبر اور فاروق اعظم کی شان میں لکھ کر روضۂ اقدس کے سامنے پڑھا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ حسب عادت وہ قصیدہ پڑھ کر فارغ ہوئے تو ایک رافضی خدمت میں حاضر ہوا اور درخواست کی کہ آج میری دعوت قبول کیجئے۔ حضرت شیخ نے ازروئے تواضع اور اتباع سُنت دعوت قبول فرمائی۔ آپ کو اس کا حال معلوم نہ تھا کہ یہ رافضی ہے اور صدیق اکبرؓ و فاروق اعظمؓ کی مدح کرنے سے ناراض ہے آپ حسب وعدہ اس کے مکان پر تشریف لے گئے مکان میں داخل ہوتے ہی اُس نے اپنے دو حبشی غلاموں کو اشارہ کیا جن کو پہلے سمجھا رکھا تھا۔ وہ دونوں اس ولی اللہ کو لپٹ گئے۔ اور

آپ کی زبان مبارک کاٹ ڈالی۔ اس کے بعد اس کمبخت رافضی نے کہا کہ جاؤ یہ زبان ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے پاس لیجاؤ جن کی تم مدح کیا کرتے ہو وہ اس کو جوڑ دیں گے۔

شیخ موصوف کٹی ہوئی زبان ہاتھ میں لئے ہوئے روضہ اقدس کی طرف دوڑے اور وجہ مبارک کے سامنے کھڑے ہو کر اپنا واقعہ ذکر کیا اور روئے جب رات ہوئی تو خواب میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے اور آپ کی ساتھ آپ کے صاحبین حضرت صدیق اکبر و فاروق اعظم رضی بھی اس واقعہ کی وجہ سے غمگین صورت میں تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شیخ کے ہاتھ میں سے یہ کٹی ہوئی زبان اپنے دست مبارک میں لی اور شیخ کو قریب کر کے زبان ان کے منہ میں اپنی جگہ پر رکھدی۔

یہ خواب دیکھ کر شیخ بیدار ہوئے تو دیکھتے ہیں کہ زبان بالکل صحیح وسالم اپنی جگہ پر لگی ہوئی ہے دربار نبوت کا یہ کھلا ہوا معجزہ دیکھ کر اپنے وطن واپس آ گئے۔

سال آئندہ پھر حج کے بعد مدینہ طیبہ حاضر ہوئے اور حسب عادت قصیدہ مدحیہ روضۂ اقدس کے سامنے پڑھ کر فارغ ہوئے تو پھر ایک شخص نے دعوت کے لئے درخواست کی شیخ نے پھر توکلاً علی اللہ قبول فرمائی اور اُس کے ساتھ تشریف لے گئے مکان میں داخل ہوئے تو وہی پہلے دیکھا ہوا مکان معلوم ہوا۔ خداوند تعالیٰ کے بھروسہ پر داخل ہوئے۔ اس شخص نے نہایت اعزاز و اکرام کے ساتھ بٹھایا اور تکلف کے کھانے کھلائے کھانے کے بعد شخص شیخ کو ایک کوٹھری میں لے گیا۔ وہاں دیکھا کہ ایک بندر بیٹھا ہوا ہے اس شخص نے شیخ سے کہا کہ آپ جانتے ہیں یہ بندر کون ہے۔ فرمایا نہیں۔ اس شخص نے عرض کیا کہ یہ وہی شخص ہے جس نے آپ کی زبان قطع کی تھی حق تعالیٰ نے اس کو بندر کی صورت میں مسخ کر دیا ہے۔ یہ میرا باپ ہے اور میں اس کا بیٹا ہوں۔

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات باہرہ کے سامنے یہ کوئی بڑی چیز نہیں لیکن اس سے یہ امر اور ثابت ہوا کہ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح روضۂ اقدس میں زندہ تشریف فرما ہیں اسی طرح آپ کے معجزات کا سلسلہ بھی جاری ہے اس قسم کے واقعات ایک دو نہیں سینکڑوں کی تعداد میں امت کے ہر طبقہ کو پیش آتے رہے ہیں۔

ایک اور واقعہ عجیبہ ابو عبداللہ الجلاء رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ ایک سال میں بہت مفلس فاقہ زدہ تھا۔ اتفاقاً مدینہ طیبہ کی حاضری

نصیب ہوئی میں روضۂ اقدس کے سامنے حاضر ہوا۔ سلام کے بعد میں نے عرض کیا کہ میں فاقہ رسیدہ ہوں اور آج آپ کا مہمان ہوں۔ یہاں سے فارغ ہو کر آیا تو رات کو سو گیا خواب میں جمال مبارک کی زیارت سے مشرف ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے مجھے روٹی عطا فرمائی میں نے خواب میں ہی کھانا شروع کر دیا۔ کچھ حصہ کھایا تھا کہ آنکھ کھل گئی دیکھتا ہوں کہ بچی ہوئی روٹی میرے ہاتھ میں ہے۔ (فیض الجود مذکور صـ۲۹)

دنیا میں اسلام کیوں کر پھیل رہا ہے؟

بعد الحمد والصلوٰۃ ناواقف یا معاند مخالفینِ اسلام یوروپین اور ہندو مؤرخین سیدھے سادے عوام کو بہکایا کرتے تھے کہ اسلام جو دنیا میں اتنا پھیلا اس کی وجہ اسلام کی کوئی خوبی نہیں بلکہ مسلمانوں کا جبر و اکراہ ہے تلوار کے زور سے لوگوں کو مسلمان بنایا گیا ہے۔ یہ ایک ایسا بیہودہ بے سر و پا راگ ہے جو دریدہ دہن مخالفین الاپتے چلے آتے ہیں۔ اگرچہ خود انھیں میں سے بہت سے سنجیدہ طبیعت اہل علم نے اس کی خود ہی کافی تردید بھی کر دی ہے لیکن اس مسئلہ کو پوری طرح تاریخی روشنی میں واضح کرنے کے لئے علامۂ زمان فخر الہند حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانی مرحوم سابق مہتمم دار العلوم دیوبند کا ایک طویل الذیل مضمون القاسم دیوبند کے قدیم دَور میں شائع ہوا تھا جو مقبولِ خلائق ہونے کی وجہ سے پھر مستقل بھی بنام اشاعتِ اسلام شائع ہو لیا ہے۔

اس مسئلہ کا دوسرا رُخ یہ تھا کہ اسلام نے تو اپنے قبول کرنے کے لئے کبھی جبر و تشدد سے کام نہیں لیا۔ مگر متعصب و ہوا پرست غیر مسلموں نے ہمیشہ اسلام کے خلاف جبر و تشدد ہی کا حربہ استعمال کیا ہے۔ غیر مسلموں کو اسلام میں داخل ہونے سے روکنے اور مسلموں کو اسلام چھوڑنے کے لئے کیا کیا وحشت ناک اور شرمناک ذرائع اختیار کئے ہیں وہ اب بھی تاریخ کے صفحات پر موجود ہیں۔ مسئلہ کے اس دوسرے رُخ کو واضح کرنے کے لئے میرے اُستادِ محترم شیخ الادب والفقہ حضرت مولانا اعزاز علی صاحب دامت برکاتہم مدرس دار العلوم دیوبند کا ایک شاندار مضمون رسالہ الفرقان بریلی میں آج کل شائع ہو رہا ہے وہ ہر مسلمان کے دیکھنے کے قابل ہے، لیکن یہ دونوں رُخ قدیم اسلامی تاریخ کے ہیں۔ احقر کا قصد عنوان مذکور کے ماتحت یہ ہے کہ اس مسئلہ

کو قصہ زمین برسرزمین کر کے پیش کرے۔ اور یہ دکھلائے کہ آج جبکہ اسلام اور مسلمان ہر قسم کی ظاہری طاقت وشوکت سے خالی، چارطرف اغیار کے پنجوں میں مقہور و مغلوب ہیں اب وہ کون سی تلوار ہے جو غیر مسلموں پر چل رہی ہے اور جوق جوق انھیں اسلام میں داخل کررہی ہے۔ اسی کے ساتھ مسئلہ کا دوسرا رخ بھی موجودہ تاریخ سے پیش کرنا ہے کہ غیر مسلم کس کس طرح اسلام کے خلاف جبر و تشدد کے ناپاک آلات استعمال کررہے ہیں!

ایک ضروری درخواست

مجھے چونکہ اس سلسلہ میں وہ واقعات جمع کرنا ہیں جو آئے دن اخبارات و جرائد میں نومسلموں کے قبول اسلام کے متعلق شائع ہوتے رہتے ہیں یا اُن کے خلاف غیر مسلموں کے تشدد سے متعلق ہیں اخبار بینی کی احقر کو نہ فرصت ہے، نہ عادت اس لئے ناظرین المفتی سے خصوصاً اور عام اخبار بیں طبقہ سے عموماً گذارش ہے کہ اگر وہ اس کام میں احقر کی امداد فرمائیں کہ جس اخبار یا رسالہ میں کوئی ایسا مضمون شائع ہو یا اُس کا وہ ورق احقر کو بھیج دیں یا کم از کم حوالہ دے کر مجھے مطلع فرمادیں تو عین کرم ہو۔ اور حالات حاضر اور واقعات موجودہ سے غیر مسلم دیکھ لیں کہ اسلام کس حقانیت کے جذبات کی بناء پر عالمگیر ہوتا جارہا ہے۔

میں اس سلسلہ کو بنام خدا تعالیٰ شروع کرتا ہوں اور اُس کی پہلی کڑی ڈاکٹر خالد شیلڈرک نومسلم کی تقریر کو بناتا ہوں۔ واللہ المستعان بکل حال و مکان

ناکارۂ خلائق

شفیع عفا اللہ عنہ

خادم دارالعلوم دیوبند

میں نے اسلام کیوں قبول کیا؟

قاہرہ میں ڈاکٹر خالد شیلڈرک کا خطبہ

(انگریزی سے ترجمہ ماخوذ از رسالہ برہان دہلی)

مشہور نومسلم انگریز علامہ ڈاکٹر خالد شیلڈرک نے مصری نوجوانوں کی انجمن جمعیۃ الشبان المسلمین قاہرہ کے ایوان میں ایک اجتماعِ عظیم کے سامنے مقالۂ ذیل پیش کیا ہے؛ اس مقالہ سے یہ حقیقت بھی واضح ہوجاتی ہے کہ یورپ میں اشاعتِ اسلام قادیانی مبلغوں کی نام نہاد مساعی کی رہینِ منت نہیں ہے بلکہ تعلیم یافتہ یوروپین اپنے ذاتی مطالعہ کی بناء پر فوج در فوج حلقۂ اسلام میں داخل ہو رہے ہیں فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ۔

میں اپنے خطبہ کا افتتاح کلمۂ طیبہ "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ" سے کرنا چاہتا ہوں کہ میرے جذبات مسرت کا تقاضا یہی ہے۔ میں نے دینِ اسلام کافی غور و فکر کے بعد قبول کیا ہے اور آپ کو یہ سن کر تعجب ہوگا کہ میں نے اس دین کی تعلیمات اولاً اس کے موافقین کی کتابوں سے نہیں بلکہ اس کے مخالفین کی کتابوں سے حاصل کی ہیں۔

میں برطانوی ماں باپ کے گھر پیدا ہوا جو "پروٹسٹنٹ چرچ" سے وابستہ تھے اور میرے والد کی آرزو تھی کہ وہ مجھے اس چرچ کا ایک پادری دیکھے۔ اس لئے مجھے دینی کتب کے مطالعہ اور مذہبی موضوعات پر مباحثہ میں مصروف دیکھ کر اُسے مسرت ہوتی تھی؛

مجھے یہ بتا دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ انگلستان اگرچہ بظاہر عیسائیت کا پیرو ہے لیکن نوّے فی صدی انگریز عیسائیت کی حقیقت سے ناواقف ہیں۔ اور میں بلند آہنگی کے ساتھ اعلان کرتا ہوں کہ میں خود اپنی زندگی میں ایک دن بھی عیسائیت کے مزعومہ اصول کا قائل نہ ہوسکا آپ جانتے ہیں کہ عیسائیت کی بنیاد اس عقیدہ پر قائم ہے کہ خدا کی ذات واحد تین شخصیتوں کا مجموعہ ہے۔ اور یہ ایک ایسا عقیدہ ہے جسے قبول کرنے سے عقل انکار کرتی ہے۔ بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ باپ اور بیٹا ہر زمانہ میں ساتھ ساتھ موجود ہوں جس کسی زمانہ میں باپ کا وجود فرض کیا جائے بیٹے کا وجود بھی اس کے ساتھ لازم ہو یہ ایک

ناقابل فہم عقیدہ ہے جسے کوئی ذی ہوش تسلیم نہیں کر سکتا بااین ہمہ عیسائی عقیدہ تثلیث پر اڑے ہوئے ہیں خواہ اسے سمجھتے نہ ہوں۔

آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ عیسائی ۲۵ر دسمبر کو مسیح علیہ السلام کا یوم ولادت مانتے ہیں۔ حالانکہ اس خیال کی تائید میں وہ کسی مسیح کی ہم عصر یا قریب العصر شخصیت کی سند پیش نہیں کر سکتے۔ دراصل یہ ایک پوپ کی دماغی اختراع ہے جس کی کوئی تاریخی اصلیت نہیں۔ بلکہ اصول حساب کی شہادت اس کے برخلاف ہے۔ بات یہ ہے کہ ۲۵ر دسمبر قدیم بت پرستوں کا ایک مقدس دن تھا۔ یہ لوگ سورج دیوتا کے پجاری تھے۔ چنانچہ جب ان کا دیوتا سورج جسے یہ مصدر وجود اور چشمۂ حیات سمجھتے تھے زمانہ انقلاب سرمائی کو ختم کر لیتا تھا تو اس سے اگلے دن یہ عید مناتے تھے اور اسے اپنے دیوتا کا یوم ولادت مانتے تھے۔ اسی عقیدۂ ولادتِ شمس کو عیسائیوں نے عقیدۂ ولادتِ مسیح میں تبدیل کر لیا۔ اور بت پرستوں کے قدیم دستور کے مطابق ۲۵ر دسمبر کو عید قرار دیا۔ حالانکہ ان کے پاس کوئی علمی یا تاریخی سند نہیں جس سے وہ اس تاریخ کو یوم ولادت مسیح ثابت کر سکیں۔ اسی طرح قدیم بت پرست اعتدال ربیعی سے اگلے دن بھی عید مناتے تھے۔ کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ آج اُن کے خدا سورج دیوتا نے اس تاریکی پر فتح پائی ہے جو اس کے راستہ میں حائل ہو گئی تھی اور اب اس کی طاقت اور روشنی میں اضافہ ہو گیا ہے۔ چنانچہ پرانے بت پرستوں کی پیروی میں جس طرح عیسائیوں نے یوم ولادت مسیح میں تبدیل کر کے عید منانا تھا اسی طرح انھوں نے یوم اعتدال ربیعی کو جو دراصل سورج دیوتا کے طاقت پلٹنے کا دن تھا مسیح کے طاقت پانے کا دن قرار دے کر اسے عید القیامہ (ایسٹر) بنا لیا۔ باپ بیٹے کا مسیحی عقیدہ بھی قطعی پرانے بت پرستوں کے عقائد سے ماخوذ ہے۔ اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ بدھ مت کے ماننے والے بدھ کے بچپن کے زمانہ کی تصویر اس کی ماں مایا کے ساتھ جس انداز سے بناتے ہیں بعینہٖ اسی انداز کی تصویر مسیح کے زمانۂ طفولیت کی، ان کی ماں مریم کے ساتھ ہم گرجا میں منقوش پاتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ مسیح کی وہ شخصیت جس کے عیسائی دعوے دار ہیں کوئی تاریخی حیثیت نہیں رکھتی۔ اگر کوئی ناقد علمی طریقہ سے اس موضوع پر بحث کرے تو اسے اس بحث سے خالی ہاتھ واپس آنا پڑے گا۔ اس کا اندازہ آپ مسیح کی ان تصویروں ہی سے کیجیے جو مختلف ممالک میں آپ پاتے ہیں آسٹریا کے گرجوں میں آپ مسیح کی صورت کچھ پائیں گے اور اٹلی کے

گرجوں میں کچھ۔ آپ غور و فکر کے بعد بھی مسیح کی ان فرضی تصویروں سے ان کی اصلی صورت کا اندازہ کر سکیں گے۔

اسلام کے خلاف عیسائیت کا غلط پروپیگنڈا

واقعہ یہ ہے کہ عیسائیوں کے مختلف طبقوں میں اصول عیسائیت اور ذات کے متعلق بنیادی اختلافات ہیں۔ عیسائیت کی انہی الجھنوں نے دوسرے مذاہب کے مطالعہ پر آمادہ کیا۔ چنانچہ مذاہب عالم کے متعلق انگلستان کی لائبریریوں میں مجھے جتنی کتابیں ملیں میں نے ان کا مطالعہ شروع کیا۔ یہاں میں نے دنیا کے ہر مذہب کے متعلق علمی کتابیں پائیں جن سے ان مذاہب کے متعلق کافی معلومات حاصل ہو سکتی ہیں۔ مگر جو کتابیں اسلام کے متعلق دیکھیں ان میں بجز طعن و تشنیع کے کچھ نہ تھا۔ ان کتابوں کا نچوڑ یہی تھا کہ اسلام کوئی مستقل مذہب نہیں ہے بلکہ وہ محض عیسائی لٹریچر سے ماخوذ چند اقوال کا مجموعہ ہے!

قدرتاً میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا اگر واقعی اسلام ایسا ہی بے حقیقت مذہب ہے جیسا کہ یہ ظاہر کرتے ہیں تو پھر اس پر اس قدر اعتراضات، اس قدر طعن و تشنیع اور اس کے مقابلہ و مدافعت کے لئے اتنی طاقت آزمائی کی کیا ضرورت ؟ میرے دل میں یہ بات بیٹھ گئی کہ اگر دین اسلام سے انہیں خوف نہ ہوتا اور اس کی قوت و زندگی سے مرعوب نہ ہوتے تو اس سے مقابلہ و مجادلہ اور اس توہین و تذلیل کے لئے اتنی محنت برداشت نہ کرتے۔ چنانچہ اب میں نے طے کر لیا کہ دین اسلام کی جتنی کتابیں مجھے مل سکتی ہیں میں ان سب کو ایک ایک کر کے دیکھوں گا!

معترضین کے اعتراضات سے اسلام کو کوئی خطرہ نہیں۔ یہ لوگ اگرچہ معاندانہ نقطۂ نظر کو پیش کرتے ہیں مگر اس سے بھی اسلام کی طاقت و قوت کا اندازہ ہوتا ہے اور اسلام کے لئے دعوت و تبلیغ کا راستہ پیدا ہوتا ہے ؎

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن   پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

اب جبکہ مجھے ہدایت نصیب ہو گئی۔ اور میں نے دل کے پردوں میں سے یہ آواز آتی سنی کہ میں مسلمان ہوں تو میں نے باقاعدہ مسلمانوں کی جماعت میں شامل ہو جانے کا ارادہ کر لیا مجھے ایک صاحب نے بتایا کہ دارالخلافہ اسلام میں ایک مشہور مسجد ہے جس کا نام

مسجد ایا صوفیہ ہے (اور وہ اسلام کا سینٹر ہے) تو میں نے اس مسجد کے پتہ پر اپنے حالات لکھ بھیجے۔ جب میرا خط قسطنطنیہ پہنچا تو محکمۂ ڈاک نے اسے سلطان عبدالحمید کی خدمت میں روانہ کردیا۔ سلطان المعظم کے سکریٹری نے مجھے جواب دیا کہ آپ مشہور انگریز نو مسلم شیخ عبداللہ کوئلم بیرسٹر سے ملاقات کریں۔ آپ لوگ سمجھ سکتے ہیں کہ مجھے ایسے مسلمان انگریز سے ملاقات کر کے کس قدر خوشی ہوئی ہوگی جس سے میں کھل کر اپنے دل کا راز بیان کرسکوں اور آزادی کے ساتھ اپنے عقائد و خیالات کا اظہار کرسکوں۔ اور یہ عبداللہ کوئلم وہ شخصیت ہے جس کی تنہا کوشش سے انگلستان میں پانسو سے زیادہ انگریز مسلمان ہوئے ہیں۔

اسی دوران میں میرا ارادہ ہوا کہ اپنے قبول اسلام کی اطلاع والد کو کردوں۔ چنانچہ میں نے اطلاع کردی میں اس واقعہ کا اظہار مناسب سمجھتا ہوں کہ عیسائیت کو خیرباد کہنے سے تو میرے والد کو قطعاً رنج نہ ہوا۔ مگر افسوس! کہ میرے قبول اسلام کی خبر سے انکے دل پر سخت چوٹ لگی۔ اور ان کو اور ان کے ساتھ تمام خاندان کو اس سے بڑا رنج ہوا ان کے اس رنج کو اگر کوئی چیز کم کرسکتی تھی تو وہ یہ خیال تھا کہ شاید میں ان کے کہنے سننے سے پھر (معاذ اللہ) اسلام کو ترک کر کے داخل مسیحیت ہوجاؤں۔ لیکن میں نہایت مسرت کے ساتھ اعلان کرتا ہوں کہ مجھے اسلام کے دامن کو تھامے ہوئے پینتیس ۳۵ سال گذر گئے ہیں اور آج میں اس وقت کی بہ نسبت کہیں زیادہ اُصول اسلام کا معتقد اور اس کے محاسن و فضائل کا معترف ہوں۔ جب سے میں نے اسلام قبول کیا ہے ——————

—————————— میں اس کے احکام پر عمل کرتا ہوں۔ میں ولی اللہ ہونے کا دعویٰ تو نہیں کرتا۔ مگر یہ ضرور ہے کہ میں فرائض اسلامی ادا کرنے میں کسر نہیں چھوڑتا۔

مسلمانوں کو عملی نمونہ بننا چاہیئے

مجھے کامل یقین ہے کہ ایک دن تمام دُنیا دین اسلام کے جھنڈے کے نیچے آجائے گی۔ مگر یہ اس امر پر موقوف ہے کہ پیروانِ اسلام اسلام کا نمونہ بنیں۔ اور اُصول اسلام کو عملی طور پر دُنیا کے سامنے پیش کریں۔ مختلف ممالک اسلامی کے سفر کے دوران میں میں نے محسوس کیا ہے کہ جن ممالک میں مسلمان اکثریت میں ہوں وہاں اُن پر ضعف پست ہمتی اور افتراق غالب ہے۔ اور جہاں وہ اقلیت میں ہیں وہاں وہ اُصول دینی کی پیروی

احکام دین پر عمل میں (جو قوت و ترقی کے اسباب ہیں) لنبتہً بڑھے ہوئے ہیں۔ اگر دنیا کے مختلف ملکوں کے مسلمان اپنے دین کی پیروی کریں اور ان کی سیرت پر اسلام کی عظمت کے آثار نمایاں ہوں تو یہ اسلام کی ایک عملی تبلیغ ہو گی۔ جو اقوامِ عالم کو اسلام کے اُصولوں کا گرویدہ بنا دے گی۔

یہ ایک قدرتی بات ہے کہ جب غیر مسلم مسلمانوں کو احکام دین کے خلاف عمل کرتے دیکھتے ہیں تو وہ ان کے اعمال کے آئینہ میں اسلام کی مسخ شدہ تصویر دیکھ کر اس سے متنفر ہو جاتے ہیں۔ بلکہ میں کہتا ہوں کہ اگر انہیں یہ بتایا بھی جائے کہ جو کچھ مسلمان کر رہے ہیں۔ اسلام کے احکام اس سے مختلف ہیں۔ تب بھی وہ کہہ سکتے ہیں کہ اگر احکامِ اسلام میں کوئی خوبی ہوتی تو سب سے پہلے متبعین اسلام ان پر عمل کرتے۔ اور کسی صورت میں ان کی مخالفت نہ کرتے۔ مثال کے طور پر یوں سمجھیے کہ اگر کوئی مسلمان غیر مسلموں کی کسی تقریب میں شریک ہو اور وہاں اُس کے سامنے شراب پیش کی جائے اور وہ اُسے اپنی رواداری اور وسیع النظری کے اظہار کے لئے قبول کرلے تو اس کا یہ عمل غیر مسلموں کے لئے اس امر کا ثبوت ہو گا کہ یہ مسلمان خود اپنے مذہب کی تعلیمات کی ترویج و انتشار کی صلاحیت کا منکر ہے۔ ورنہ سب سے پہلے وہ خود ان پر عمل کرتا اور اپنے عمل سے دوسروں کے لئے بہترین نمونہ بنتا۔ لہٰذا ہر مسلمان اپنے مذہب کا مبلغ بن سکتا ہے۔ اگر وہ اس کے آداب و اخلاق اور آئین کی محافظت کرے جس طرح وہ اس کے لئے مانع بن سکتا ہے۔ اگر ان اُمور میں مداہنت برتے۔

قرآن کریم صرف احکامِ دینی ہی کا مجموعہ نہیں بلکہ وہ انسان کی انفرادی و اجتماعی دنیوی زندگی کا بہترین رہنما ہے۔ اور یہ حقیقت میں نے اسی وقت محسوس کرلی تھی جب میں نے اس کا مطالعہ شروع ہی کیا تھا۔ حالانکہ میرا مطالعہ ان تراجم کے واسطے سے تھا جن میں اس کی پاک تعلیم کو آلودہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

اسلام کے سوا اور کوئی مذہب نہیں جو ہر قسم کی عبادت کو خدائے عزوجل و علیٰ کے لئے مخصوص کرتا ہو۔ اور توحیدِ خالص کے عقیدہ کا اعلان کرتا ہو۔ اور عیسائیت تو انسانوں کی پیشانیوں کو ان کے اپنے ہاتھوں کے تراشے ہوئے معبودوں کے سامنے گراتی ہے۔ بھلا اس کے اس شرک ظاہر کا اسلام کی توحید باہر سے کیا مقابلہ جس کی دعوت سورۂ اخلاص

میں اس طرح دی گئی ہے :-

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اَللّٰهُ الصَّمَدُ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَکُنْ لَّهٗ کُفُوًا اَحَدٌ ۔

کہہ دو کہ اللہ ایک ہے۔ اور وہ بے نیاز ہے، نہ اُس نے کسی کو جنا اور نہ کسی نے اُسے جنا۔ اور نہ اُس کا کوئی ہمسر ہے۔

اس میں کچھ شبہ نہیں کہ قرآن نے جس خدا کی عبادت کے لئے بندوں کی رہنمائی کی ہے وہ ہر عیب سے بَری اور ہر صفت کمال سے متصف ہے۔ جب انسانیت جہالت اور بچپن کے زمانہ سے گذر رہی تھی تو وہ ہاتھ اور قلم کے بناتے ہوئے خداؤں سے کھیلتی تھی۔ افسوس کہ آج ۱۹۳۸ء میں بھی یہ حماقت دیکھی جا رہی ہے۔ خدا کے تخیل کے متعلق عقل انسانی کی طفلانہ لغزشوں کے تماشے آپ گرجاؤں میں دیکھ سکتے ہیں۔ لیکن انسانیت کے شباب کے مناظر مسجدوں میں نظر آئیں گے۔ جہاں نہ تصویریں ہوں گی۔ نہ مجسمے جو عبادت کرنیوالوں کے دل غیر اللہ کی طرف پھیریں۔ حالانکہ خدائے واحد ہی تمام کمالات کا مرکز ہے۔ اور عبادت کا مستحق۔ انسانیت کو اس رفیع مرتبہ پر پہنچانے کا سہرا ہادی اعظم نبی اکرم محمد رسول اللہ و خاتم النبیین کے سر ہے۔ جنہوں نے بتوں کو توڑا اور جلی و خفی شرک کے آثار قدیمہ کو مٹا دیا اور انسانیت کو ذلت کے مقام سے نکال کر عزت کے اس مرتبہ پر فائز کیا جو ہر طرح اس کے لائق تھا۔

اسلامی برادری کی جاذب نظر خصوصیت یہ ہے کہ آپ کرۂ زمین پر کسی ملک میں جہاں مسلمانوں کی آبادی ہو چلے جائیں آپ اجنبیت محسوس نہ کریں گے بلکہ آپ کو عزیزوں کی جگہ عزیز اور بھائیوں کی جگہ بھائی ملیں گے۔ لہٰذا اے حلقہ بگوشانِ اسلام! ہمیں نہ بالشویزم کی ضرورت ہے اور نہ کمیونزم کی۔

اسلامی اخوت و مساوات

سیاسی مذہب جن خوبیوں کے دعویدار ہیں وہ ہمارے دین میں بدرجہ اتم موجود ہیں اور جن خرابیوں سے یہ آلودہ ہیں اُن سے ہمارا دین پاک ہے۔ یہ ایک معتدل مذہب ہے اور ایک عملی پروگرام ہے جو ہر زمانہ میں اور ہر ملک میں انسانی سوسائٹی کی فوز و فلاح کا ضامن ہے۔ اخوت اسلامی کے نام سے سب سے پہلے اسی کے ذریعہ واقفیت ہوئی۔ یہ ایک "مجمعِ اقوام" ہے جو اغراض واہوا سے بری ہے اور اس کے رکن جنسی و طنی اختلافات سے ناواقف ہیں۔ یہ سب اخوت کی

ایسی مضبوط زنجیر میں جکڑے ہوئے ہیں جس کے حلقوں کو امیری و غریبی اور اس قسم کے دوسرے ناپائیدار مظاہر جُدا نہیں کر سکتے۔ جب مجھے دینِ اسلام کے یہ اصول معلوم ہوئے تو مجھے یقین ہو گیا کہ اسلام اپنی ان خوبیوں کی بناء پر تمام سماوی و ارضی شریعتوں سے ممتاز ہے اور میں پہلے سے زیادہ اس کا گرویدہ ہو گیا۔ دینِ اسلام کی ایک اور خصوصیت جس نے مجھے اپنی طرف ملتفت کیا اور جس سے اس کی قدر و منزلت میرے دل میں زیادہ ہوئی وہ "تحریم شراب" ہے۔ یہ ایک ایسی خوبی ہے جس سے دوسرے مذاہب کی کتابیں ہمیں خالی نظر آتی ہیں۔ بلکہ عیسائیت میں تو ہم ام الخبائث کی ترغیب پاتے ہیں۔ مثلاً "سینٹ پولیس کی اپنے شاگرد کو ہدایت کہ "وہ تھوڑی شراب اپنے معدہ کی اصلاح کے لئے پیا کرے" یا پانی سے بھرے ہوئے برتنوں کا شراب میں تبدیل ہو جانے کا واقعہ" مجھے تسلیم ہے کہ اس مذہب کے پیشوا شراب سے احتراز کرنے کی ہدایت کرتے بھی نظر آتے ہیں۔ لیکن ہم کتب مقدسہ کی ان نصوص سے بھی آنکھیں نہیں بند کر سکتے جو صراحۃً شراب پینے کی ترغیب دے رہی ہیں۔ پھر بتائیے ہم کیا انیں اور کیا نہ مانیں؟ بعض اشخاص کی تحریر یا کتب مقدسہ کی تحریص؟

ابھی کچھ عرصہ ہوا امریکہ نے شراب کے خلاف جہاد شروع کیا تھا مگر باوجود تمدن جدید کے تمام وسائل کے اسے اس معرکہ میں پسپا ہونا پڑا۔ کیا امریکہ کی اس معرکہ آرائی کا رسول اکرم مصلح اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی سے کوئی مقابلہ کیا جا سکتا ہے کہ جونہی آپ نے شیدایانِ اسلام کو بتایا کہ ان کے خدا نے شراب کو حرام کر دیا ہے تو بے تامل شراب کے مٹکے اُلٹ دیئے گئے۔ اور برتن توڑ دیئے گئے۔ اور سڑکوں پر شراب کی ندیاں بہہ گئیں۔ یورپ اور امریکہ کے فہمیدہ انسان جن کی ہدایات و نصائح کی وجہ سے امریکہ میں کچھ عرصہ شراب کی بندش رہی۔ خواہ زبان سے اعتراف نہ کریں مگر ان کے دل یقیناً انسانی سوسائٹی کی اصلاح میں محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے حسنِ تاثیر اور آپ کی رہنمائی کی کامیابی کا اقرار کر رہے ہیں۔

ہمیں طب بتاتی ہے کہ خنزیر کا گوشت صحت کے لئے سخت مضر ہے۔ کیونکہ اس میں ایک خاص قسم کے جراثیم پائے جاتے ہیں جن کے متعلق تجربہ سے معلوم ہو چکا ہے کہ آگ ان پر کوئی اثر نہیں کر سکتی اور اُن کی مضرت کو دور نہیں کر سکتی۔ اگرچہ عیسائیوں کی کتب مقدسہ خنزیر کے گوشت کی ممانعت کرتی ہیں۔ مگر دنیا کے ہر حصہ میں عیسائی اسے بالعموم استعمال کرتے ہیں اور اس کی طبی مضرت اور اپنے مذہب کی ممانعت کی پروا نہیں کرتے۔ برخلاف

مسلمانوں کے کہ وہ اپنے پاک مذہب کے حکم کے مطابق اس سے قطعاً محترز ہیں۔ اور دنیا کے کسی حصہ میں اس کا استعمال نہیں کرتے۔

بلاشبہ چونکہ اکثر عیسائی اس حقیقت سے واقف ہیں کہ جو انجیل ان کے ہاتھوں میں ہے وہ مسیح علیہ السلام سے بعد کی لکھی ہوئی ہے۔ اور چونکہ انہیں ان بنیادی اختلافات کا علم ہے جو ان کی دینی کتابوں میں بکثرت پائے جاتے ہیں۔ اس لئے اس علم و وقوف نے انہیں اپنے احکام دین سے اعراض پر جری کر دیا ہے لیکن مسلمانوں کو کامل یقین ہے کہ جو قرآن آج ان کے ہاتھوں میں ہے وہ وہی قرآن ہے جو صاحب وحی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا۔ اس میں ایک نقطہ اور ایک شوشہ کا فرق نہیں۔

اعتقادی حقائق

حقائق مذکورہ کی معرفت کے بعد جب میں نے عام معتقدات اسلامی کا جائزہ لیا تو میں نے تمام اسلامی عقائد عقل کے عین مطابق پائے' توحید خالص کا عقیدہ جو اسلام کا طغرائے امتیاز ہے صحیح ترین عقیدہ ہے جس سے انسان واقف ہو سکا ہے۔ توحید الوہیت' توحید ربوبیت' اور خالق عالم کے لئے تمام صفات کمال کے اثبات میں وہ منفرد و مکمل ہے اور اس کے ساتھ ساتھ دین اسلام خدا کے تمام پیغمبروں کی بھی تصدیق کرتا ہے۔ علیہم صلوٰۃ اللہ وسلامیہ۔

مسلمان ایک دوسرے کو جو سلام کرتے ہیں وہ کیا خوب ہے۔ اس کے معنی کیسے دلپذیر ہیں اور وہ طریقہ جس سے سلام کیا جاتا ہے کیسا دلکش ہے! خصوصاً سر اور دل کی طرف ہاتھ سے اشارہ۔ کیونکہ جسم انسانی میں یہی دونوں اعضاء بہتر و برتر ہیں۔ بھلا اس سلام کا اٹلی کے فیسسٹ سلام سے یا دنیا کی دوسری قوموں اور جماعتوں کے سلام سے کیا مقابلہ؟ بعض یورپین الزام لگاتے ہیں کہ "اسلام تلوار کے ذریعہ پھیلا ہے" یہ ایک ذلیل جھوٹ ہے اور الزام لگانے والے خود جانتے ہیں کہ یہ غلط اور غیر معقول ہے۔ کیونکہ یہ اگر ایک طرف تاریخ کی تصریحات کے خلاف ہے تو دوسری طرف اصول اسلام کے۔ اگر اسلام تلوار کے ذریعہ پھیلا ہوتا تو کیا ممالک اسلامیہ میں آج ان گرجاؤں' صنم خانوں اور غیر اسلامی اوضاع و اطوار کا جو اسلام کے زمانہ شباب سے اپنی اصلی حالت میں چلے آتے ہیں وجود بھی باقی رہتا۔ اور پھر قرآن مجید کی آیات بینات کے سامنے ان کے ان ہفوات کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے قرآن کہتا ہے:۔

لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ ۔ دین میں کوئی جبر نہیں۔
لَسْتَ عَلَیْہِمْ بِمُسَیْطِرٍ ۔ (اے نبی) آپ ان (کافروں) پر مسلط نہیں کیے گئے۔
لَکُمْ دِیْنُکُمْ وَلِیَ دِیْنِ ۔ تمہیں تمہارا دین مبارک اور مجھے میرا دین۔

"تلوار کی دھار سے مذہب کی تبلیغ تو خود ان کا اپنا طریقہ رہا ہے۔ مذہب کے نام پر جو مظالم اسپین کے مسلمانوں پر روا رکھے گئے ان کے ذکر سے تاریخ کی کتابیں رنگین ہیں اور عیسائیوں کی پیشانیاں داغدار۔ ان کو خود اس کا اقرار ہے کہ جب شارلمان جرمنی میں داخل ہوا تو اس نے حکم دیا کہ جو سیکس عیسائیت قبول نہ کرے اسے تلوار سے اڑا دیا جائے۔ بہر کیف اگر کوئی مذہب تلوار کے ذریعہ پھیلا ہے تو وہ اسلام نہیں بلکہ کوئی اور مذہب ہے۔

برادرانِ اسلام! وقت زیادہ ہو گیا ہے۔ میں اس موضوع پر آپ سے جو کچھ کہنا چاہتا تھا وہ سب نہ کہہ سکا۔ میں دوبارہ آپ کے سامنے یہ اعلان کرتا ہوں کہ جس قدر اسلام کے متعلق میری معلومات میں اضافہ ہوتا جاتا ہے میرے دل میں اس کا احترام و ایقان زیادہ ہوتا جاتا ہے مجھے یہ دعویٰ تو نہیں کہ میں نے مکمل مذہبی معلومات حاصل کر لی ہیں۔ لیکن بقدر ضرورت میں ان سے ضرور بہرہ مند ہو چکا ہوں۔ مجاہد اعظم سیف اللہ خالد بن ولیدؓ نے فتوحات اسلامیہ میں جو شریفانہ، بہادرانہ اور رحیمانہ طرزِ عمل اختیار کیا اور اس سے دینِ اسلام کی جو دن دونی رات چوگنی ترقی ہوئی چونکہ میرے دل میں اس کی بڑی قدر ہے اس لئے میں نے اس مجاہد کے نام پر اپنا نام رکھنا پسند کیا ہے۔

نوجوانانِ اسلام! قبل اس کے کہ میں اس ممبر سے اتروں آپ کو یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ آپ پر اسلام کی طرف سے بڑی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ اس کو آپ کی جان فروشی اور سخت کوشی کی ضرورت ہے۔ ہم خادمانِ اسلام اب بوڑھے ہو گئے ہیں۔ آپ لوگ اسلام کی ترقی و تبلیغ کے لئے بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ لہٰذا اپنی امکانی کوشش میں کسر نہ چھوڑیئے تاکہ اس انجمن کے اغراض کی تکمیل ہو۔ اور اسلام اور مسلمانوں کی خدمت جو اس کے مقاصد ہیں ان کی تحصیل ہو۔ آپ انجمن کے عہدیداروں کے بھروسہ پر نہ رہیئے۔ انہیں بہت سے دفتری کام ہیں اصل اور ٹھوس کام آپ کو کرنا ہے گر آپ مل جل کر اسے انجام دینے کے لئے تیار ہوں تاکہ یہ شاندار ادارہ ترقی کی انتہا کو پہنچ جائے۔ اس وقت میں نے آپ سے اس طرح گفتگو کی ہے جس طرح ایک دوست اپنے دوستوں سے کرتا ہے مجھے معلوم ہے کہ

ایک مقرر کو اپنے مخصوص حدود میں وہ تقریر کرنی چاہیے مگر دوستانہ گفتگو اس پابندی سے آزاد ہے بھائی اپنے بھائیوں سے جو چاہے کہہ سکتا ہے۔ میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے میری ان باتوں کو توجہ سے سُنا اور مترجم حضرات کا بھی جنھوں نے ترجمانی کی زحمت گوارا کی کیونکہ مجھے افسوس ہے کہ میں عربی زبان میں آپ کو مخاطب کرنے سے معذور تھا۔

خلود الکُفّار فِی النّار

جزاء علی الاصرار

ازافادات مبارکہ سیدی حضرت حکیم الامۃ حضرت مولانا اشرف علی صاحب دامت برکاتہم

بقلم مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند

(منقول از النور)

سوال۔ حافظ ابن قیم نے رسالہ شفاء العلیل و حادی الارواح میں جمہور کے خلاف فنا نار کا دعویٰ کیا ہے جس سے کفار کے لئے خلود عذاب کی نفی ہوتی ہے جو صراحۃً نصوص قطعیہ کے خلاف ہے۔ اور مسئلہ چونکہ ضروریاتِ دین سے ہے اس لئے ان نصوص میں تاویل کی بھی گنجائش نہیں۔ حافظ ممدوح نے اس دعویٰ میں گو بعض روایاتِ حدیث سے بھی تمسک کیا ہے۔۔ لیکن روایاتِ مذکورہ عموماً ضعاف اور مجروح ہیں جو نصوص قطعیہ اور ان کی واضح دلالت کے مقابلہ میں نہیں ٹھہر سکتیں یا ماؤل ہوں گی اس لئے اُن کے جواب دینے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ جو چیز خلود نار کے بارہ میں کچھ تذبذب پیدا کر سکتی ہے وہ ان کا ایک عقلی استدلال ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ عقوبت اور سزا کی غایت انزجار ہوتی ہے تاکہ سزا بھگت کر خاطی ڈر جائے اور آئندہ کے لئے تائب ہو کر اس معصیت سے رُک جانے کا ہمیشہ کے لئے عزم کر لے۔ ظاہر

ہے کہ جب اہل جہنم کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا تو ایسے شدید عذاب سے بڑھ کر تخویف اور مُجرم کے لئے انزجار کا موجب اور کیا ہوسکتا ہے اور پھر اس تعذیب سے بڑھ کر توبہ کی باعث بھی اور کونسی سزا ہوسکتی ہے چنانچہ مُجرمین فوراً توبہ پر آجائیں گے۔ اور آئندہ کے لئے پختگی کے ساتھ کفر سے باز رہنے کا وعدہ کریں گے جیساکہ نصوص کریمہ میں واضح ہے۔

قولہ تعالیٰ ربنا اخرجنا منہا فان عدنا فانا ظلمون۔ قولہٗ تعالیٰ۔ وھم یصطرخون فیہا ربنا اخرجنا منہا نعمل صالحا غیر الذی کنا نعمل۔ قولہ تعالیٰ ولوتری اذا المجرمون ناکسوا رؤسہم عند ربہم ربنا ابصرنا وسمعنا فارجعنا نعمل صالحا انا موقنون۔

پس چونکہ عقوبت کی غایت پوری ہوگئی اور مجرمین نے توبہ بھی کرلی اور آئندہ احتراز کا وعدہ جازمہ بھی کرلیا تو اب عقلاً کوئی وجہ باقی نہیں رہتی کہ پھر بھی اس تعذیب اور عذاب کو باقی رکھا جائے اس لئے فناء نار ہو جانا اور خلود نہ رہنا معقول ہوا۔ حافظ ابن قیم نے اس اشکال سے مرعوب ہوکر جمہور کا مسلک چھوڑا۔ اور یہ فناء نار کا مسلک اختیار کیا ہے اس کا کیا جواب ہے۔

الجواب۔ بحالت عذاب یا بحالت خوف عذاب مجرمین کے وعدے دو طرح پر ہوتے ہیں۔ ایک حقیقی وعدہ جو دل سے ہوتا ہے۔ اور جس میں واقعی عزم احتراز عن المعصیۃ کا ہوتا ہے اور ایک دفع الوقتی یعنی دل میں حقیقی عزم احتراز نہ ہو صرف مصیبت سے رہائی پانے کے لئے جھوٹا وعدہ کیا جائے اس مصلحت سے کہ اس وقت تو جان بچا لینی چاہیئے آئندہ دیکھا جائے گا۔ کفار معذبین کے یہ وعدے اسی دوسری قسم کے ہوں گے۔ جو محض کذب اور دفع الوقتی ہوں گے۔ چنانچہ خود قرآن کریم ہی میں ان کی اس دفع الوقتی اور کذب بیانی کی تصریح صاف الفاظ میں موجود ہے۔ ارشاد ہے۔ ولوتریٰ اذ وقفوا علی النار فقالوا یلیتنا نرد ولا نکذب بایات ربنا ونکون من المومنین۔ بل بدا لہم ما کانوا یخفون من قبل ولو ردوا لعادوا لما نہوا عنہ وانہم لکاذبون۔

اگر سوال کیا جاوے کہ یہ کیسے معلوم ہوا کہ اس وقت عزم احتراز عن المعصیۃ نہ ہوگا۔ جواب یہ ہے کہ انہم لکاذبون۔ اس کی دلیل ہے۔ کیونکہ اپنے فعل اختیاری مستقبل کے وعدہ کے صادق یا کاذب ہونے کا مدار بھی عزم و عدم عزم ہے۔ اور اگر سوال کیا جاوے کہ معائنہ عذاب کے بعد وقوع کفر فی الدنیا کیسے ممکن ہے۔ جواب یہ ہے کہ کفر اعتقاد خلاف

حق ہی میں منحصر نہیں جحود بھی کفر ہے بلکہ اعتقاد خلافِ حق سے بھی اشد کفر جحود ہے اور اس کا کفر ہونا قرآن مجید میں منصوص ہے وجحدوا بھا واستیقنتھا انفسھم ظلما وعلوا اور اس پر تعجب نہ کیا جاوے کہ ایسے شدید وقت میں جھوٹ کیسا۔ فساد طینت ایسی ہی چیز ہے چنانچہ اُسی یوم شدید میں ان کا ایک اور جھوٹ بھی قرآن میں مذکور ہے ثم لم تکن فتنتھم الا ان قالوا واللّٰہ ربنا ما کنا مشرکین انظر کیف کذبوا علی انفسھم مگر فساد طینت سے وہ معذور نہ ہوں گے کیونکہ اس فساد سے قدرت واختیار سلب نہیں ہوتا اور مدار تکلیف بھی قدرت واختیار ہے نہ کہ طینت کہ اس کا اثر صرف میلان ہے نہ کہ فعل کا صدور لازم یا اس کا ارادہ لازمہ۔ اور ظاہر ہے کہ جب یہ حقیقی توبہ اور واقعی عزم احتراز عن المعصیتہ نہ ہوا بلکہ دفع الوقتی ہوئی۔ اور اُوپر سے بحالت معائنہ عذاب بھی حق تعالیٰ کو دھوکہ دینے کی معصیت کا ارتکاب ہوا تو اس عقلی استدلال کی بنا ہی منہدم ہوگئی جس پر فنار نار کا دعویٰ مبنی تھا اور جمہور کے مسلک پر الحمدللہ کوئی اشکال نہ رہا۔ وھذا من المواھب الجلیلۃ ٭ ماکان عندنا الی الوصول الیھا حیلۃ ٭ والحمد للہ ھذہ النعمۃ وعلیٰ سائر نعمہ الجزیلۃ۔ کتب لنصف شوال سنہ ۳۳ھ

تقلیدِ شخصی

کا ثبوت

صحابۂ کرامؓ کے تعامل سے

از افادات سیدی حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی دامت فضائلہم

مولانا موصوف کی مجالس عموماً افاداتِ علمیہ سے معمور رہتی ہیں ایک اتفاقی مجلس میں آپ نے دو عظیم الشان فائدوں کی طرف اشارہ فرمایا جن میں سے ایک اس صحبت میں ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے۔ اس میں آپ نے تقلیدِ شخصی کے ثبوت میں صحیح بخاری کی روایت سے صحابہ کرام

کے تعامل کا ایک واقعہ بیان فرمایا جس کو احقر نے باضافہ مختصر تمہید ضبط کر لیا۔ وہو ہذا۔

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

کسی مسلمان کو اس میں خلاف نہیں ہوسکتا کہ اصل حکم تمام امور میں حق تعالیٰ کا ہے اور صرف اسی کا اتباع ہر شخص پر واجب ہے۔ انبیاء و رسل کے احکام جو واجب التسلیم ہیں وہ بھی صرف اسی بناء پر کہ وہ حق تعالیٰ کے احکام کے مبلغ اور خالق و مخلوق کے درمیان واسطہ ہیں۔ وہ اگر اپنے اجتہاد سے بھی کچھ حکم دیتے ہیں تو اس بناء پر کہ اس کو کسی قرینہ و دلیل سے حق تعالیٰ کا حکم سمجھتے ہیں اور اسی لئے۔ خود حق سبحانہ و تعالیٰ نے ان کے احکام کی اطاعت مخلوق پر فرض و واجب قرار دی ہے ورنہ ان الحکم الا للہ (اللہ کے سوا کسی کا حکم قابل تسلیم نہیں) قرآن کا کھلا ہوا اعلان ہے۔

اس سے یہ بات بھی بخوبی واضح ہوگئی کہ جس طرح انبیاء و رسل کے احکام کی اطاعت کو حق تعالیٰ کے ساتھ شرک فی الحکومۃ والربوبیۃ نہیں کہا جاسکتا۔ اسی طرح ائمہ امت جو انبیاء علیہم السلام کے نائبین اور ان کے احکام کی حقیقت کو پوری طرح سمجھنے والے ہیں۔ ان کے بتلائے ہوئے احکام کا اتباع بھی کسی طرح شرک فی الرسالۃ نہیں کہا جاسکتا۔ بلکہ ائمہ دین درحقیقت انبیاء علیہم السلام کے احکام کی تبلیغ کرنے والے ہیں وہ جو کچھ اجتہاد سے بھی کہتے ہیں تو اس کی بھی اصل کتاب و سنت کے ساتھ مستند ہوتی ہے۔ تو جس طرح انبیاء علیہم السلام کی اطاعت عین حق تعالیٰ کی اطاعت ہے۔ اسی طرح ائمہ دین کی اطاعت بھی بلاشبہ اللہ و رسول کی اطاعت ہے۔ اسی اطاعت کا نام اصطلاح فقہ میں تقلید ہے۔

آیت کریمہ فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون (اگر تم نہیں جانتے تو اہل علم سے دریافت کرلو) میں قرآن کریم نے اسی اصولی مسئلہ کی تعلیم دی ہے کہ جو لوگ خود قرآن و حدیث کے غوامض کو نہیں سمجھ سکتے وہ اہل علم سے احکام الٰہیہ دریافت کریں اور ان کی تقلید کریں۔

خلاصہ یہ ہے کہ تقلید کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ نہ جاننے والے جاننے والوں سے پوچھ پوچھ کر احکام خدا پر عمل کریں۔ اور یہ ایک ایسا مسلم الثبوت ضابطہ ہے کہ کوئی سمجھدار انسان اس سے انکار نہیں کرسکتا۔ اسی وجہ سے منصف اہل حدیث بھی مطلق تقلید کے جواز بلکہ وجوب میں اختلاف نہیں کرتے اور اسی لئے اس کے عقلی اور نقلی دلائل جو عامۂ کتب میں مذکور و معروف ہیں ان کے لکھنے کی ضرورت نہیں بلکہ اختلاف اور بحث صرف اس میں ہے

کہ امام معین کی تقلید پر پابندی کی جاوے کہ ایک امام کی تقلید کرتے ہوئے دوسرے ائمہ کے اقوال پر عمل نہ کیا جاوے جس کو اصطلاح میں تقلید شخصی کہا جاتا ہے لیکن اگر اس کی حقیقت کو سمجھ لیا جاوے تو یہ بھی کوئی مشکل بحث نہیں رہتا۔

تقلید شخصی کی حقیقت

اصل یہ ہے کہ قرآن و حدیث کی بیشمار نصوص اتباع ہوی (خواہش پرستی) کی حرمت و ممانعت کے لئے آئی ہیں اور اسی لئے ائمہ اربعہ اور تمام اُمت کا اس پر اتفاق ہے کہ اتباع ہوی احکام دینیہ میں قطعاً حرام ہے جو شخص اپنی غرض اور خواہشات کو سامنے رکھ کر اُس کی پیروی کرتا ہے اور پھر قرآن و حدیث میں اُس کے دلائل ڈھونڈھتا ہے وہ اپنے الادے اور خیال کے اعتبار سے متبع ہوی ہے متبع قرآن نہیں اگرچہ قرآن میں اُس کی کوئی سند اتفاقاً مل بھی جاوے معاملہ علیم و خبیر کے ساتھ جو دلوں کی گہرائیوں پر مطلع اور نیتوں اور ارادوں سے واقف ہے۔ حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے فتاوی میں اس پر ایک مبسوط مقالہ میں تمام اُمت کا اتفاق نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جو شخص اپنی خواہشات کی پیروی کرنے کے لئے ائمہ مجتہدین کے مذاہب ڈھونڈھتا ہے اور اپنی ہوی پر عمل کر کے اُس کو کسی امام کی طرف منسوب کر دیتا ہے۔ وہ خدا تعالیٰ اور اُس کے رسول کا متبع نہیں۔ بلکہ متبع ہوا ہے اور ایسا کرنا دین کو ایک کھلونا بنانا ہے۔

ابن تیمیہؒ کے بعض الفاظ یہ ہیں:۔

فی وقت یقلدون من یفسدہ وفی وقت یقلدون من یصححہ بحسب الغرض والھوی ومثل ھذا لایجوز باتفاق الامۃ۔ (ثم قال بعد ثلاثۃ اسطر) ونظیر ھذا ان یعتقد الرجل ثبوت شفعۃ الجوار اذا کان طالبا لھا وعدم ثبوتھا اذا کان مشتریا فان

یہ لوگ ایک وقت اُس امام کی تقلید کرتے ہیں جو نکاح کو فاسد قرار دیتا ہے اور دوسرے وقت میں اُس امام کی جو اُس کو صحیح قرار دیتا ہے اور یہ محض اپنی غرض و ہوی کی وجہ سے ہے۔ اور ایسا کرنا باتفاق امت ناجائز ہے (پھر اس کے تین سطر بعد لکھا ہے) اور اس کی نظیر یہ ہے کہ کوئی آدمی جس وقت کسی حق شفعہ کا خود طالب ہو تو مذہب امام ابوحنیفہ کے موافق شفعہ جوار کے ثبوت کا اعتقاد ظاہر کرے اور اگر

هذا لا یجوز بالاجماع وکذا من بنی صحۃ ولایۃ الفاسق فی حال نکاحہ دبنی علی فساد ولایتہ حال طلاقہ لم یجز ذلک باجماع المسلمین ولو قال المستفتی المعین انا لم اکن اعرف ذلک وانا الیوم التزم ذلک لم یمکن من ذلک لان ذلک یفتح باب التلاعب بالدین ویفتح الذریعۃ الی ان یکون التحریم والتحلیل بحسب الاھواء۔

(از فتاوی ابن تیمیہ جلد ثانی ص۲۴۰-۲۴۱)

خود شتری ہو۔ اور دوسرا شخص طالب شفعہ تو مذہب امام شافعی کے مطابق اس کے عدم ثبوت کا معتقد بن جائے۔ ایسے ہی وہ شخص جو بحالت قیام نکاح ولایت فاسق کی صحت کا قائل اور اس کی بناء پر منافع نکاح سے متمتع ہے مگر جب طلاق ثلثہ دیدے تو حرمت مغلظہ سے بچنے کے لئے ولایت فاسق کو کالعدم اور اس کے ماتحت منعقد شدہ نکاح کو فاسد قرار دے کہ یہ باجماع مسلمین جائز نہیں۔ اور اگر کوئی مستفتی یہ کہے کہ پہلے مجھے اس مذہب کی خبر نہ تھی اور اب میں اس کا معتقد اور پابند ہوں تب بھی اس کا قول قابل تسلیم نہیں کیونکہ یہ دین کو ایک کھلونا بنانے کا دروازہ کھولنا ہے اور اس کا سبب بنتا ہے کہ حرام و حلال کا مدار محض اہواء و خواہشات پر ہو جاوے۔

علماء امت کی تصریحات اس بارہ میں بے شمار ہیں ہم نے ان میں سے صرف حافظ ابن تیمیہؒ کے کلام پر اس لئے اکتفاء کیا کہ حضرات اہل حدیث بھی ان کی امامت و جلالت کے قائل اور بہت سے معاملات میں ان کے متبع ہیں۔

الغرض اتباع ہویٰ باجماع امت حرام ہے۔ اور ادھر یہ بات تجربہ سے محسوس و مشاہد ہے کہ اگر عوام کو آزاد چھوڑ دیا جاوے کہ جس مسئلہ میں چاہیں ابوحنیفہؒ کے مذہب پر عمل کریں اور جس میں چاہیں شافعیؒ کے مذہب پر پھر جب چاہیں مالکیہ کا قول لے لیں۔ اور جب چاہیں حنابلہ یا دوسرے ائمہ مجتہدین کا تو اس کا انجام لازمی طور پر وہی ہوگا جس کو حافظ ابن تیمیہ نے باجماع مسلمین حرام و ناجائز قرار دیا ہے۔ اس شرعی مصلحت کی بناء پر عافیت اور سلامت اس میں دیکھی گئی کہ امام واحد کا اتباع تمام مسائل میں لازم قرار دیا جائے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اصل مقصود اتباع ہوا سے بچنا ہے۔ اور چونکہ اس کی تدبیر اس ہویٰ پرستی کے زمانہ میں اس کے سوا کچھ نہیں کہ عمل کرنے والوں کو آزاد نہ چھوڑا جاوے

بلکہ امام واحد کی تقلید پر مجبور کیا جادے اس لئے تقلید شخصی لوجہ ذریعہ مقصود ہونے کے واجب قرار دی گئی۔ اس حقیقت کے واضح ہوجانے کے ساتھ یہ بھی معلوم ہوگیا کہ ائمہ اربعہ کی تقلید یا کسی دوسرے امام معین کی تقلید کے ثبوت کے لیئے یہ ضروری نہیں کہ قرآن وحدیث میں اُن کا نام بتلایا گیا ہو یا اُن کی تعیین کو ضروری کہا گیا ہو۔ کیونکہ قرآن وسنت مقاصد شرعیہ کی تصریح کرتے ہیں اُن کے ذرائع کی تصریح کرنا ضروری نہیں جیسے حج کا فرض ہونا قرآن حدیث میں منصوص ہے۔ مگر ریل اور جہاز یا موٹر اور اونٹ جن کے ذریعہ حج کے مقصود تک رسائی ہوتی ہے اُن میں سوار ہونے کی ضرورت کی تصریح یا جہاز کے نام کی تعیین کتاب وسنت میں ڈھونڈنا ناواقفیت اور بے علمی کی دلیل ہے۔ اس لیۓ اگر کتاب وسنت میں کہیں بھی تقلید شخصی کا ثبوت تصریحاً نہ ہوتا صرف اتباع ہوی کی ممانعت تقلید شخصی کے لئے کافی تھی۔

لیکن حضراتِ صحابہ کے تعامل سے ثابت ہوتا ہے کہ قرنِ اول میں بھی اس کے نظائر موجود ہیں۔ عام حضراتِ صحابہ علماء صحابہ کی تقلید کرتے تھے۔ پھر ان میں بھی بعض تو مطلقاً بلا تعیین کے کبھی کسی عالم کی اور کبھی کسی دوسرے بزرگ کی تقلید کر کے عمل کرتے تھے۔ کیونکہ وہ حضرات اتباع ہوی کے خطرہ سے محفوظ و مامون تھے۔ اور بعض اُس وقت بھی تقلید شخصی پر عامل تھے جس کی ایک نظیر اس جگہ لکھی جاتی ہے اور یہی اس تحریر کا اصل مقصد ہے:۔

اہل مدینہ کا تعامل

زید بن ثابت کی تقلید شخصی

صحیح بخاری میں حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:۔

ان اهل المدينة سألوا ابن عباس عن امرأة طافت ثم حاضت قال لهم تنفر قالوا لا ناخذ بقولك وندع قول زيد (بخاری باب اذا حاضت المرأة بعد ما افاضت)۔ کتاب الحج

اہل مدینہ نے حضرت ابن عباسؓ سے اُس عورت کے بارہ میں سوال کیا جو طواف فرض کے بعد حائضہ ہوگئی ہو (کہ وہ طواف وداع کیلیئے کیئے پاک ہونے تک انتظار کرے یا طواف اُس سے ساقط ہوجائیگا اور اُس کو چلا جانا جائز ہوگا) ابن عباسؓ نے فرمایا کہ وہ جاسکتی ہے۔ اہل مدینہ نے کہا کہ ہم آپ کے قول پر زید بن ثابت کے قول کے خلاف عمل نہیں کریں گے۔

اور فتح الباری میں بحوالۂ ثقفی اسی واقعہ میں اہل مدینہ کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں :۔

افتیتنا او لم تفتنا زید بن ثابت یقول لا تنفر

آپ فتویٰ دیں یا نہ دیں حضرت زید بن ثابت تو یہ کہتے ہیں کہ یہ عورت (بغیر طواف) واپس نہیں جا سکتی۔

نیز فتح الباری میں بحوالۂ مسند ابی داؤد طیالسی بروایت قتادہؓ اسی واقعہ کے یہ الفاظ منقول ہیں

فقالت الانصار لا نتابعک یا ابن عباس وانت تخالف زیداً فقال سلوا صاحبتکم ام سلیم (فتح الباری ص۴۶۳ ج۳)

انصار نے کہا کہ ہم زید بن ثابت کے خلاف قول میں آپ کا اتباع نہ کریں گے۔ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ آپ لوگ ام سلیمؓ سے دریافت کریں (کہ مسئلہ یہی صحیح ہے جو میں نے بتلایا)

اس واقعہ میں انصار مدینہ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی گفتگو کے الفاظ مذکورہ سے دو چیزیں بوضاحت ثابت ہو گئیں۔ اوّل تو یہ کہ یہ انصار مدینہ حضرت زید بن ثابتؓ کی تقلید شخصی کرتے تھے اُن کے قول کے مقابل کسی کے فتوے پر عمل نہ کرتے تھے۔ دوم یہ کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے بھی ان لوگوں پر یہ اعتراض نہیں فرمایا جو ہمارے زمانہ کے مدعیان عمل بالحدیث مقلدین پر کرتے ہیں کہ تقلید شخصی تو شرک فی النبوۃ ہے حرام ہے : ناجائز ہے۔ بلکہ اُن کو مسئلہ کی تحقیق اور حضرت زید بن ثابتؓ کی طرف دوبارہ مراجعت کے لئے ارشاد فرمایا :۔

چنانچہ فتح الباری ہی میں ہے کہ یہ حضرات مدینہ طیبہ پہنچے تو انھوں نے حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کے ارشاد کے موافق حضرت ام سلیمؓ سے واقعہ کی تحقیق کی اور حضرت زید بن ثابتؓ کی طرف مراجعت کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت زید بن ثابتؓ نے حکم حدیث کی تحقیق فرما کر حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے قول کو قبول فرما لیا اور اپنے سابق فتوے سے رجوع کر لیا (کما صرح بہ فی الفتح ص۴۶۴ ج۲)

الغرض اس واقعہ سے اتنی بات پر انصار مدینہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا اتفاق معلوم ہوا کہ جو لوگ شان اجتہاد اور کافی علم نہیں رکھتے۔ وہ کسی امام معین کی تقلید کو اپنے پر لازم کر لیں تو بلا شبہ جائز ہے۔

تنبیہ :۔ اس واقعہ سے قرن اوّل اور حضرات صحابہ کے تعامل سے تقلید شخصی کا ثبوت و جواز ثابت ہوا۔ پھر قرون متاخرہ میں اُس کو واجب و لازم قرار دینے کا سبب یہ ہوا کہ بغیر اس کے اتباع ہویٰ سے محفوظ رہنا عادۃً محال ہو گیا۔ اس کے وجوب کی بھی ایک نظیر قرن اوّل ہی میں موجود ہے جو انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ رسالہ میں لکھی جاوے گی۔ واللہ الموفق۔

حررہ العبد محمد شفیع عفا اللہ عنہ
شوال المکرم ۱۳۴۵ھ

طالب علمی

علمائے سلف کے حالات و مقالات

طلب علم کسی وقت ختم نہ ہونی چاہیئے

حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس شخص کو علم حاصل ہو اُس کو چاہیئے کہ کسی وقت طلب علم کو نہ چھوڑے۔ اور حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ بات تقویٰ کے معاون میں سے ہے کہ تم حاصل شدہ علم کے ساتھ اور زائد علم حاصل کرو۔ اور یہ بھی حاصل شدہ علم کا نقصان ہی ہے کہ اس میں زیادتی کم ہو۔ اور جس چیز کا علم حاصل نہیں اُس کی تحصیل میں رغبت نہ ہونا اس کی علامت ہے کہ اُس نے حاصل شدہ علم سے نفع نہیں اُٹھایا۔ (جامع العلم ص۴۷)

اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

من جاء اجله وهو يطلب علماً يحيي به الاسلام لم تفضله النبيون الا بدرجة۔ (جامع العلم ص۴)

جس شخص کی موت اس حالت میں آگئی کہ وہ اسلام کو زندہ کرنے کے لئے علم حاصل کر رہا تھا تو انبیاء علیہم السلام کو بھی اُس سے صرف ایک درجہ فضیلت حاصل ہوگی۔

اور حضرت ابوہریرہ اور ابوذر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

اذا جاء الموت لطالب العلم وهو على تلك الحال مات شهيدا (جامع)

جب طالب علم کو بحالت طالب علمی موت آجاوے تو وہ شہید ہو کر مرتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ سے لوگوں نے کہا کہ آپ کب تک علم طلب کرتے رہیں گے فرمایا کہ انشاء اللہ تعالیٰ موت تک۔ پھر ایک مرتبہ اُن سے کسی نے یہی سوال کیا تو فرمایا کہ وہ کلمہ جو میرے لئے نافع اور باعث نجات ہے۔ شاید اب تک میں نے اُس کو نہ لکھا ہو (اس لئے میں ہمیشہ طلب میں لگا رہتا ہوں)۔

طالب علمی میں فقر و فاقہ پر صبر حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ یہ علم (دین) اس وقت تک کسی کو حاصل نہیں ہوتا جب تک اس کو فقر و فاقہ کا مزانہ چکھایا جائے۔ پھر امام حدیث ربیعہؒ کے فقر و افلاس کا ذکر کیا کہ طلب علم کی وجہ سے ان کو یہ نوبت آئی کہ گھر کی چھت فروخت کر دی اور یہانتک کہ وہ خراب کھجوریں اور مویز منقیٰ جو مدینہ کی کوڑیوں پر پھینک دیئے جاتے تھے اس کو کھا کر گزارا کرتے تھے۔

امام ابو یوسفؒ کی طالب علمی ابراہیم بن جراحؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ابو یوسفؒ سے خود سنا ہے۔ فرمایا کہ ہم نے بھی طلب علم کیا اور ہمارے ساتھ اتنے لوگوں نے علم طلب کیا کہ ہم ان کو شمار نہیں کر سکتے۔ مگر علم سے نفع صرف اس شخص نے حاصل کیا جس کے قلب کو دودھ نے رنگ دیا تھا۔ مراد اس کی یہ تھی کہ طالب علمی کے وقت ابو یوسفؒ کے گھر والے ان کے لئے روٹی دودھ میں ڈال کر رکھ دیتے تھے۔ وہی صبح کے وقت کھا کر حلقۂ درس میں پہنچ جاتے تھے اور پھر واپس آکر بھی وہی کھاتے تھے۔ کسی عمدہ کھانے پکانے کا انتظار کرنے میں وقت ضائع نہ کرتے تھے۔ اور دوسرے لوگ حلوا وغیرہ تیار کرنے میں مشغول ہو کر سبق کے ایک حصّے سے محروم رہ جاتے تھے۔

امام شافعیؒ کی طالب علمی حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس علم دین کو کوئی شخص مال و دولت اور عزّت وجاہ کے ساتھ حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اس میں صرف وہ شخص کامیاب ہوتا ہے جو تنگیٔ عیش اور اساتذہ کے سامنے اپنے نفس کو حقیر کرنے اور علم و علماء کی عزّت کرنے کو اختیار کرے۔

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میں بہت چھوٹی عمر میں یتیم ہو گیا تھا میری پرورش نہایت عسرت کے ساتھ میری والدہ کرتی تھیں۔ جب میں پڑھنے کے قابل ہوا تو والدہ نے مجھے مکتب میں بٹھلا دیا۔ مگر ان کو اتنی استطاعت نہ تھی کہ وہ میرے استاد کی کوئی خدمت مالی کر سکتی۔ اس لئے میں نے ان کو اس پر راضی کیا کہ جس وقت آپ کہیں جائیں یا کسی ضرورت کی وجہ سے تعلیم نہ دے سکیں تو میں خلیفۂ مکتب کے طور پر آپ کا کام کیا کروں۔ اس طرح میں نے قرآن مجید ختم کیا۔

اس کے بعد میں نے علماء کے حلقۂ درس میں حاضر ہونا شروع کیا۔ جو حدیث یا کوئی مسئلہ میں اساتذہ سے سنتا اس کو لکھنے کی کوشش کرتا تھا۔ مگر میری والدہ کے پاس اتنے پیسے نہ

تھے کہ اُن سے میں کاغذ خرید سکوں۔ اس لئے میں نے یہ طریق اختیار کیا کہ کوئی صاف ہڈی نظر پڑتی تو اُٹھا لیتا تھا اور اُس پر لکھ لیتا۔ جب وہ سب پوری ہو جاتی تو اُس کو ایک تھلیہ میں ڈال کر محفوظ کر لیتا تھا۔ اسی حال پر ایک زمانہ گزر گیا۔ اس کے بعد اتفاقاً والی یمن تشریف لائے تو بعض قریشی بزرگوں نے اُن سے میری سفارش کی کہ وہ مجھ کو اپنی ساتھ رکھیں اس نے بخوشی منظور کیا۔ مگر میری والدہ کے پاس اتنی وسعت نہ تھی کہ وہ مجھے ایک جوڑا کپڑے ایسے بنادیں جو امراء کی مجلس و صحبت میں رہنے کے لئے مناسب ہو۔ مجبور ہو کر والدہ نے اپنی چادر فروخت کی جس کی قیمت سولہ دینار وصول ہوئی۔ اُن سے میرے لئے کپڑے تیار کئے گئے۔

میں والی یمن کے ساتھ یمن پہنچا اُنھوں نے مجھے ایک کام دیا میں نے شکر کے ساتھ قبول کیا پھر اور کام بڑھا دیا اور بڑھاتے رہے۔ اسی اثناء میں یمن کے کچھ لوگ مکہ معظمہ بغرض عمرہ حاضر ہوئے اُنھوں نے اہل مکہ سے میرے عمدہ عمل کی تعریف کی جس سے میری شہرت ہو گئی۔ پھر یمن سے اپنے وطن واپس آیا اور ابن ابی یحییٰ سے ملنے کے لئے گیا۔ میں نے سلام کیا تو اُنھوں نے مجھے ڈانٹا اور فرمایا کہ تم لوگ ہماری صحبت میں رہتے ہو پھر ایسا ایسا کرتے ہو۔ یعنی امراء و حکام کے ساتھ رہنے کو گوارا کرتے ہو۔

اس کے بعد میں حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا اُنھوں نے دوسرے انداز سے مجھے تنبیہ فرمائی۔ اخلاق و مروت کے ساتھ پیش آنے کے بعد فرمایا کہ آپ کا واقعہ ہمیں معلوم ہوا مگر ہمیں یہ کچھ پسند نہ آیا۔ درحقیقت آپ نے اُس فرض کو ادا نہ کیا جو علم کی وجہ سے آپ پر عائد ہو چکا ہے (یعنی علم کی نشر و اشاعت)۔ خیر اب جو کچھ ہونا تھا ہو گیا آئندہ اس خدمت کی طرف عود نہ کرنا۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مجھ پر سفیان ثوریؒ کی نصیحت کا بہ نسبت ابن ابی یحییٰؒ کے معاملے کے گہرا اثر ہوا اور میں نے حکومت کی ملازمت چھوڑ دی۔

اور حضرت امام شافعیؒ فرماتے تھے کہ میں نے امام محمد بن حسن شیبانی (امام اعظمؒ کے شاگرد) سے اس قدر علم حاصل کیا ہے کہ (اگر اُس کو لکھا جاوے) تو ایک اُونٹ کا بوجھ ہو جاوے اور فرمایا کہ جو شخص علم حاصل کرنے کے لئے تھوڑی دیر کی ذلت گوارا نہیں کرتا وہ ہمیشہ جہل کی ذلت میں گرفتار رہتا ہے۔

اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا:۔

واعلموا ان الناس ابناء مایحسنون وقدر کل امرءٍ مایحسن فتکلموا فی العلم تتبیّن اقدارکم

خوب سمجھ لو کہ آدمی اُس کام کی طرف منسوب ہوتا ہے جس کو وہ اچھی طرح انجام دے سکے اور ہر آدمی کی قدر و منزلت اُسی کام سے ہوتی ہے جس کو وہ بخوبی جانتا ہو۔ اس لئے تم لوگ علم کو اختیار کرو اُس میں گفتگو کرو تو تمہاری قدر ظاہر ہو گی۔

علماء نے کہا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا یہ ارشاد کہ قیمۃ کل امرءٍ مایحسن۔ ایسا کلمہ ہے کہ اُس کی نظیر کسی حکیم سے منقول نہیں۔ بہت سے شعراء نے اُس کو نظم کیا ہے خلیل ابن احمدؒ کا شعر اسی کے متعلق یہ ہے ؎

قیمۃ المرء کل مایحسن المرٔ ءقضاءٌ من الامام علیؓ

(ترجمہ) قیمت آدمی کی ہر وہ چیز ہے جس کو وہ اچھی طرح انجام دے سکے۔ یہ فیصلہ ہے حضرت امام علی رضی اللہ عنہ کا۔

اور حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص کو اُس کا علم کافی ہو سکتا تو حضرت موسیٰ علیہ السّلام کو ہو سکتا تھا کہ حق تعالیٰ نے اُن کو وہ علم دیا تھا کہ اُس وقت اُس کی نظیر نہ تھی۔ لیکن باایںہمہ وہ حضرت خضر علیہ السّلام سے عرض کرتے ہیں۔

هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا۔

کیا میں آپ کی صحبت میں رہوں کہ آپ مجھے اُس رشد و ہدایت کی تعلیم دیں جو آپکو اللہ کی طرف سے دی گئی ہے

حکمت از حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ علم عقلمند آدمی کی گم شدہ چیز ہے وہ جس جگہ اور جس کے پاس ملے اُس کو حاصل کر لو۔ اگرچہ کفار و مشرکین ہی کے ہاتھ میں ہو۔ اور کسی شخص کو اُس میں ہرگز انقباض و تکلف نہ ہونا چاہیے کہ اپنے شاگرد سے کوئی علم حاصل کرے۔

اور حضرت عیسیٰ بن مسیبؒ فرماتے ہیں کہ ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے فرمایا کہ جب تم کوئی حدیث سنو تو اُسی وقت اُس کو کسی سے بیان کرو۔ اگرچہ وہ شخص اُس کے سننے کا مشتاق بھی نہ ہو۔ کیونکہ اگر تم نے ایسا کر لیا تو یہ حدیث تمہارے حافظہ پتھر کی لکیر ہو جائے گی۔

جالینوس

رئیس الاطباء والحکماء جالینوس سے کسی نے پوچھا کہ تم فن طب میں تمام اپنے ہمعصروں میں کس وجہ سے ممتاز ہو۔ اُس نے کہا کہ اس لئے کہ میں نے کتب

بینی کے لئے چراغ کے تیل پر اُس سے زیادہ خرچ کیا ہے جتنا اُنھوں نے شراب پینے میں اڑایا اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ یہ مقولہ افلاطون کا ہے۔

(۱) حضرت لیث بن سلیمؒ فرماتے ہیں کہ مجھے امام حدیث طاؤسؒ نے فرمایا کہ تم جو کچھ علم حاصل کرو اپنے نفس کے لئے کرو۔ کیونکہ لوگوں میں سے امانت اور حیاء جاتی رہی۔

(۲) ایک عورت نے امام حدیث شعبی رحمۃ اللہ سے کسی مسئلہ کے متعلق کہا " اے عالم مجھے اس معاملہ میں فتویٰ دیجئے" شعبی نے فرمایا کہ عالم تو وہ ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرے۔

(۳) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا ارشاد ہے کہ اگر تم نے لوگوں سے ایسی حدیث بیان کی جس کو وہ صحیح نہیں سمجھ سکتے تو وہ حدیث اُن کے لئے فتنہ ہو جاتی ہے۔ اور یہی مضمون حضرت ہشام نے اپنے والد عروہ رضی اللہ عنہ سے بھی نقل کیا ہے۔ (جامع العلم صفحہ ۶۹)

(۴) حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :۔

تعلموا العلم وعلموه الناس وتعلموا له الوقار والسکینة وتواضعوا لمن تعلمتم منه ولمن علّمتموه ولا تکونوا جبابرة العلماء فلا یقوم جهلکم بعلمکم۔

علم سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ۔ اور علم کے لئے وقار و سکینت سیکھو اور جس سے تم نے علم حاصل کیا ہے اور جس کو علم سکھایا ہے دونوں کے لئے تواضع کرو اور متکبر علماء میں سے مت بنو تاکہ تمہارا جہل تمہارے علم پر غالب نہ آوے۔

(۵) حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نہایت متین اور صاحب وقار تھے۔ ایک مرتبہ آپ نے دیکھا کہ طلباء علم حدیث آپ کو دیکھتے ہی مجلس کی طرف دوڑنے لگے۔ فرمایا کہ اگر یہ لوگ اپنی طلب و سعی میں اللہ تعالیٰ کا ارادہ کرتے تو قدم قریب رکھتے۔

(۶) مشہور ہے کہ ارحموا عالماً یجری علیه حکم جاهل۔ (ترجمہ) اُس عالم پر رحم کرو جس پر کسی جاہل کا حکم چلتا ہو (کیونکہ وہ بڑی مصیبت میں ہے)۔

(۷) حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ثلاثة لا یستخف بحقهم الا منافق ذوالشیبة فی الاسلام والامام المقسط ومعلم الخیر۔ (جامع العلم صفحہ ۶۰)

تین شخص ایسے ہیں کہ اُن کی اہانت بجز منافق کے کوئی نہیں کر سکتا۔ ایک تو بوڑھا مسلمان۔ دوسرا امام عادل تیسرا نیک بات سکھانے والا استاد۔

اللّٰهم وفقنا لما تحب وترضی من القول والفعل والعلم والعمل والفضل والنیة

وما لا نبلغه صلی علیہ وسلم

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

۷ ذیقعدہ ۵۸ھ

آلاتِ جدیدہ اور مسلمان

عنوانِ بالا پر احقر نے ایک مضمون المفتی سالِ رواں[1] کے ابتدائی پرچوں میں لکھا تھا جو الحمد للہ مفید و مقبول ہوا۔ حال میں ہفتہ وار اخبار "مسلم" دہلی میں ایک مضمون زیرِ عنوان دنیائے ایجادات میں اسلاف کے علمی و عملی کارنامے شائع ہوا ہے جو نہایت مفید ہے اس لئے اس کا خلاصہ نقل کیا جاتا ہے تاکہ احقر کے سابق مضمون کے ساتھ بطور ضمیمہ سمجھا جائے۔

عیسائی مورخین خواہ کتنی ہی غلط بیانیوں سے کام لیں مگر تاریخ اور منصف مزاج عیسائی مورخین کی شہادتوں کو ہرگز جھٹلایا نہیں جا سکتا یہی وجہ ہے کہ مصر کا مشہور جرجی زیدان جو ہمیشہ مسلمانوں کے بڑے سے بڑے کارنامے کو اس انداز سے بیان کیا کرتا ہے جس سے اس کا وزن کم ہو جائے اور اس کی واقعیت اور اہمیت میں کمی واقع ہو یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہے۔ جرجی زیدان لکھتا ہے:-

"اس میں شبہ نہیں کہ مسلمان ہی فن کیمیا (جدید سائنس) کے موجد ہیں (ملاحظہ ہو تمدن العرب جرجی زیدان کے علاوہ اور بے شمار مورخین اور مصنفین نے مسلمانوں کو جدید علوم و فنون کا موجد تسلیم کیا ہے۔ خود جرجی زیدان نے مسلمانوں کے علوم و فنون کے تذکرہ میں ان ایجادات کا شمار کرایا ہے جن پر جدید سائنس کا دار و مدار ہے۔ ٹیلیگرام، ٹیلیفون، وائرلیس، توپ، بارود، ہوائی جہاز، تیزاب، صابون وغیرہ جن کو لوگ جہالت اور کم علمی کے باعث یوروپ کی ایجاد بتلاتے ہیں۔ یہ چیزیں مسلموں ہی کی بنائی ہوئی ہیں۔ اور ان چیزوں کی ایجاد کا سہرا مسلمانوں کے سر ہے۔

مسلمان جب ممالک عالم فتح کرتے کرتے آگے بڑھتے گئے تو ان کو یونانیوں کا وہ ذخیرہ

---

[1] یہ مضمون ۵۸ھ میں رسالہ المفتی میں شائع ہوا تھا۔

بھی ہاتھ لگا تھا جو کیمیا سے متعلق تھا۔ یونانیوں کا خیال تھا کہ سونا اور چاندی پارہ گندھگ وغیرہ مخصوص طریقہ پر آمیزش سے بنا ہے۔ شروع شروع میں مسلمانوں نے جب اس عجیب وغریب نظریہ کو معلوم کیا تو اس کی تحقیق اور عملی درجہ میں پایۂ تکمیل کو پہنچانے کی سعی شروع کردی۔ مختلف قسم کے تجربات اور شواہد عمل میں لائے مگر یونانیوں کا یہ نظریہ نظریہ کی حیثیت سے آگے عملی درجہ میں صحیح ثابت نہ ہوسکا۔

اس سلسلہ میں مسلمانوں نے جو تجربات کئے وہ ان کی ان قدیمی تصنیفات میں ملتے ہیں جو بدقسمتی سے یورپ کے کتب خانوں میں موجود ہیں۔

علم کیمیا کی تاریخ تو بہت طویل ہے مگر بہ نظر اختصار اتنا عرض ہے کہ امام جعفر معاویہ بن یزید بن معاویہ جابر بن خالد اور حکیم رازی اس فن کے خاص امام شمار کئے جاتے ہیں۔ علم کیمیا میں جابر بن حیان کو یورپ والوں نے استاد تسلیم کیا ہے۔ اور بیشتر علم کیمیا کے بنیادی اصول انہی حضرت کے تجربات اور شواہد ہیں۔ جابر بن حیان نے اس فن پر بہت سے رسالے لکھے جو اب بھی کہیں کہیں جستجو کرنے پر مل جاتے ہیں۔

فرانس کا مشہور مورخ ڈاکٹر لیبان نے اپنی کتاب تمدن عرب میں جابر بن حیان کا زمانہ آٹھویں صدی عیسوی بتلایا ہے۔

مسلمانوں نے جب اس علم کی طرف توجہ کی تو اس کو درجۂ عروج پر پہنچا کر ایک ترقی یافتہ فن بنا دیا۔ ڈاکٹر موصوف لکھتے ہیں کہ۔

"علم کیمیا میں عربوں نے یونانیوں سے جو کچھ پایا تھا وہ بہت ہی کم تھا وہ بڑے بڑے مرکبات جن سے یونانی بالکل ناواقف تھے عربوں نے ہی ایجاد کئے" (تمدن عرب ص۴۲۵)

جابر بن حیان کے متعلق لکھتے ہیں:۔ "جابر کی تصنیفات میں بہت سے ایسے مرکبات کا ذکر ہے جو اس سے قبل معلوم نہ تھے۔ اس کی تصنیفات میں سب سے پہلے کیمیائی عملیات مثلاً کسی تصعید قلم بندی پانی میں حل کرنے اور گلانے کا بیان ہے۔"

ان حوالجات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے علم کیمیا میں شب و روز کی جدوجہد سے نئے نئے معلومات حاصل کئے اور اس فن کو کہیں سے کہیں تک پہنچا دیا۔ اگرچہ شروع شروع میں مسلمانوں نے اس فن کی طرف توجہ اس نیت سے کی تھی کہ وہ سونا چاندی بنانے میں کامیاب ہوجائیں۔ گو ان کو اس مقصد میں کامیابی نہ ہوئی مگر ہر چیز کی تحلیل وترکیب

کے نئے اصول و قواعد ضرور معلوم ہو گئے۔

ڈاکٹر لیبان نے اپنی کتاب میں مسلمانوں کی اس جد و جہد کو سراہا ہے جو انھوں نے اس فن کو ترقی دینے کے سلسلہ میں کی تھی۔ ڈاکٹر لیبان اگرچہ یورپین مورخ ہیں مگر ان میں تعصب اور ہٹ دھرمی نہیں اس لئے انصاف کی جو بات ہوتی ہے اس کو لکھنے سے وہ گریز نہیں کرتے ڈاکٹر صاحب نے کیمیاوی تحقیقات کے ذیل میں اُن یورپین مورخین کی غلط بیانی کی پُر زور تردید کی ہے جو انھوں نے مسلمانوں کے عظیم الشان کارناموں کو خفیف ترین ثابت کرنے کے لئے غلط کوشش کی ہے۔ مثلاً عام طور سے یورپین کیمسٹری کی تاریخ اور ایجادات کے سلسلہ میں بارود کا موجد راجر بیکن" کو بتلایا ہے۔ ڈاکٹر موصوف نے اس تحقیق کی تغلیط کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ راجر بیکن بارود کا موجد نہیں بلکہ مجدد تھا راجر بیکن کو عربوں کا بارود کا پرانا نسخہ ہاتھ لگ گیا تھا اور اسی نسخہ کی راجر بیکن نے تجدید کی تھی۔ ڈاکٹر موصوف بارود کے تذکرہ کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ :-

"رینو اور فادسے کی تحقیقات اور اس سے پہلے کا کیسری اور آندسے اور بارود وغیرہ کی تحقیقات نے ثابت کر دیا ہے کہ بارود عربوں ہی کی ایجاد ہے انھوں نے توپ اور بندوق ایجاد کی"۔

آگے چل کر ڈاکٹر موصوف نے یہ بھی بتلایا ہے کہ یورپ والوں کو بارود کو کیا اور کہاں سے ہاتھ لگی اور پہلی مرتبہ کب انھوں نے بارود استعمال کی۔ آگے لکھتے ہیں کہ :-

"توپ سب سے پہلے ۱۳۴۶ء میں کرلیسی کی لڑائی میں یورپ والوں نے استعمال کی لیکن عربوں کی تصنیفات سے پتہ چلتا ہے کہ توپ اس سے بہت پہلے استعمال تھی"۔

آگے ابن خلدون کے حوالہ سے لکھتے ہیں :- کہ ابو یوسف سلطان مراکش نے ۶۷۲ھ ۱۲۷۳ء میں بجلماسہ کا محاصرہ کیا اس نے آلات محاصرہ کو شہر کے سامنے لگا۔ ان میں عرادے اور نفط کے ہندام تھے جن سے لوہے کے ریزے برسائے جاتے تھے۔ یہ ریزے ہندام کے صندوق میں بھرے جلتے تھے اور اُن کے پیچھے بارود ہوتی تھی جس میں آگ لگا دی جاتی تھی۔ اس محاصرہ کے وقت انگریز کونٹ ڈربی اور سالبسری وہاں موجود تھے۔ انھوں نے بارود کے اس نئے استعمال کو دیکھا اور اس ایجاد کو اپنے ملک میں لے گئے۔ اور چار سال بعد کرلیسی کی لڑائی میں توپ کا استعمال کیا"۔

اس سلسلہ میں یہ امر خاص طور پر قابلِ ذکر ہے کہ عربوں کی قدیمی تصنیفات میں اردو کے نسخہ کے اجزاء کا جو وزن درج ہے وہ کم وبیش اسی طرح یورپ میں آج کل بھی زیرِ استعمال ہے۔ اوزان اور اجزاء کے تطابق سے اس نظریہ کی نہ صرف تائید بلکہ تحقیق ہو جاتی ہے کہ اردو کے موجد درحقیقت مسلمان عرب ہی تھے۔ (انتہٰی)

علماء طلباء کے لئے زرّیں نصائح

از قطب وقت شیخ عبدالوہاب شعرانی قدس سرّہٗ

بعض اکابر علماء و مشائخ کی تصانیف کے مطالعہ سے ممانعت

بعض علماء و مشائخ کی تصانیف عام لوگوں کے احاطۂ ادراک سے بلند ہیں اور بعض میں ایسا بھی ہوا ہے کہ دشمنوں نے غلط مضامین اور کفریہ عقائد اُن میں داخل کر کے اُن کی طرف منسوب کر دیا ہے۔ اس لئے ان حضرات کی کتابوں کا مطالعہ عوام کو بلکہ عام اہلِ علم کو بھی مناسب نہیں۔ جب تک تمام علوم ضروریہ میں مہارتِ تامّہ نہ ہو ان کتابوں کے مطالعہ سے آفات میں مبتلا ہو جانے کا خطرہ ہے۔ امام شعرانیؒ نے لطائف المنن والاخلاق میں چند بزرگوں کی تصانیف کا اس سلسلہ میں ذکر کیا ہے۔

مثلاً فرمایا ہے کہ محمد بن حزم ظاہری کی تصانیف جو اصولِ دین اور عقائد سے متعلق ہیں اُن کے مطالعہ سے کلی اجتناب چاہیئے۔

اسی طرح فرمایا کہ شیخ محی الدین ابن العربیؒ کی تصانیف عام مدارک سے بہت زیادہ بلند ہیں اور اُن کی بعض تصانیف میں خصوصاً فتوحات و فصوص وغیرہ میں ملحدین اہلِ باطل نے بہت سے کفریہ مضامین داخل کر دیئے ہیں۔ فرمایا کہ شیخ ابوطاہر نے اپنے شیخ بدر الدین ابن جماعۃ سے نقل کیا ہے کہ شیخ محی الدین ابن العربی کی کتابوں میں جس قدر مضامین جمہور علماء کے خلاف پائے جاتے ہیں وہ سب ملحدین کے اضافے ہیں۔ اور شیخ مجد الدین صاحب قاموس بھی یہی فرماتے تھے۔ اور فرمایا کہ شیخ شمس الدین مدنی میرے پاس فتوحات کا ایک نسخہ قلمی

لائے جس کا مقابلہ اس نسخہ سے کیا ہوا تھا جو خود حضرت شیخ کے قلم کا لکھا ہوا تھا۔ میں نے اُس میں تلاش کیا تھا تو اُن غلط مضامین کا اُس میں کہیں نام نشان نہ تھا۔

اسی طرح امام عمر بن محمد اشبیلی اشعری رح نے اپنی کتاب لحن العوام[ل] میں فرمایا ہے کہ امام غزالی کی کتاب احیاء العلوم کے بعض مواضع ایسے ہیں کہ جو شخص تمام علوم میں ماہر اور ذوق سلیم نہ رکھتا ہو اُس کے لئے اُن کا مطالعہ سخت مضر ہے۔ اسی طرح امام غزالی کا رسالہ کتاب النفخ والتسویہ میں بہت سے غلط مضامین درج کر دیئے گئے ہیں۔

اسی طرح فرمایا کہ شیخ ابوطالب مکی کی کتاب قوت القلوب کے بعض مواضع بھی ایسے ہی ہیں۔ نیز منذر بن سعید بلوطی کی کتابیں اعتزال سے بھری ہوئی ہیں۔ اسی طرح ابن برجان کی تصانیف اور علامہ زمخشری کی تفسیر کشاف کے بہت سے مواضع بھی اعتزال سے بھرے ہوتے ہیں۔

اور فرمایا کہ کتاب اخوان الصفا جو باون رسالوں پر مشتمل مجریطی کی تصنیف ہے اُس کے مطالعہ سے بھی اجتناب کرنا چاہیئے۔ کیونکہ مشہور یہ ہے کہ یہ شخص خلاف اسلام عقائد رکھنے والا ملحدین میں سے تھا۔

نیز ابراہیم نظام اور ابن راوندی اور عمرو بن مثنی کی کتابوں کا مطالعہ بھی سخت مضر ہے نیز شیخ عبدالکریم جیلی کا قصیدہ عینیہ مضمومہ کا مطالعہ بھی مضر ہے (لطائف المنن ص ۲۲۹)

طالب علمی میں عمل کی کوشش۔ فرمایا کہ سیدی علی خواص رض کا ارشاد ہے کہ طلبہ کے لئے یہ مناسب نہیں کہ اپنے نفس کو عمل سے فارغ رکھیں اور یہ سمجھیں کہ پہلے علم حاصل کر لیں فارغ ہو کر عمل کی طرف متوجہ ہوں گے۔ یہ شیطانی وسوسہ ہے جس کے ذریعہ شیطان اُن کو زوائد علوم میں جن کی حاجت دین میں شاذ و نادر واقع ہوتی ہے مشغول رکھتا ہے اور عمل کی توفیق نہیں ہوتی۔

نیز فرمایا کہ میں چاہتا ہوں علماء و طلباء کوئی حرفہ اور صنعت بھی ضرور سیکھیں جس

[ل] یعنی اغلاط اخلیہ۔ اس کتاب میں امام موصوف نے اُن غلطیوں پر متنبہ فرمایا ہے جن میں عموماً مسلمان مبتلا ہیں۔ ہمارے زمانہ میں محمد لله یہ کام مجدد ملت سیدی حضرت حکیم الامۃ تھانوی دامت برکاتہم نے پورا کیا اور اسی زمانہ کی اغلاط پر ایک رسالہ میں متنبہ فرمایا جس کا نام اغلاط العوام ہے ۱۲ محمد شفیع۔

سے اُن کا معاش حاصل ہو۔ تاکہ وہ دنیا کے بدلے دین کو فروخت نہ کریں۔ اور لوگوں کے صدقات وخیرات پر اُن کی نظریں نہ جائیں۔ کیونکہ (بلا ضرورتِ شدیدہ ناجائز طور پر) صدقات کے کھانے سے اُن کی عقل کا نور مٹ جاتا ہے۔ بخلاف طعام حلال کے کہ اُس سے نورِ عقل بڑھتا ہے۔

فرمایا کہ ایک مرتبہ میں ایسے حکماء کی ایک مجلس میں پہنچ گیا جو اپنے کھانے پینے کی چیزوں میں احتیاط نہ کرتے تھے۔ میں نے دیکھا کہ اُن کے تمام علمی سوالات و مذاکرات ایسے واہی اور بیکار امور کے متعلق تھے جو علماء کی شان سے بہت گرے ہوئے تھے۔ میں نے سمجھا کہ یہ سب اُسی مشتبہ کھانے کا وبال ہے (لطائف المنن والاخلاق للشعرانی ص ۲۷۴)

واللہ الموفق والیہ المرجع والمآب

بندہ **محمد شفیع** عفا اللہ عنہ۔
۲۰ ذی الحجہ ۱۳۵۸ھ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ایک نصیحت

حضرت امام مالکؒ نے مؤطا میں نقل فرمایا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام فرمایا کرتے تھے۔

لا تکثروا الکلام بغیر ذکر اللّٰہ فتقسوا قلوبکم فان القلب القاسی بعید من اللّٰہ ولکن لا تعلمون ولا تنظروا فی عیوب الناس کانکم ارباب وانظروا فی ذنوبکم کانکم عبید فانما الناس مبتلی ومعافی فارحموا اھل البلاء واحمدوا اللّٰہ علی العافیۃ

ذکر اللہ کے سوا اور باتیں زیادہ نہ کیا کرو کہ اگر ایسا کروگے تو تمہارے دل سخت ہوجائیں گے اور سخت دل اللہ سے دُور ہے لیکن تم جانتے نہیں۔ اور آقا کی طرح لوگوں کے عیوب پر نظر نہ کرو بلکہ غلاموں کی طرح اپنے گناہوں کی فکر کرو۔ کیونکہ آدمی دو قسم پر ہیں۔ گرفتار بلاء۔ اور بعافیت تو تمہیں چاہیے کہ گرفتار بلا (یعنی گناہگاروں) پر رحم کرو

(از ترغیب للمنذری صا۲۱۵) | اور اپنی عافیت پر خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔

حقیقی حیاء

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

الاستحیاء من اللہ حق الحیاء ان تحفظ الراس وما وعی و تحفظ البطن وما حوی ولتذکر الموت والبلیٰ ومن اراد الاٰخرۃ ترک زینۃ الدنیا فمن فعل ذٰلک فقد استحییٰ من اللہ حق الحیاء (رواہ الترمذی از ترغیب مذکور صـ۱۵۹)

اللہ تعالیٰ سے کامل حیاء کرنے کی صورت یہ ہے کہ تم اپنے دماغ اور اس کے خیالات کی حفاظت کرو (کہ خلاف شرع کوئی چیز اس میں نہ آوے) اور اپنے پیٹ اور اس کے اندر کی چیز کی حفاظت کرو (کہ کوئی حرام چیز اس میں نہ جاوے) اور یہ کہ تم موت اور (اس کے بعد) مٹی ہوجانے کو یاد کرو اور جو شخص آخرت کا ارادہ کرتا ہے وہ (بے مروت) دنیا کی زینت چھوڑ دیتا ہے پس جس شخص نے یہ کام کر لئے اس نے اللہ تعالیٰ سے حیاء کا حق ادا کر دیا۔

واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ
دیوبند ۲۰ ذی الحجہ سنہ ۵۹ھ

امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ

امیر المؤمنین منصور عباسی کے دربار میں

اس سلسلہ میں آج جو چند مضمون پیش کئے جاتے ہیں میرے استاد محترم اور بہنوئی حضرت مولانا نبیہ حسن صاحب مرحوم سابق مدرس دار العلوم دیوبند کی یادگار ہے آپ ہی کے قلم سے لکھے ہوئے کاغذات میں نکل آیا جس کے اوراق پریشان دیکھ کر مولانا مرحوم کا تصور آنکھوں میں کھنچ گیا۔ گو

دلمیں ایک درد اٹھا آنکھوں میں آنسو بھر آئے   بیٹھے بیٹھے ہمیں کیا جانئے کیا یاد آیا

مناسب معلوم ہوا کہ ان مضامین عالیہ کو کشکول کا جزو بنا دیا جائے۔

امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ اسلام کے ان لائق فرزندوں میں سے ہیں جن کے وجود پر اگر اسلام کو ناز ہو تو بجا ہے۔ آپ کے گرانقدر کارنامے صفحہ تاریخ پر آج تک ایک نمایاں روشنی

رکھتے ہیں۔

آپ کا اسم گرامی عبدالرحمٰن ہے اور کنیت ابوعمرو یہ علم و ہدایت کا آفتاب ۸۸ھ میں بعلبک کے افق پر طلوع ہوا۔ ابھی تک یہ نونہال آغوش مادر سے بھی مستغنی نہیں ہوا تھا کہ حوادث زمانہ نے اُس پر یتیمی کا داغ دیا۔

والد کے سایۂ عطوفت کا بچپن میں سر سے اُٹھ جانا بچوں کی تعلیمی زندگی کے لئے جس قدر مہلک ہے وہ ظاہر ہے۔ مگر خداوند عالم کے الطاف خفیہ نعمائے غیر متناہیہ کسی کی ریاست اور حشم و خدم یا قبیلہ اور اعزاء و اقرباء کی شوکت دیکھ کر نازل نہیں ہوتیں۔ بلکہ اُس کی شان تو یہ ہے:۔

انا عند المنکسرۃ قلوبھم } میں شکستہ دلوں کے پاس ہوں

بہر حال آپ کی تعلیم و تربیت بھی اگرچہ والدہ کی آغوش میں ہوئی لیکن خداوند عالم کے فضل سے ابھی تک ایام شباب کو بھی نہیں پہنچے کہ تمام علوم و فنون میں وہ مہارت حاصل کر لی جو محتاج بیان نہیں یہاں تک کہ قوت اجتہاد اور علم و عمل ذکاوت طبع تقویٰ و طہارت میں اپنے زمانہ کے ممتاز لوگوں میں شمار کئے جاتے تھے۔

اسماعیل بن عیاش فرماتے ہیں کہ میں نے لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سُنا کہ عبدالرحمٰن (اوزاعی) علماء امت کے بہترین افراد میں سے ہیں۔

آپ پر علم کا وہ گہرا رنگ چڑھا تھا کہ اُس کے آثار جوارح پر ظاہر ہوتے تھے خشوع و خضوع آپ کے چہرے سے مترشح ہوتا تھا۔ آپ کی ذات مبارک۔

انما یخشی اللّٰہ من عبادہ العلماء } اللہ کے بندوں میں سے علماء ہی اُس سے ڈرتے ہیں۔

کا مظہر اتم تھی۔

ابومسہر کہتے ہیں کہ امام موصوف رات بھر نماز اور تلاوت قرآن اور آہ و زاری میں گذارتے تھے۔ عمر بھر کسی نے آپ کو قہقہہ کے ساتھ ہنستا ہوا نہیں دیکھا۔ بلکہ بلا ضرورت کلام بھی نہ کرتے تھے۔ یوں تو آپ جملہ کمالات علمی اور عملی میں ممتاز شان رکھتے ہی تھے لیکن امر[1] بالمعروف اور نہی عن المنکر آپ کا خاص امتیازی وصف تھا۔ ہر شخص کو بلا تخصیص امیر و غریب اور بلا خوف لومۃ لائم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے تھے۔ آپ کی

---

[1] اچھے کاموں کا ارشاد اور برے کاموں کی ممانعت ۱۲

سشان یہ تھی سہ

شاہ و گدا بہمت درد لاں یکے ست　　پوشیدہ است پست و بلند زمین در آب

بہت مرتبہ آپ امرِ حق کے ظاہر کرنے کی بناء پر دشمنوں کے نرغے میں پھنس گئے مگر وہ ایک کوہ وقار تھے کہ مصائب کی سخت آندھیاں آپ کو اپنی جگہ سے ایک انچ نہ ہلا سکتی تھیں۔

ایک مرتبہ کا واقعہ خود امام ہمام بیان فرماتے ہیں کہ حاکم وقت نے مجھ سے بلا کر پوچھا کہ "فلاں مسئلہ میں آپ کی کیا رائے ہے"۔

حق کہنے میں جان کا خوف تھا۔ دل میں توحش پیدا ہوا۔ لیکن معاً یہ خیال آیا کہ دنیا کی تکلیف خدا کے عذاب کے مقابلہ میں کچھ حقیقت نہیں رکھتی بلا سے جان جائے مگر حق کہنے سے نہ رکنا چاہیئے۔

چنانچہ صاف صاف جو حق تھا بیان کر دیا جس کو سنکر حاکم چراغ پا ہو گیا۔ مگر الحمد للہ مجھ پر اس کا کچھ اثر نہ ہوا۔

اس وقت ہمیں امام اوزاعی کی سوانح لکھنا نہیں بلکہ اُن کی عالی ہمتی اور اولوالعزمی کے کارناموں کا صرف ایک ورق ناظرین کے سامنے کھولا جاتا ہے۔ اور اُن کا ایک واقعہ ہدیہ ناظرین کیا جاتا ہے جو اُن کو خلیفۃ المسلمین ابو جعفر منصور کے ساتھ پیش آیا ہے جس میں آپ دیکھیں گے کہ ایک خدا سے ڈرنے والا بندہ ایک باجبروت بادشاہ کے سامنے کیسا جری ہو کر بے دھڑک تقریر کر رہا ہے۔

ایک روز امام ہمام اوزاعیؒ خلیفۂ وقت ابو جعفر منصور کے دربار میں تشریف لے گئے۔ مگر نہ اس لئے کہ مداہنت کر کے اُس کے مال و دولت سے ناجائز نفع اٹھائیں۔ بلکہ اس لئے کہ اُس کو خداوند عالم کے صحیح صحیح احکام بالمشافہ پہنچا دیں۔ چنانچہ آپ نے ایک دل آویز تقریر شروع کی جس کے دوران میں فرمایا کہ اے امیر المومنین! تمہیں یہ خبر پہنچی ہے کہ فاروق اعظم (باوجود اُس عدل و انصاف کے جو آفتاب کی طرح روشن ہے اور جس کی روشنی کا اعتراف شپر چشم مخالفین اور کفار کو بھی کرنا پڑتا ہے) فرمایا کرتے تھے کہ اگر فرات کے کنارے پر ایک بکری کا بچہ ضائع ہو کر مرتا ہے تو میں ڈرتا ہوں کہ کہیں قیامت کے روز مجھ سے اس کی باز پرس نہ ہو۔

اے ابو جعفر! اب اپنی حالت پر تم خود غور کرو کہ تمہاری سلطنت میں اولاد آدم

انصاف سے محروم ہیں اور ظلم سے مرتے ہیں۔ آخر تمہارا کیا انجام ہوگا۔

اے امیر المومنین! ہم سے یزید بن جابر نے بیان کیا ہے کہ عبد الرحمٰن بن عمرو انصاری نے حضرت عمرؓ سے روایت کی ہے کہ آپ نے انصار میں سے ایک صحابی کو صدقہ زکوٰۃ وغیرہ وصول کرنے پر مقرر کیا یہ صاحب آپ کے پاس سے رخصت ہو گئے آپ کو خیال تھا کہ اپنے کام پر چلے گئے ہوں گے لیکن کچھ دنوں بعد دیکھتے ہیں کہ وہ اب تک مدینہ ہی میں مقیم ہیں بکار مفوضہ پر نہیں گئے آپ نے اس کا سبب پوچھا اور فرمایا کہ آپ نے خدمت مفوضہ میں دیر کیوں کی کیا آپ کو خبر نہیں کہ ایسے لوگوں کا ثواب مجاہدین فی سبیل اللہ کی برابر ہے۔ انصاری نے کہا ہرگز نہیں۔ آپ نے متعجب ہو کر وجہ دریافت کی۔ انصاری بزرگ نے جواب دیا کہ مجھ کو رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث پہنچی کہ تمام حکام جن کے قبضہ میں آج لوگوں کے کاموں کی باگ ہے وہ قیامت کے روز ایسی حالت میں اٹھائے جائیں گے کہ اُن کے ہاتھ اُن کی گردنوں سے بندھے ہوئے ہوں گے۔

اس مصیبت سے سوائے عدل وانصاف کے اور کوئی چیز نہ چھڑا سکے گی۔ اس کے بعد اُن کو آگ کے پل پر کھڑا کیا جائے گا جس کی لپٹ اور اُڑنے والی چنگاریوں سے ایک ایک عضو پگھل جائے گا۔ پھر خدا کے حکم سے سب اعضاء جوڑے جائیں گے۔ اور سلسلہ حساب وکتاب شروع ہوگا۔

عدل وانصاف اچھی طرح کرنے کی صورت میں عذاب الٰہی سے نجات ملے گی ورنہ وہ پھٹ جائے گا اور ستر برس جہنم کی دہکتی ہوئی آگ میں رہنا ہوگا۔

حضرت عمرؓ یہ سنکر سہم گئے اور دریافت کیا کہ تم نے یہ حدیث کس سے سنی ہے۔

انصاری نے کہا ابوذر اور سلمان فارسی سے (رضی اللہ عنہما)

فاروق اعظم اس حدیث کے مضمون سے بہت متاثر تھے فوراً ایک آدمی بھیجکر دونوں کو بلایا۔ جب یہ حضرات تشریف لائے تو حدیث مذکور کے متعلق استفسار کیا۔

بس دونو صاحبوں نے کہا کہ بیشک ہم نے یہ حدیث جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے۔

فاروق اعظم کانپ اُٹھے اور بیساختہ آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور اپنے آپ کو خطاب کر کے کہنے لگے کہ ہائے عمران تکالیف ومصائب کے موجود ہوتے ہوئے کون

ناعاقبت اندیش بارِ حکومت کو اپنے سر پر لے گا۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے ذلیل کیا ہو۔

فاروق اعظم زار زار رونے لگے اور یہاں تک روئے کہ اُن کے رونے پر مجھے رونا آیا۔

اے امیر المومنین! خلیفۂ ثانی رضی اللہ عنہ کے حالات دیکھو اور پھر اپنی حالت کا اندازہ کرو کہ تم نے اُن کی جانشینی کا کہاں تک حق ادا کیا۔

اے امیر المومنین! فاروق اعظم نے آئین جہانداری کے جو مستحکم اُصول بیان فرمائے ہیں وہ ہر اس شخص کو اپنے صفحۂ قلب پر لکھنے چاہئیں جس کو خداوند عالم نے اپنی مخلوق کا محافظ (بادشاہ) بنایا ہو۔

اے امیر المومنین! فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ نظام حکومت کے رشتہ کو وہی قائم رکھ سکتا ہے جو عقل کامل اور تفقہ فی الدین رکھتا ہو۔ اور اس سے کوئی عیب ظاہر نہ ہو۔ اور نہ امر حق کے اظہار میں لومۃ لائم کی پروا کرتا ہو۔

اے امیر المومنین! آپ فرمایا کرتے تھے کہ حکام چار قسم کے ہوتے ہیں ایک تو وہ قوی ہمت جو خود بھی جور و ستم سے بچا رہا اور اپنے عملہ کے لوگوں کو بھی اُس نے تشدد و جبر آمیز حرکات سے محفوظ رکھا ایسے حاکم عادل کا ثواب جہاد فی سبیل اللہ کی برابر ہے اُس پر خداوند عالم نے رحمت کا دروازہ کھول دیا ہے۔

خلیفہ مامون رشید اور ایک کمسن قاضی کی خط و کتابت

خلیفہ مامون الرشید نے قاضی یحییٰ بن اکثم کو جب بصرہ کا قاضی بنا کر بھیجا تو ان کی عمر بہت کم تھی۔ بعض لوگوں نے اس پر خلیفہ مامون رشید کی خدمت میں طعن آمیز خط لکھا۔

کیونکہ اکثر جب حکومت کی باگ ہاتھ میں آتی ہے انسان مغرور ہو کر مظالم کی پروا نہیں کرتا۔ نیز سلطنت اور خلافت کی کٹھن ذمہ داریوں کو بھی ہر شخص پورا نہیں کر سکتا ورنہ اگر سلطان عادل ہو تو پھر اُس کے لئے حدیث میں بڑے بڑے فضائل مذکور ہیں چنانچہ عنقریب آئے گا۔ فاروق اعظم اگرچہ امام العادلین ہیں مگر ابوذر نے محض ترہیب کے لئے یہ فرمایا ہے واللہ اعلم ۱۲ بندہ حسن عفی عنہ۔

مامون نے قاضی یحییٰ ابن اکثم کو خط لکھ کر دریافت کیا کہ آپ کی عمر کیا ہے۔
قاضی یحییٰ ابن اکثم نے جواب میں لکھا کہ :۔
"میں اس وقت اُس عمر میں ہوں جس میں حضرت عتاب ابن اسید رضی اللہ عنہ اُس وقت تھے جب آن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے والی بنایا تھا"
(مبسوط ص ۶۷ جلد ۱)

اختلافِ صحابہ رحمت ہے

حضرت عمر بن عبدالعزیز فرماتے ہیں کہ مجھے ہرگز یہ پسند نہیں کہ صحابہ کرام میں مسائل فروعیہ کا اختلاف نہ ہوتا۔ کیونکہ اگر ایک ہی قول ہوتا تو لوگ تنگی میں پڑ جاتے۔ یہ حضرات مقتدیٰ اور پیشوا ہیں جو شخص ان میں سے کسی کے مذہب پر عامل ہو اُس کے لئے گنجائش ہے۔ (جامع العلم ص ۱۲۳)

قتال کفّار میں مسلمانوں کی شدّت احتیاط

تعلیماتِ اسلام اور تعامل صحابہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک اسلامی لشکر کا امیر بنا کر بھیجا اور اُن کو وصیت فرمائی کہ :۔
کفار سے اُس وقت تک مقاتلہ نہ کر و جب تک پہلے اُن کو دعوتِ اسلام نہ پہنچا دو (اگر اسلام کی حقانیت اُن کے سمجھ میں آجاوے اور قبول کرلیں فبہا) اور اگر اسلام سے انکار کریں تب بھی تم جنگ کی ابتداء خود نہ کرو۔ پھر اگر وہ جنگ شروع بھی کر دیں تو تم اُس وقت بھی مقاتلہ شروع نہ کرو جب تک وہ تم میں سے کسی مسلمان کو شہید نہ کر دیں۔ اور اگر کسی کو شہید بھی کر دیں اُس وقت بھی قتال شروع نہ کرو بلکہ پہلے اُن کو اپنے شہید کی لاش دکھلاؤ اور اُن سے کہو (ھل الی خیر من ھذا سبیل)

یعنی کیا کوئی صورت ایسی بھی (تم کر سکتے ہو) جو قتل و قتال سے بہتر ہو۔

فلان یھدی اللہ تعالیٰ علی یدیک خیر لک مما طلعت علیہ الشمس و غربت (مبسوط شمس الائمہ سرخسی ص۳۱ جلد ۱۰)	کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہارے ہاتھ پر اُن کو ہدایت فرمادے تو یہ تمہارے لئے تمام دنیا و ما فیہا سے بہتر ہے۔

شمس الائمہ سرخسیؒ نے یہ حدیث مبسوط میں نقل کرنے کے بعد دوسری روایات ایسی بھی نقل کی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ دعوت و انذار میں اتنا مبالغہ ضروری نہیں۔ دفعتہً مقاتلہ بھی جائز ہے لیکن محل اُن کا یہی ہے کہ اگر امام و امیر کو اُن کی ہدایت کی طرف سے مایوسی پہلے سے ہو چکی ہے تو پھر دفعتاً بھی قتال کر سکتا ہے۔ ورنہ وہی ترتیب ہے جو حدیث معاذؓ میں ذکر کی گئی۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کوفہ میں

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جو فقہا صحابہ میں مشہور و معروف ہیں۔ آپ نے جب کوفہ میں قیام فرمایا تو علماء و طلباء کا وہ عظیم الشان ہجوم ہوا کہ خاص کوفہ میں آپ کے چار ہزار شاگرد تھے۔ جب حضرت علیؓ کوفہ تشریف لائے۔ اور حضرت ابن مسعودؓ بغرض استقبال تشریف لائے تو آپ کے تلامذہ و اصحاب بھی ساتھ تھے جن کے مجمع عظیم نے تمام افق کو بھر دیا تھا۔ حضرت علیؓ نے یہ دیکھ کر فرمایا :۔

قد ملاءت ھذہ القریۃ علماً و فقھاً (مبسوط شمس الائمہ ج ۱ ص ۶۵)	آپ نے تو اس شہر کو علم و فقہ سے بھر دیا ہے۔

حضرت بشر حافی قدس سرہ

کے

بعض حالات و مقالات

(از تاریخ ابن عساکر ص۲۲۸ ج ۳)

آپ دوسری صدی ہجری کے اُن بزرگوں میں سے ہیں جن کو حق تعالیٰ نے علم ظاہر و باطن، شریعت و طریقت کا امام بنایا تھا۔ حدیث حضرت امام مالک اور حماد بن زید اور فضیل بن عیاض اور عبداللہ بن مبارک

جیسے ائمہ حدیث سے حاصل کی۔ اور محدثین کی ایک بڑی جماعت نے آپ سے حدیث حاصل کی۔ مگر غلبہ تواضع اور ورع و تقوی کی وجہ سے مستقل طور پر تعلیم حدیث کی خدمت اختیار نہیں فرمائی بلکہ زہد و عبادت اور خلوت و گمنامی کا رنگ اختیار کیا۔

ایک مرتبہ آپ نے دیکھا کہ راستہ میں ایک کاغذ پڑا ہوا ہے جس پر اللہ کا نام لکھا ہوا ہے اور وہ پامال ہو رہا ہے۔ آپ نے اس کو اٹھا کر صاف کیا اور ایک درہم پاس موجود تھا اس کی خوشبو خریدی اور اس پر لگا کر ایک دیوار کے اندر حفاظت سے رکھدیا۔ خواب میں دیکھا کہ کوئی کہنے والا کہتا ہے کہ اے بشر تم نے ہمارے نام کو خوشبو سے معطر کیا ہم تمہارے نام کو دنیا و آخرت میں معطر کریں گے۔

آپ فرماتے تھے کہ جب کوئی شخص قرآن مجید حفظ کرے اور جامع سفیان کو ضبط کرے تو اب اس کو چاہیئے کہ عبادت میں لگ جائے (کیونکہ علم بقدر ضرورت حاصل ہو گیا اور مقصود علم سے عمل ہے اب اس میں لگے)۔

جامع سفیان خود بشر حافی ؒ کی جمع کی ہوئی ایک کتاب ہے جس میں سفیان ثوری ؒ کے فتاوی اور مسائل فقہیہ جمع کئے تھے۔

آپ فرماتے تھے کہ جب حق تعالی کو کسی بندہ کی بھلائی منظور ہوتی ہے تو اس پر ایسے آدمی مسلط کر دیتے ہیں جو اس کو ایذاء پہنچائیں۔ اور حضرت سفیان ثوری ؒ فرماتے تھے کہ اس شخص میں کوئی خیر نہیں جس کو لوگوں سے ایذاء نہ پہنچے۔ اور بندہ حلاوت ایمان کا ذائقہ اسوقت تک نہیں پا سکتا جب تک کہ چاروں طرف سے اس پر بلائیں نازل نہ ہوں۔

فرمایا کہ جو شخص یہ چاہے کہ اس کو دنیا میں عزت اور آخرت میں شرف حاصل ہو تو اس کو چاہیئے کہ تین خصلتیں اپنے اندر پیدا کرے۔ ایک یہ کہ کسی سے کسی چیز کا سوال نہ کرے۔ دوسرے یہ کہ کسی کو برائی سے یاد نہ کرے۔ تیسرے یہ کہ کسی کے کھانے کی دعوت قبول نہ کرے۔

ف:۔ جو شخص اخلاص کے ساتھ دعوت کرتا ہے اس کی دعوت قبول کرنا سنت ہے جو عین عزت و شرف ہے۔ مگر اس زمانہ میں عموماً دعوتوں میں اخلاص نمائب ہے۔ اس لئے حضرت بشر ؒ کا یہ ارشاد ایسی ہی دعوت کے متعلق ہے۔

۲۲۷ھ ہجری میں آپ کی وفات ہوئی جنازہ پر خلق اللہ کا وہ ہجوم تھا کہ صبح کی نماز کے بعد جنازہ گھر سے نکلا تو مغرب کے وقت قبرستان پہنچ سکا۔ حالانکہ گرمی کے طویل دن تھے۔

احمد بن فتح فرماتے ہیں کہ بعد وفات میں نے اُن کو خواب میں دیکھا کہ ایک باغ میں ہیں۔ دسترخوان بچھا ہوا ہے۔ اور بشر حافی اس پر بیٹھے ہوئے کھانا کھا رہے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی ساتھ کیا معاملہ فرمایا۔ کہا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر رحم فرمایا اور بخشدیا۔ اور تمام جنت میرے لئے مباح کردی اور حکم دیا کہ تمام جنت میں جہاں چاہو رہو۔ اور کھاؤ پیو۔ کیونکہ دنیا میں اپنے نفس کو خواہشات کے اتباع سے روکتے تھے۔

میں نے پوچھا کہ آپ کے بھائی امام احمد بن حنبلؒ کہاں ہیں فرمایا وہ جنت کے دروازہ پر ہیں۔ اہل سنت والجماعت جو کلام اللہ کے غیر مخلوق ہونے کو مانتے ہیں ان کے لئے شفاعت کرتے اور جنت میں داخل کرتے ہیں۔ (تاریخ ابن عساکر ص۲۲۷ جلد ۳)

امیر المؤمنین ولید بن عبد الملک کے دربار میں

جھوٹی خوشامد کی سزا

ولید بن عبد الملک کے عہد حکومت میں ایک شخص نے ان کی خوشامد کے لئے ایک موضوع حدیث گھڑی اور موضوع سند کے ساتھ ان کے سامنے پیش کی جس کا مضمون یہ تھا کہ "اللہ تعالیٰ جب کسی بندہ کو خلیفہ اور امیر المؤمنین بناتے ہیں تو اس کی حسنات لکھی جاتی ہیں اور سیئات نہیں لکھی جاتی۔

ولید بن عبد الملک نہ کوئی ولی ہیں نہ متقی نہ صلحاء و اتقیاء کے طبقہ میں ان کا شمار ہے مگر عہد نبوت کے قرب کی برکت کا اثر سب میں تھا۔ یہ حدیث سنی تو فوراً کہا کہ یہ بالکل جھوٹ ہے۔ حدیث نہیں ہوسکتی کیونکہ حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے۔

یا داود انا جعلناك خليفة في الارض فاحكم بين الناس بالحق ولا تتبع الهوىٰ فيضلك عن سبيل الله. إنّ الّذين يضلّون عن سبيل الله لهم عذاب شديد بما نسوا يوم الحساب (ص)

اے داؤد (علیہ السلام) ہم نے آپ کو زمین کا خلیفہ بنایا ہے سو آپ لوگوں میں حق کا فیصلہ کریں اور خواہشات کا اتباع نہ کریں کہ اتباع ہوا آپ کو اللہ کے راستہ سے گمراہ کردے گا۔ بیشک جو لوگ اللہ کے راستہ سے گمراہ ہوتے ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہے اس وجہ سے کہ وہ بھول گئے حساب کے دن کو۔

اس آیت میں حضرت داؤد علیہ السلام جیسے اولوالعزم نبی کو خلیفہ بنانے کے ساتھ یہ ارشاد ہے کہ

اگر (بالفرض) خلافِ حق فیصلہ کریں گے تو عذاب شدید کے مستوجب ہوں گے بھر کسی دوسرے انسان کا کیا پوچھنا (فتح الباری بتوضیح ص۹۵ جلد ۱۳)

الغرض ولید بن عبد الملک نے سمجھ لیا کہ یہ روایت اس نے محض میری خوشامد کے لئے گھڑی ہے۔ تو بجائے خوش ہونے کے اُس کا خلاف کیا۔ اور یہ شخص جو دین کو دنیا کے بدلے بیچنا چاہتا تھا دنیا میں بھی خائب و خاسر رہ گیا۔ نعوذ باللہ منہ۔

تنبیہ:۔ اس واقعہ سے اس ارشاد کی تصدیق ہوئی جو حضرت صدیقہؓ نے حضرت معاویہؓ کے ایک خط کے جواب میں لکھا تھا کہ جو شخص کسی مخلوق کو راضی کرنے کے لئے خالق کو ناراض کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس شخص کو ایذاء و تکلیف کے لئے اسی مخلوق کو اس پر مسلط فرما دیتے ہیں (اخرجہ الترمذی)

حضرت سفیان ثوریؒ عسقلان میں

ایک مرتبہ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ عسقلان تشریف لے گئے تین روز تک ٹھیرے کوئی شخص کوئی مسئلہ یا دین کی بات پوچھنے کے لئے نہ آیا۔ تو اپنے رفیق سے فرمایا کہ بھائی میرے لئے سواری کرایہ پر لا دو کہ میں اس شہر سے نکل جاؤں۔ کیونکہ یہ ایسا شہر ہے کہ اس میں علم مرجائے گا۔

(کتاب جامع العلم لابن عبد البر ص۲۴)

صلاح و فساد کے ذمہ دار علماء و امراء

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری اُمت کی دو جماعتیں ایسی ہیں کہ جب وہ درست ہوں گی تو سب آدمی درست ہو جائیں گے۔ اور جب وہ فاسد ہونگی تو سب آدمی فاسد ہو جائیں گے۔ ایک جماعت امراء و ملوک، دوسری علماء۔

اور حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں کہ علماء کی مثال ایسی ہے جیسے نمک کہ جب کوئی چیز خراب ہونے لگے تو نمک اس کی اصلاح کر دیتا ہے لیکن اگر نمک خود ہی خراب ہو جاوے (مثلاً زیادہ ہو جاوے) تو اس کی اصلاح کسی چیز سے نہیں ہوتی۔ (جامع العلم لابن عبد البر ص۲۴)

حضرت زر بن حبیش تابعی کا خط!

امیر المؤمنین عبد الملک بن مروان کے نام

حضرت ممدوح طبقہ تابعین کے ممتاز ائمہ حدیث میں سے ہیں حضرت فاروق اعظم علی مرتضیٰ عبد اللہ

ابن مسعود۔ عبدالرحمٰن بن عوف۔ ابی ابن کعب۔ حذیفہ وغیرہم رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی صحبت پائی ہے اور انھیں سے حدیث کی روایت کرتے ہیں۔ ایک سو بائیس سال کی عمر ہوئی۔ آپ نے خلیفۂ وقت امیرالمومنین عبدالملک بن مروان کے نام وعظ و نصیحت کا ایک خط لکھا جس کے آخری جملے یہ تھے۔

"اے امیرالمومنین تم اپنی جسمانی تندرستی سے اس دھوکہ میں مبتلا نہ ہو جاؤ کہ تمھاری عمر ابھی بہت باقی ہے پہلے لوگوں نے اس بارہ میں ارشاد فرمایا ہے اس کو یاد کرو ؎

اذا الرجال ولدت اولادھا ۔۔۔ وبلیت من کبر اجسادھا

جب انسان کی اولاد کی اولاد ہو جاوے ۔۔۔ اور بڑھاپے کی وجہ سے اُس کا بدن پرانا ہو جائے

وجعلت اسقامھا تعتادھا ۔۔۔ تلک زروع قد دنا حصادھا

اور بیماریاں اس پر بار بار آنے لگیں تو سمجھ لو کہ یہ ایک ایسی کھیتی ہے جس کے کٹنے کا وقت قریب آگیا ہے

عبدالملک بن مروان نے خط پڑھا تو زار زار رونے لگا۔ اور فرمایا کہ زر بن حبیش نے بالکل صحیح فرمایا۔ (صفوۃ الصفوۃ لابن الجوزی ص۱۶ ج ۳)

اللہ والوں کی موت

حضرت ربعی بن حراش تابعی کے بھائی کا عجیب و غریب واقعہ

حضرت ممدوح بھی طبقہ تابعین میں سے ہیں آپ کے ایک بھائی جن کا نام ذکر نہیں کیا گیا، بڑے عابد تھے۔ ربعی بن حراش فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں کسی ضرورت سے شہر سے باہر گیا تھا وہاں سے واپس آیا تو میری بی بی نے کہا کہ اپنے بھائی کی خبر لو کہ ان کا آخری وقت ہے میں فوراً اپنے گھر سے نکلا اور دوڑتا ہوا بھائی کے مکان پر آیا یہاں پہنچا تو معلوم ہوا کہ یہ مسافر آخرت پہلی منزل سے گذر چکا ہے جب دستور گھر والوں نے اُن کی لاش پر چادر ڈالدی تھی میں اُن کے سرہانے بیٹھ کر رونے لگا۔

دفعتہً چادر کے اندر سے ہاتھ نکالا اور اپنے چہرے سے چادر ہٹادی اور کہا۔ السلام علیکم۔ میں نے حیرت سے کہا۔ بھائی موت کے بعد یہ زندگی کیسی؟ فرمایا ایسا بھی ہوتا ہے۔ میں نے اپنے پروردگار کی زیارت کی۔ اس نے بڑی رحمت اور عظیم الشان نعمتوں سے میرا استقبال فرمایا۔ اور مجھے جنت کے سبز ریشمی کپڑے پہنائے۔ پھر تین مرتبہ فرمایا کہ میں نے آخرت کے معاملہ کو اُس سے بہت آسان پایا جیسا تم لوگ سمجھتے ہو اور پھر تین مرتبہ کہا۔ فاعملوا ولا تغتروا (یعنی عمل کرتے رہو اور دھوکا نہ کھاؤ) پھر فرمایا

کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی۔ آپ نے قسم کھائی کہ اس وقت تک نہ جائیں گے جب تک میں آپ کی خدمت میں حاضر نہ ہو جاؤں۔ اس لئے آپ لوگوں کو چاہئے کہ میری تجہیز میں بہت جلدی کرو یہ تمام گفتگو کرنے کے بعد فوراً پھر موت طاری ہو گئی۔ (صفوۃ الصفوہ لابن الجوزی صہ۱۹ ج ۳)

ربعی بن حراش کا صدق اور اس کی برکات

حضرت ربعی بن حراش جن کا ذکر ابھی گذرا ہے بچپن سے صدق وسچائی میں مشہور تھے تمام عمر کوئی جھوٹ آپ کی زبان پر نہیں آیا۔

ایک مرتبہ ایک عجیب اتفاق پیش آیا کہ ان کے دو صاحبزادوں پر حجاج بن یوسف کے (جو اس امت کا سب سے زیادہ ظالم حاکم مشہور ہے) معتوب تھے اور اس کی ظالمانہ سختیوں سے واقف تھے اس لئے روپوش ہو کر دن گذار رہے تھے۔ حجاج کو کسی نے بتلایا کہ ان کے والد کبھی جھوٹ نہیں بولتے انھیں سے ان لڑکوں کا پتہ دریافت کرو چنانچہ آپ کی خدمت میں تورا آدمی بھیجکر دریافت کیا۔ آپ نے بلے تامل فرمادیا کہ دونوں گھر کے اندر ہیں۔ اولاد کی جان جاتی ہے اور والد شفیق ایک کلمہ خلاف واقع فرمادینا گوارا نہیں کرتے۔ اس موقع میں سچ پر قائم رہنا کوئی معمولی کام نہ تھا لیکن سچائی کو بھی حق تعالیٰ نے وہ برکات عطا فرمائی ہیں کہ آخرت سے پہلے دنیا ہی میں اس کے آثار و برکات کا ظہور ہو جاتا ہے۔

حضرت ربعی بن حراش کی اس حیرت انگیز راست گوئی سے حجاج بن یوسف جیسا سخت دل بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ اور کہا کہ ہم نے آپ کی سچائی کی وجہ سے ان دونوں کا جرم معاف کر دیا۔ (صفوۃ الصفوہ صہ۱۹ ج ۳)

حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کے بعض ارشادات

ہرم بن حیان فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت اویس قرنی رحمہ سے عرض کیا کہ مجھے کچھ وصیت فرمائیے آپ نے فرمایا، جب سوؤ تو موت کو اپنا تکیہ بناؤ اور اسی کو اپنی آنکھوں کے سامنے رکھو۔ اور جب جاگو تو اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرو وہ تمھارے قلب اور نیت کو درست فرمادے۔ کیونکہ ان دونوں کا صحیح حالت پر باقی رہنا نہایت سخت دشوار ہے کیونکہ بسا اوقات قلب و نیت شروع میں صحیح ہوتے ہیں اور دفعۃً بدل جاتے ہیں یا شروع میں صحیح نہیں ہوتے۔ پھر صحیح ہو جاتے ہیں اور گناہ کے چھوٹے ہونے پر کبھی نظر نہ کرو بلکہ اس ذات کی بڑائی پر نظر کرو جس کی تم نافرمانی کر رہے ہو (صفوہ صہ۲۹ ج ۳)

سماع وغنا کے متعلق

امام مجتہد شیخ تقی الدین سبکی کا معتدل فیصلہ

امام موصوف سے بعض لوگوں نے سوال کیا کہ مجلس سماع میں حاضر ہونا اور رقص و وجد کرنا کیسا ہے۔ آپ نے ایک نظم میں جواب دیا ؎

واعلم بان الرقص والدف لذی   سألت عنہ وقلت فی اصوات

سمجھ لو کہ رقص اور دف اور گانا وغیرہ جن کے متعلق تم نے سوال کیا ہے

فیہ خلاف للائمۃ قبلنا   شرح الھدایۃ سادۃ السادات

اس کے جواز میں ہم سے پہلے ایسے بزرگوں کا اختلاف ہے جو ہدایت کی مجسم شرح اور سرداروں کے سردار ہیں

لکنہ لم یات قط شریعۃ   طلبۃ او جعلتہ فی القربات

لیکن آجتک کوئی شریعت الٰہی دنیا میں ایسی نہیں آئی جس نے اس کو مطلوب اور تقرب الٰہی کی چیز قرار دیا ہو

والقائلون بحلہ قالوا بہ   کسواہ من احوالنا العادات

جو لوگ ان کے حلال ہونے کے قائل ہیں وہ بھی اسی درجہ میں جیسے دوسری عادات و مباحات کو حلال کہا جاتا ہے نہ کہ عبادت سمجھ کر

فمن اصطفاہ لدینہ متعبدا   لحضورہ فاعدہ فی الحسرات

پس جس شخص نے اس کام کو اپنے دین کے لئے بطور عبادت و تقرب الی اللہ کے اختیار کیا تو سمجھ لو کہ یہ بڑی حسرت کی چیز ہے

والعارف مشتاق ان ھو ھزہ   وجد فقام یھیم فی سکرات

اور عارف عاشق کو اگر وجد حرکت میں لائے اور وہ اسی سکر کی حالت میں کھڑا ہو کر وجد کرنے لگے۔

لالوم یلحقہ ویحمل حالہ   یا طیب ما یلقی من اللذات

تو اس پر کوئی ملامت نہیں بلکہ اس کا حال محمود ہے کس قدر عجیب لذتیں ہیں جن کو وہ حاصل کر رہا ہے

(کف الرعاع للشیخ ابن حجر الہیتمی علی ہامش الزواجر ص۱۶ ج۱)

امام موصوف کے کلام میں یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ کسی شریعت اور دین میں اہل تصوف کے کسی سلسلہ میں سماع کو عبادت کی طرح معمول کسی نے نہیں بتایا یعنی جس طرح مریدین کو اذکار و عبادات کی تلقین کی جاتی ہے اشتغال سماع کی تلقین کسی بزرگ سے کہیں منقول نہیں زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ بعض صوفیا و کرام نے اس کے اشتغال کو ضرورت جائز سمجھا ہے۔

خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم

کی نبوت و رسالت پر کائنات عالم کی شہادتیں

ریاست دوجانہ کا ایک عجیب واقعہ

از محترمہ والدہ محبوب احمد صاحب ریاست دوجانہ

"چند سال ہوتے ہیں کہ احقر نے المفتی کے ایک مستقل مضمون میں ایسے واقعات جمع کئے تھے جن میں کائنات عالم کی غیر ذی شعور چیزوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صدق و حقانیت کی شہادات ظاہر ہوئی ہیں اور یہ مضمون مستقل بھی بنام ذکر العبد الشفیع سے ذکر السید الشفیع شائع ہو چکا ہے۔ ذیل کا واقعہ بھی اسی سلسلہ کی ایک چیز ہے اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ اس کو بھی اس کا ضمیمہ قرار دیا جاوے۔ اور بالفعل المفتی میں درج کر دیا جائے یہ واقعہ رسالہ مسلمہ جالندھر شہر کے جلد ۹ ماہ ذی الحجہ ۵۹ھ سے نقل کیا جاتا ہے۔

محمد شفیع عفا اللہ عنہ مدیر المفتی۔

ماہ اگست کا ذکر ہے کہ میرے پاس میری خواہر زادی کا خط آیا کہ ایک عجیب بات پیش آئی ہے جسے خوشی کے ساتھ لکھتی ہوں اور وہ یہ ہے کہ شب جمعہ کو والدہ صاحبہ نے آسمان پر تاروں میں کلمہ لکھا ہوا دیکھا۔ ایک شب پھر دیکھا تو پاس ہی ان کی چھوٹی لڑکی اور بھانجی سوتی تھیں۔ ان کو جگایا اور ان دونوں لڑکیوں نے بھی دیکھا۔ میں نے یہ خطبہ پڑھا اور خیال آیا کہ کئی سال کا عرصہ ہوا جب بھی یہی سنا گیا تھا۔ اور خود میری ایک عزیزہ نے بیان کیا تھا کہ پچھلی شب ہم کسی ضرورت سے باہر آئے تو ہم نے آسمان پر جو نگاہ کی تو بہت صاف اور موٹے الفاظ میں نہایت خوشخط کلمہ لکھا ہوا نظر آیا۔ جسے حیرت کے ساتھ کتنی دیر تک ہم دیکھتے رہے۔ اس کا ذکر پھر اور کئی جگہ بھی سنا گیا۔ اور بہت روز چرچا رہا۔ آٹھ نو سال کے عرصہ کے بعد آج میں نے اپنی بھانجی کے خط سے یہ حال معلوم کیا۔ اور ہمشیرہ پر رشک آیا کہ کاش مجھے بھی وہ متبرک اور پیارا نام نظر آئے جسے خدا نے یہ عظمت دی کہ اپنے نام کے ساتھ لکھ کر اس کا یہ معجزہ متعدد بار منکرین اسلام کو دکھایا کہ جا بجا یہ نام پاک شجر و حجر و آسمان پر لکھا دیکھا اور ہزاروں نے دیکھا۔ دہلی میں جبکہ نئے قلعہ کی تعمیر ہو رہی تھی وہاں سے پتھر جس وقت نکالے جا رہے تھے اس وقت

ایک پتھر پر کلمہ لکھا ہوا نکلا تھا جسے دیکھنے کے لئے لوگ دور سے آتے تھے اور وہ آج تک محفوظ ہے۔

جس روز سے خط آیا تھا میرا معمول تھا کہ رات کو بستر پر لیٹ کر بڑے اشتیاق سے آسمان پر نظر کرتی اور دعا کرتی کہ خدایا مجھے بھی وہ کلمہ دکھا دے جس کا ڈنکا چار دانگ عالم میں بجا اور بجتا رہے گا مگر میری یہ آرزو پوری نہ ہوئی محترمہ والدہ نواب صاحب دوجانہ جو مجھ پر بہت مہربان ہیں اور ان کی عنایت کی وجہ سے میں کچھ عرصہ سے ان کے پاس مقیم ہوں میں نے ان سے ذکر کیا وہ بھی کبھی تو میرے ساتھ دعا میں شریک ہوتیں اور کبھی یہ فرماتیں کہ تمھاری ہمشیرہ کا تخیل ہوگا۔ میں نے عرض کیا کہ تخیل کا کرشمہ ہوتا تو آپ اور میں بھی تو آرزومند اور خیال میں ہیں۔ مگر آرزو پوری نہیں ہوتی۔

کچھ روز کے بعد اپنی ہمشیرہ کے پاس گئی اور جب عزیزوں کی ملاقات سے فرصت ہوئی اور رات کو سوتے وقت یہی ذکر آیا تو میں نے مفصل دریافت کیا کہ کیا وقت تھا اور کس طرح دیکھا تو انھوں نے اس طرح بیان کیا کہ مجھے اکثر رات کو نیند نہیں آتی گرمی کی وجہ سے اور کچھ جسمانی بے چینی سے کیونکہ ان کے یہاں بچہ ہونے والا تھا) جمعہ کی رات کو دو بجے کے قریب میں نے جو کروٹ لیکر آسمان پر نظر کی تو کیا دیکھتی ہوں کہ آسمان پر دو تارے جو بہت قریب ہیں اور ان میں ایک بہت روشن ہے کچھ روز سے مشرق کی سمت سے نکل رہے ہیں اور مجھے آسمان پر دکھا کر بتایا جو اس وقت بھی سامنے ہی تھے جس میں سے ایک بہت چمک رہا تھا اور ان کی شکل کچھ الف سے مشابہ ہوتی ہے) کہنے لگیں کہ ان دو تاروں کا "ل" بن گیا اور ان کے درمیان بہت خوشخط موٹے موٹے حرفوں میں لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ صاف لکھا ہوا نظر آیا اور ان کے درمیان میں ہزاروں باریک باریک تارے اس طرح نظر پڑے جیسے افشاں چھڑک دی گئی ہو۔ اور کلمہ کے چاروں طرف کچھ اور نام نظر پڑے مگر وہ مجھ سے صاف نہیں پڑھے گئے۔ کچھ خیال ہے کہ عبداللہ عمر اور ایک دو نام تو پڑھے گئے باقی صاف نہیں دکھائی دیئے۔ میں بڑی دیر تک حیرت کے عالم میں دیکھتی رہی اور جی چاہا کہ پاس ہی والدہ اور بڑی لڑکی اور کچھ فاصلے پر میرے خاوند سو رہے تھے ان کو بھی جگا کر دکھاؤں مگر زبان نہ اٹھی تو تلا گئی بولا نہ گیا۔ آسمان پر اس قدر رونق اور چمک تھی کہ لیٹی لیٹی قدرت خدا دیکھتی رہی یہاں تک کہ صبح صادق ہوگئی اور آسمان پر اجالا ہو کر یہ منظر نگاہوں سے روپوش ہوگیا دل سرور سے لبریز تھا۔ کلمہ پڑھ کر نماز کے لئے اٹھی اور سب اٹھے تو ان سے بیان کیا ہر ایک نے یہی کہا کہ ہمیں کیوں نہ اٹھایا۔

دوسری شب گذر کر تیسری شب کو پھر اسی وقت دو بجے کے قریب پھر آسمان پر

جو نظر کی تو دیکھا کہ پورا کلمہ نہیں ہے صرف محمدؐ بہت صاف لکھا ہوا ہے۔ اب خیال آیا
کہ آج صاف اور پورا کلمہ نہیں ہے۔ اسی حالت میں دیکھتے دیکھتے کچھ غنودگی سی طاری ہوئی
تو آواز کسی کی آئی کہ یہ کلمہ نہیں ہے یہ تو محمدؐ احمدؐ نام ہے اسے خوب یاد رکھنا آواز سنکر چونکی دیکھا کوئی
نہیں تھا۔ خیال آیا کہ کیا بطن میں جو بچہ ہے اس کے متعلق یہ بتایا گیا ہے کہ یہ نام رکھا جائے یا کیا
بھید ہے کسی سے ذکر نہیں کیا صرف اپنے خاوند سے کہا۔ اسی خیال میں رہی۔ اسی طرح دو چار
روز گذر گئے اور ایک شب کو بڑی ہمشیرہ کی لڑکی بھی آئی ہوئی تھی۔ اور میرے پاس ہی سو رہی
تھی کہ اسی طرح بدستور نیند نہ آئی اور پچھلی شب پھر آسمان پر روشنی نظر آئی اب جو دیکھتی ہوں
تو اسی طرح وہی صاف لفظوں میں کلمہ نظر کے سامنے ہے۔ تھوڑی دیر تو دیکھتی رہی اور اس کے بعد
بڑی مشکل سے زبان کھلی اور آہستہ آہستہ اپنی چھوٹی لڑکی کو پکارا مگر صاف الفاظ ادا نہ ہوئے۔ بھانجی کی
آنکھ کھلی اس نے کہا خالہ جان کیسے بول رہی ہو۔ زبان کو کیا ہوا کیا کہتی ہو۔ اب بمشکل اس سے کہا
کہ آسمان پر دیکھ۔ اس نے جو نظر اٹھائی تو اس نے بھی دیکھا اور اس نے میری چھوٹی لڑکی جو ماشاء اللہ
جوان ہے پاس ہی سو رہی تھی اُسے اٹھایا اور ان دونوں نے دیکھا مگر اس کے بعد اوروں کو جگانا
چاہا تو ان لڑکیوں کی بھی زبان نہ کھلی نہ کسی کو جگایا گیا۔ اسی طرح یہ بھی دیکھتی رہیں۔ یہاں تک
کہ صبح ہوگئی۔ حیرت پر حیرت تھی کہ یہ کیا راز ہے آخر وہاں کے ایک مدرس جو بہت بڑے عالم ہیں
ان سے یہ کہا گیا کہ عالم خواب میں نہیں بلکہ بیداری میں اور ہوش و حواس میں یہ منظر نظر آیا تو
انھوں نے یہ فرمایا کہ ان کے پیٹ میں کوئی نیک روح ہے اور ایک شب جو محمد احمد نام بتایا
گیا ہے غالباً یہ اشارہ ہے کہ لڑکا ہو تو یہ نام رکھا جائے۔

پھر ہمارے ایک عزیز مولوی وقاری صاحب آئے ان سے ذکر کیا۔ انھوں نے فرمایا
کہ ان کا دماغ روشن ہے کوئی نیک بچہ پیدا ہوگا اسی کی نسبت یہ اشارہ ہے۔

• اس کے مہینہ یا بیس دن بعد ان کے یہاں لڑکا پیدا ہوا۔ اور ماشاء اللہ خوبصورت اور تندرست ہے
خدا اسے عمر طبعی عطا فرمائے۔ اس کی بعض حرکات و اشارات سے معلوم ہوتا ہے کہ نیک اور عقلمند ہوگا۔ میں
ان دو ستاروں کو ہر شب دیکھتی رہی۔ پھر ان ستاروں کا چرچا اوروں میں بھی ہوا۔ کیونکہ یہ دو ستارے آسمان
پر نمایاں طور پر دکھائی دیتے تھے اور قریب عشا شمال مشرقی کونے پر ہوتے تھے اور پچھلی شب کو
آسمان کے درمیان میں آجاتے تھے۔ ایک ستارہ تو بہت زیادہ روشن جس کا رنگ کچھ سبزی مائل نظر
آتا ہے، دوسرا کم روشن کچھ سرخ معلوم ہوتا ہے اس کے لئے بڑی باتیں مشہور ہوئیں کسی نے موجودہ

لڑائی سے موسوم کیا کہ یہ ان کے ستارے ہیں۔ ایک کا روشن ایک کا مدھم ہے اور وہ ستارے
آج تک بدستور نکلتے ہیں۔ مگر فرق یہ ہوگیا ہے کہ پہلے دونوں بہت قریب تھے اب ذرا فاصلہ پر
ہیں پچھلی شب بہت آب و تاب دکھاتے ہیں۔ کوئی مولوی عالم یا ستاروں کے ماہر علم روشنی
ڈالیں کہ کیا بات ہے یہ ستارے کونسے ہیں اور میں نے جو ان کے متعلق واقعہ لکھا ہے بالکل
سچا ہے ایک لفظ بھی غلط یا مبالغہ آمیز نہیں ہے فقط۔

دنیا سے دنیا دار بھی تنگ آ گئے

تہذیب جدید سے عاجز ہو کر قرآنی تعلیمات کا اعتراف

(وائس چانسلر بنارس یونیورسٹی کی تقریر)

لاہور۔ ۲۸ فروری۔ دنیا کے موجودہ مصائب کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ تہذیب
جدید کی بنیاد مادیت پر ہے جبتک ہم دنیا میں اپنا نظام جس کی بنیاد سچی روحانیت پر قائم نہیں
کریں گے۔ اس وقت تک امن قائم نہیں ہوسکتا۔

یہ وہ الفاظ ہیں جو سر رادھا کرشن وائس چانسلر بنارس یونیورسٹی نے آج ۶ بجے شام سپیڈلا
ہال میں "دنیا کا موجودہ ابتلا" کے موضوع پر تقریر فرماتے ہوئے کہے۔ جلسہ ینگ انڈیا لیگ کے
زیر اہتمام منعقد ہوا تھا اور راجہ نریندر ناتھ نے اسکی صدارت کی۔ سر رادھا کرشن نے موجودہ جنگ
پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ "یہ جنگ حق اور باطل کے درمیان ایک جنگ ہے لیکن یہ سمجھنا غلط
ہے کہ اس کے خاتمہ پر دنیا میں دائمی امن قائم ہو جائے گا فتح ہٹلر کی ہو یا انگریزوں کی
مغلوب فریق شکست کھانے کے بعد غالب سے بدلہ لینے کی تیاریاں کرے گا۔ اور اس کے
بعد ایک اور خوفناک جنگ ہوگی۔ ساری خرابیوں کی جڑ یہ ہے کہ موجودہ تہذیب کی بنیاد مادیت
پر ہے اور جبتک ہم دنیا میں ایک ایسا نظام جس کی بنیاد سچی روحانیت پر ہو قائم نہیں کریں گے
اس وقت تک دائمی امن قائم نہیں ہوسکتا۔ جبتک سیاسی اور معاشی اونچ نیچ باقی ہے۔ اس
وقت تک یہ جھگڑے نہیں مٹ سکتے۔ (از اخبار وحدت دہلی مورخہ ۲ مارچ ۱۹۴۱ء)

حضرت ذوالبجادین کا اسلام

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ایک نظر تمام دنیا و مافیہا سے بہتر ہے

آپ کا اسم گرامی عبداللہ بن عبد نہم ہے اور ان حضرات میں سے ہیں جنھوں نے سرور کائنات فخر موجودات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے آنکھیں روشن کی ہیں۔ آپ یتیم بچے تھے۔ گذارہ کی کوئی صورت نہ تھی اپنے چچا کی آغوش میں تربیت پائی جب ہوش سنبھالا فطرۃ سلیمہ نے اسلام کی طرف رغبت پیدا کر دی لیکن چچا کے خوف سے پریشان تھے کہ کس طرح اسلام کا اعلان کروں تاآخر ایک روز اس سعادت ازلی کی کشش غالب آئی اور بے پرواہ ہو کر چچا سے عرض کیا کہ میں مذہب اسلام کو حق سمجھتا ہوں اور اس کو قبول کرنے والا ہوں۔ چچا نے ہر طرح کا خوف دلایا اور کہا کہ اگر تم مسلمان ہو گئے تو میں نے جو کچھ تمھیں دیا ہے سب چھین لوں گا گر ؎ یہ وہ نشہ نہیں جسے ترشی اتار دے ہنس کر کہا کہ اے عم بزرگوار۔

"بخدا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ایک دفعہ نظر کر لینا ساری دنیا اور اس کے تمام مال و متاع سے زیادہ بہتر ہے"

چچا نے یہ پختگی دیکھی تو بدن کے کپڑے تک اتار لئے والدہ نے بمشکل ایک چادر ان کو ستر پوشی کے لئے دی جس کے دو ٹکڑے کر کے آپ نے ایک کا تہبند اور دوسرے کی چادر بنا لی۔ اور سامان بے سامانی کے ساتھ شاداں و فرحاں مسلمانوں کی جماعت میں آملے (المدہش لابن الجوزی ص۱۱۶) دو کپڑوں کی وجہ سے آپ کا نام ذوالبجادین مشہور ہو گیا۔ ہمارے خواجہ صاحب مجذوب نے خوب فرمایا ہے۔ ؎

ادھر ٹکڑے تھا دامن اور ادھر پرزے گریباں تھا — مگر مانند گل میں ان پھٹے حالوں میں خنداں تھا
کسی کی یاد میں بیٹھے جو سب سے بے غرض ہو کر — تو اپنا بوریا بھی پھر ہمیں تخت سلیماں تھا

ولنعم ما قیل فی احوال المحبین ؎

ولقیت فی حبیک مالم یلقہ — فی حب لیلے قیسہا المجنون

آپ کی محبت میں میں نے وہ تکلیفیں اٹھائیں جو قیس نے لیلے کی محبت میں نہیں اٹھائی

لکننی لم اتبع وحش الفلا — کفعال قیس والجنون فنون

بجز اس کے کہ میں قیس مجنوں کی طرح وحشی جانوروں کے پیچھے نہیں پھرا لیکن جنون کی بہت سی قسمیں ہیں

عجائب قدرت کا ایک نمونہ
ایک ہی وقت میں دو شخصوں کی فوق العادۃ تربیت پھر ان میں سے ایک نبی ہوئے دوسرا گمراہ

قرآن مجید میں امم سابقہ کے کفار میں سے صرف چند شخصوں کے نام مذکور ہیں۔ آزر، جالوت، فرعون، ہامان، قارون، سامری۔ آخر الذکر کا نام موسیٰ بن ظفر ہے اور پیغمبر اولوالعزم

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا رشتہ دار اور ہمقرن ہے۔ اور جس طرح حضرت موسیٰ علی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پرورش حق تعالیٰ کی حکمت غامضہ اور قدرت کاملہ کا ایک خاص نمونہ ہے کہ دشمنوں کے گھر میں دشمنوں کی گود میں ان کی پرورش کرائی گئی۔ اسی طرح اس موسیٰ بن ظفر (سامری) کی تربیت بھی فوق العادت طریق سے اس طرح کی گئی کہ جب یہ بچہ پیدا ہوا اور فرعونی قانون کے ماتحت اس کا ذبح کر دینا ضروری ہوا تو اس کی والدہ نے یہ خیال کر کے کہ اپنے سامنے اپنے بچہ کو ذبح ہوتا ہوا نہ دیکھوں اس کو ایک غار کے اندر چھپا دیا اور اس غار کے اوپر پتھر رکھ دیا اب یہ بے کس بچہ جس کو اس کی شفیق والدہ نے مایوس ہو کر اپنے ہاتھوں موت کے منہ میں ڈال دیا تھا بیکسوں کے وارث اور بے سہاروں کے سہارے حق تعالیٰ نے اس کو اپنی خاص تربیت میں لے لیا۔ جبرئیل علیہ السلام کو حکم ہوا کہ اس کو غذا پہنچائیں وہ روزانہ ایک انگلی پر دودھ دوسری پر شہد تیسری پر گھی لگا کر اس کو چٹاتے تھے۔ یہاں تک کہ اسی تنگ و تاریک غار میں یہ لاوارث بچہ پرورش پا گیا اور چلنے پھرنے لگا۔ اب خدا تعالیٰ کی قدرت کا کرشمہ دیکھئے کہ ایک وقت میں دو موسیٰ پیدا ہوئے دونوں کی تربیت اور پرورش خرق عادت کے طور پر کرائی گئی۔ ایک نے فرعون جیسے کافر کے گھر میں پرورش پائی۔ دوسرا جبرئیل علیہ السلام جیسی مقدس ہستی کے ہاتھوں پلا لیکن فرعون کے گھر میں پلنے والا خدا تعالیٰ کا برگزیدہ اور اولوالعزم رسول و نبی ہوا اور جبرئیل علیہ السلام کے ہاتھوں تربیت پانے والا منافق اور کافر نکلا سچ فرمایا ہے ؎ طفیلے بر آری ز بتخانہ بگو کنی آشنائے ز بیگانہ

اسی حیرت انگیز واقعہ کو کسی شاعر نے نظم کیا ہے ؎

اذا المرء لم یخلق سعید اتحیرت[۱]	عقول مربیہ وخاب المؤمل
فموسیٰ الذی ربّاہ جبریل کافر[۲]	وموسیٰ الذی رباہ فرعون مرسل

(تجریب المسلمین بکلام رب العالمین ۱۶۷)

---

[۱] (ترجمہ) جب کوئی انسان اول خلقت میں نیک بخت نہ پیدا ہوا ہو تو تربیت کرنے والوں کی عقلیں حیران رہ جاتی ہیں اور اس سے امید رکھنے والے محروم رہ جاتے ہیں ۱۲ [۲] پس وہ موسیٰ جس کو جبرئیل علیہ السلام نے پرورش کیا تھا کافر رہا اور وہ موسیٰ جن کو فرعون نے پالا تھا خدا کے رسول ہوئے۔ ۱۲

روح اور بدن کا تعلق

عالمِ دنیا ـــــ عالمِ برزخ ـــــ عالمِ آخرت میں

یہ مسئلہ اہل علم اور عوام دونوں طبقوں میں زیر بحث بھی ہے اور وقت طلب بھی اور اسی مسئلہ کے حل پر اس سوال کا حل موقوف ہے کہ قبر کا عذاب و ثواب صرف روح پر ہے یا بدن کو بھی شریک کیا جاوے تو بعد فنائے بدن کے اس کی کیا صورت رہے گی۔ حافظ حدیث علامہ ابن قیم جوزیہ نے کتاب الروح میں اس مسئلہ پر نہایت کافی وشافی محققانہ کلام کیا ہے جس کے ضروری اجزاء لکھے جاتے ہیں۔ روح کا تعلق بدن کے ساتھ انسان کے ہر دورِ حیات میں مختلف طرح کا ہے اور حیات انسانی پر پانچ دور آتے ہیں۔ ایک جبکہ بچہ ماں کے پیٹ میں ہے اس میں روح ڈالی جاتی ہے۔ دوسرے جب پیدا ہو کر زمین پر آتا ہے۔ تیسرے نیند کی حالت میں کہ ایک گونہ روح کی مفارقت بدن سے ہوتی ہے مگر تعلق قوی قائم رہتا ہے۔ چوتھے انتقال کے بعد برزخ میں کہ روح کی بدن سے مفارقت ہو جاتی ہے مگر بالکل بے تعلقی نہیں ہوتی بلکہ ایک قسم کا تعلق برابر رہتا ہے۔ اور جب کوئی شخص قبر پر جا کر اس کو سلام کرتا ہے تو بتصریح احادیث صحیحہ روح بدن کی طرف لوٹتی ہے۔ گو اس اعادہ سے حیاتِ کاملہ حاصل نہ ہو۔ پانچویں عالم آخرت میں اور یہ تعلق تمام ادوار حیات سے زیادہ قوی تعلق ہوگا۔ کیونکہ اس میں روح و جسم کے تعلق پر نہ موت کی مفارقت عارض ہوگی نہ نیند یا فساد وغیرہ کی۔ الغرض ان پانچوں ادوارِ حیات میں روح کا تعلق بدن کے ساتھ مختلف کیفیات و درجات پر رہتا ہے کہیں یہ تعلق ضعیف ہے کہیں قوی کہیں اقویٰ۔ پھر انسان کے رہنے سہنے کی جگہ اور مستقر تین ہیں۔ دار دنیا جس میں ہم اس وقت ہیں تعلق روح و جسد کے ابتدائی تین درجے اسی عالم میں ہیں پھر برزخ یعنی عالم قبر پھر عالم آخرت۔ ان تینوں عالموں میں روح و جسد کے احکام و احوال مختلف ہیں بعض میں تمام احکام کا تعلق بالذات بدن کے ساتھ ہے روح اس کے تابع ہے اور بعض میں اس کے برعکس اصالۃً اور بالذات معاملات کا تعلق روح کے ساتھ ہے بدن اُس کے تابع ہے اور بعض میں روح و بدن دونوں یکساں حیثیت میں ہیں۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ عالم دنیا میں تو تمام تکلیفات احکام اور رنج و راحت جزا و سزا کا تعلق بالذات جسم و بدن کیساتھ ہے روح اس کے تابع ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں تمام احکام شرعیہ کا

تعلق جسم اور اس کے اعضاء و جوارح کی حرکات و سکنات سے ہے۔ دل میں اگرچہ اس کے خلاف ہو۔ احکام اسلام کا زبان سے اقرار کرنے والا احکام دنیا میں مسلمان ہی قرار دیا جاتا ہے گو اس کے دل میں کفر ہو۔ پھر کافر و مجرم پر بھی جو سزا جاری کی جاتی ہے وہ بلا واسطہ جسم ہی پر پڑتی ہے روح کو بالتبع اس کی تکلیف پہنچتی ہے۔ نماز روزہ حج زکوٰۃ جتنے احکام ہیں سب جسم ہی سے متعلق ہیں روح سب میں تابع جسد ہے عمدہ کھانے پینے اور خوش منظر لباس و مکان وغیرہ کی راحت بھی بلا واسطہ جسم کو پہنچتی ہے اس کے واسطہ سے روح کو۔ الغرض عالم دنیا کے تمام کام اور سب احکام پر ایک ایک کر کے غور کیجئے تو سب کا بلا واسطہ تعلق جسم و بدن سے معلوم ہوگا اس کے واسطے سے روح پر اثر پہنچے گا۔ اور عالم برزخ (قبر) میں معاملہ برعکس ہے کہ جملہ احکام و معاملات اور جزا و سزا اور عذاب و ثواب کا تعلق بلا واسطہ روح کے ساتھ ہے جسم اس کے تابع ہے جس طرح دنیا میں اجسام ظاہر تھے اور ارواح ان میں پوشیدہ تھی اجسام ارواح کے لئے بمنزلہ قبور تھے۔ تمام رنج و راحت اور امراض و آفات ابدان پر آتے تھے روح تبعاً متاثر ہوتی تھی۔ اسی طرح برزخ میں ارواح کھلی ہوئی اور ابدان مستور فی القبور ہیں۔ برزخ کا عذاب و ثواب اور تنگی و فراخی سب بلا واسطہ روح پر آتی ہیں۔ بدن جس وقت تک موجود ہے وہ بھی بواسطہ متاثر ہوتا رہتا ہے اور جس طرح دنیا میں صرف بدن کے تاثرات ظاہر ہوتے ہیں روح کے تاثرات بلا واسطہ معلوم نہیں ہوتے۔ اسی طرح برزخ میں اجسام کے تاثرات نظر نہیں آتے اور ارواح کے تاثرات ہر اس شخص پر ظاہر ہو سکتے ہیں جو روح کا مشاہدہ کرتا ہے۔ البتہ بعض اوقات روح کے عذاب و ثواب کا اثر اتنا قوی ہوتا ہے کہ بدن پر ظاہر بھی ہو جاتا ہے جیسا کہ قبروں کے لاتعداد مشاہدات و واقعات اس پر شاہد ہیں کہ کسی لاش پر سانپ بچھو لپٹے ہوئے پائے گئے کسی قبر میں آگ دیکھی گئی کسی کو زنجیروں میں جکڑا ہوا دیکھا گیا اس قسم کے سینکڑوں واقعات ہیں جو نہایت مستند و معتبر طریق پر ہر زمانہ کی تاریخ میں منقول ہیں۔ کتاب الروح اور شرح الصدور اور تذکرہ قرطبی میں یہ واقعات معتبر طرق سے لکھے ہیں۔

الغرض بعض اوقات روح کے عذاب و ثواب کا اثر بدن پر محسوس بھی ہو جاتا ہے لیکن ضروری نہیں اس کا ایک نمونہ حق تعالیٰ نے ہمیں دنیا میں بھی دکھلا دیا ہے کہ عالم خواب میں خواب دیکھنے والا طرح طرح کے عذاب اور تکالیف یا راحت و لذت حاصل کرتا ہے،

نقل وحرکت کرتا ہے لیکن بدن پر عموماً اس کا کوئی اثر ظاہر نہیں ہوتا۔ بعض اوقات ہو بھی جاتا جبکہ خواب میں کوئی تکلیف و مصیبت دیکھی اور رونے لگا یا چلایا۔ بعض اوقات اٹھ کر کھڑا ہو جاتا ہے چلنے لگتا ہے لیکن بدن پران اثرات کا ظہور ضروری نہیں کبھی ہو جاتا ہے، کبھی نہیں ہوتا۔ اسی طرح بعض اوقات ایک ہی بستر پر دو آدمی سوتے ہیں ایک کوئی مصیبت و تکلیف دیکھ کر اٹھتا ہے اور بدن پر بھی اس کا اثر محسوس کرتا ہے دوسرا آدمی راحت ولذت دیکھ کر اٹھتا ہے اور بدن پر بھی اس کا اثر محسوس کرتا ہے لیکن ایک کے حال کی دوسرے کو قطعاً خبر نہیں ہوتی۔ الغرض عالمِ برزخ میں روح اصل اور بدن اس کے تابع ہے۔ اور عالمِ آخرت میں روح اور بدن دونوں یکساں حیثیت میں ہوں گے۔ دونوں کے عذاب و ثواب بلا واسطہ ہونگے یہی وجہ ہے کہ بدن کو بھی فنا نہ ہونے دیا جائے گا۔

کما قال تعالیٰ۔ واذا نضجت جلودھم بدلناھم جلودا غیرھا لیذوقوا العذاب۔ دوزخیوں کی کھال جل جاویگی تو ہم ان کو دوسری کھال بدلدیں گے۔ تاکہ وہ عذاب چکھتے رہیں۔

حافظ ابن قیمؒ کی اس تحقیق عمیق سے عذاب قبر کے متعلق اکثر اشکالات رفع ہو جاتے ہیں وللہ الحمد۔ (کتاب الروح ص۱۰۱)

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ۔
۱۴ ر صفر ۱۳۷۶ھ

علماء سلف و خلف کے علم میں فرق

آٹھویں صدی ہجری کے مشہور و معروف امام حدیث علامہ ابن رجب حنبلیؒ نے عنوان مذکور پر ایک مستقل رسالہ فضل علم السلف علی الخلف تصنیف فرما کر علماء امت کے لئے اس روح علم کی طرف رہنمائی کی ہے جس سے غفلت برتنے کی وجہ سے علم کے انوار و برکات سے بہت سے اہل علم محروم ہو جاتے ہیں۔ اس رسالہ کے اہم اجزاء کا خلاصہ اردو میں لکھا جاتا ہے اس میں سب سے بڑی بحث انتقال علم کا طریق اور مسائل علمیہ کا طرز تحقیق ہے۔ علماء متأخرین، فقہاء و متکلمین کو بضرورت مسائل کی تدقیق و تحقیق میں بال کی کھال نکالنی پڑی اور لمبی چوڑی تقریریں اور بحث مباحثے کرنا پڑے یہ حضرات اس میں بلاشبہ معذور بلکہ ماجور تھے۔

لیکن ان کے بعد آنے والا طبقہ ان کے طرز عمل سے ایک مغالطہ میں پڑ گیا۔ انھوں نے اس مراء و جدال اور بحث و مباحثہ قیل و قال ہی کا نام علم رکھدیا ان کے نزدیک سب سے بڑا عالم وہ ٹھیر گیا جو مسائل اختلاف میں لمبی چوڑی تقریروں اور وزندار لفظوں سے مجمع کو محو حیرت بنادے۔

اور یہ ایسا شدید مغالطہ تھا کہ اس میں مبتلا رہتے ہوئے جو معیار علم قائم کیا جا سکتا ہے اس پر امت کے سب سے پہلے اور سب سے بڑے علما حضرات صحابہ و تابعین ہی پورے نہیں اترتے علامہ موصوف نے اس رسالہ میں واضح کر دیا کہ سلف صالحین جو اس بحث و مناظرہ اور طویل تقریروں میں نہیں پڑے تو یہ ان کے کسی عجز یا ناواقفیت کی بنا پر نہ تھا۔ بلکہ انھوں نے اس کو لغو و فضول بلکہ مضر اور سد راہ سمجھکر چھوڑ دیا تھا جس کو امام ابن سیرینؒ نے صاف لفظوں میں ظاہر بھی فرمادیا ہے۔

حضرات متاخرین جو اس میں مبتلا ہوئے یہ اُن کی فضیلت کی دلیل نہیں بلکہ ان کے کمالات کی بنا پر ان کے اس فعل کی تاویل ضروری ہے۔ اور تاویل یہی ہے کہ وقتی ضرورتوں نے انھیں اس کیلئے مجبور کیا۔ دراصل علم اور طریق علم وہی تھا جو سلف صالحین صحابہ و تابعین کا معمول تھا۔ ان میں اگر کسی نے بے ضرورت یا زائد از ضرورت اس مراء و جدال کو مشغلہ بنایا ہے تو وہ کسی کے نزدیک محمود نہیں۔ اسی کے متعلق علامہ ابن رجب کا یہ قول بالکل صحیح ہے کہ :-

وصار ذلك علمهم حتى شغلهم عن العلم النافع۔	ان لوگوں کا علم بھی بحث مباحثہ رہ گیا یہاں تک کہ اس نے ان کو علم نافع سے غافل کر دیا۔

اور بعض حضرات سلف کا ارشاد ہے۔

اذا اراد الله بعبد خيرا فتح له باب العمل و اغلق عنه باب الجدل۔ واذا اراد الله بعبد شرا اغلق عنه باب العمل و فتح له باب الجدل۔	جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کیلئے بھلائی چاہتے ہیں تو اس کیلئے عمل کا دروازہ کھولدیتے ہیں اور جدل و اختلاف کا دروازہ بند کر دیتے ہیں اور جب کسی بندہ کے لئے برائی مقدر ہوتی ہے تو اس کے لیے عمل کا دروازہ بند کر دیتے ہیں اور جدل اور قیل و قال کا دروازہ کھول دیتے ہیں۔

اور حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے مدینہ طیبہ میں جن بزرگوں کو پایا ہے وہ سب اس قسم کی قیل و قال میں تطویل و تدقیق کو مکروہ سمجھتے تھے۔ حاضرین میں سے کسی نے عرض کیا کہ اگر ایک شخص عالم بالسنۃ ہو اور وہ غلط معانی بیان کرنے والوں پر رد کر کے سنت کی حفاظت کرے تو اس میں کیا مضائقہ ہے۔ فرمایا نہیں اسے بھی اس میں غلو اور تدقیق نہ کرنا چاہئے۔ حدیث (اور اس کا مفہوم صحیح) بیان کر کے

فارغ ہو جاوے۔ اگر مخاطب قبول کرے تو بہتر ورنہ سکوت کرے زیادہ بحث میں نہ پڑے۔
اور فرمایا کہ علم میں زیادہ بحث وجدال سے نور علم فنا ہو جاتا ہے اور دل سخت ہو جاتا ہے اور
بغض وکینہ پیدا ہو جاتا ہے۔
اور حضرت حسن بصریؒ نے ایک جماعت کو دیکھا جو بعض مسائل علمیہ میں بحث و مجادلہ کر رہے تھے
تو فرمایا۔

هؤلاء قوم ملوا العبادة وخف عليهم القول وقل ورعهم فتكلموا۔

یہ لوگ عبادت سے اکتا گئے اور باتیں بنانا انھیں آسان معلوم ہوا اور تقویٰ ان کا کم ہو گیا اس لئے کلام کو مشغلہ بنا لیا۔

اور حضرت محمد بن سیرین جو ائمہ تابعین میں سے ہیں۔ ایک صاحب آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے
اور بعض مسائل میں گفتگو شروع کی۔ امام موصوف نے اس کے طرز گفتگو سے سمجھ لیا کہ ان کی غرض محض
مسئلہ معلوم کرنا نہیں بلکہ بحث کرنا ہے تو فرمایا۔
"اگر میں بحث کرنا چاہوں تو الحمد للہ تم سے زیادہ مجھے اس کے طریقے معلوم ہیں لیکن میں بحث میں پڑنا نہیں چاہتا"
حضرت ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ میں نے مسائل علمیہ میں کبھی بحث و مناظرہ نہیں کیا۔ اور جعفر بن محمدؒ فرماتے ہیں

اياكم والخصومات في الدين فانها تشغل القلب وتورث النفاق۔

دین کے معاملات میں جھگڑا کرنے سے بچو۔ کیونکہ وہ قلب کو ذکر اللہ سے غافل کر دیتا ہے اور نفاق پیدا کر دیتا ہے۔

اور حضرت عمر بن عبد العزیز رح فرماتے ہیں۔

ان السابقين عن علم وقفوا وببصر نافذ قد كفوا وكانوا هم اقوى على البحث لو بحثوا۔

سلف جو قیل و قال سے بچے ہیں وہ علم کی وجہ سے بچے ہیں (نہ کہ عجز و ناواقفیت سے) اور مکمل بصیرت پر انھوں نے لوگوں کو قیل و قال سے روکا ہے اور اگر وہ بحث کرنا چاہتے تو وہ سب سے زیادہ اس پر قادر تھے

یہ خلاصہ ہے اُس کلام کا جو ابن رجبؒ نے سلف صالحین کے علوم اور طرز کلام کے متعلق لکھا ہے۔
اس کے بعد متاخرین کے مغالطہ اور تدقیق و زبان آوری کے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔
اب بہت سے متاخرین اس مغالطہ میں ہیں کہ جس شخص کا بیان طویل اور جدال و خصام زیادہ ہو وہ
ان لوگوں سے زیادہ عالم ہے جو اس طرز پر نہیں۔ اور یہ خالص جہل ہے۔
آپ اگر علماء صحابہ اور ائمہ سلف صدیق اکبر فاروق اعظم علی مرتضیٰ معاذ بن جبل عبد اللہ بن مسعود زید
بن ثابت جیسے جبال علوم کے حالات پر نظر ڈالیں گے تو معلوم ہو گا کہ کلام بہ نسبت ابن عباس کے کم ہے

حالانکہ عالم اسلام کا اجماع ہے کہ یہ حضرات بلاشبہ ابن عباسؓ سے اعلم تھے۔ اسی طرح تبع تابعین کا کلام بہ نسبت تابعین کے زیادہ ہے۔ حالانکہ تابعین اُن سے اعلم اور ان کے اساتذہ ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ علم کثرت روایت یا عمدگی تقریر کا نام نہیں۔ بلکہ وہ ایک نور الٰہی ہے جو مؤمن کے قلب میں ڈالا جاتا ہے جس سے اس کو حق و باطل اور حق تعالیٰ کی مرضی و نا مرضی میں امتیاز ہو جاتا ہے۔

خود بارگاہ رسالت و نبوت کے کلام کا بڑا امتیاز یہ ہے کہ آپ نے اپنی خصوصیات ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

اوتیت جوامع الکلم۔ مجھے مختصر اور جامع کلام دیا گیا ہے۔

معلوم ہوا کہ اس وقت جو بہت سے عوام بلکہ بعض خواص بھی زیادہ لمبی تقریریں کرنیوالوں یا بحث و مباحثہ میں کامیاب رہنے والوں کو اعلم سمجھتے ہیں یہ محض جہل اور حالات سلف سے ناواقفیت ہے صحابہؓ کرامؓ کے بعد ائمہ دین سفیان ثوری اوزاعی، لیث بن سعد، عبداللہ بن مبارک اور ان کے ہم طبقہ حضرات کو دیکھئے کہ اُن کا کلام اور تقریریں اُن کے بعد آنے والے طبقہ سے بہت کم ہے۔ حالانکہ یہی حضرات بعد کے آنے والوں کے اساتذہ اور اسوہ و قدوہ ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ صحابہ کو خطاب کر کے فرماتے ہیں کہ تم ایسے زمانہ میں ہو جس میں تقریریں کرنے والے کم ہیں سمجھنے والے زیادہ ہیں اور عنقریب ایسا زمانہ آنے والا ہے جس میں تقریریں کرنے والے زیادہ اور سمجھنے والے کم ہوں گے۔

علم نافع

اس تقریر سے واضح ہو گیا کہ علم نافع وہی ہے جو سلف صالحین کا علم تھا یعنی نصوص کتاب و سنت کا ضبط کرنا اور ان کے معانی متعین کرنے میں حضرات صحابہ و تابعین کے ارشادات کے ساتھ مقید رہنا اور جس شخص نے علم کو اس طرز پر حاصل کیا اور اپنی نیت کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے خالص کر لیا۔ تو اسکا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اس کو علم کا حقیقی ثمر یعنی خشیۃ اللہ حاصل ہوگا جس کی طرف آیت کریمہ کا اشارہ ہے۔

انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء اللہ تعالیٰ سے علماء ہی ڈرتے ہیں۔

اسی لئے بعض سلف نے فرمایا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے وہ عالم ہے اور جو اس کی نافرمانی کرتا ہے وہ جاہل ہے۔ وھذا آخر ما اردت من تلخیص الرسالۃ فضل علم السلف علی الخلف و اللہ اسأل العلم النافع و اعوذ بہ من کل علم لا ینفع و قلب لا یخشع و سماء لا یسمع۔

راسخین فی العلم

کون حضرات ہیں

از تقریر شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی صدر مہتمم دار العلوم دیوبند

۵ اربیع الاول ۱۳۶۱ھ کو عزیز محترم مولانا عطا محمد صاحب ہراتی فارغ التحصیل دار العلوم دیوبند کی دستار بندی کی تقریب پر مسجد دار العلوم میں ایک جلسہ منعقد ہوا جس میں مولانا موصوف نے ایک مختصر تقریر میں علم حقیقی کی طرف متوجہ کرنے کے لئے ارشاد فرمایا کہ قرآن مجید میں راسخین فی العلم کی مدح کی گئی ہے۔ لیکن مجھے ایک مدت تک خیال تھا کہ قرآن وسنت کی زبان میں راسخ فی العلم کسے کہتے ہیں اور رسوخ فی العلم کا نصاب اور معیار کیا ہے۔ الحمد للہ کہ ایک حدیث نے اس سوال کو حل کیا جس میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہی سوال کیا ہے کہ راسخین فی العلم کون لوگ ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔

من برّت یمینه وصدقت لسانه واستقام قلبه وعفّ فرجه وبطنه فاولٰئك من الراسخين فى العلم۔	جس کی قسم (اور عہد و پیمان) پورا ہو اور زبان سچی ہو اور دل مستقیم ہو اور پیٹ اور شرمگاہ عفیف ہوں (یعنی بھوک اور شہوت کی وجہ سے کسی ناجائز چیز میں مبتلا نہ ہوں) وہ راسخین فی العلم میں داخل ہے۔
(رواہ ابن ابی حاتم ذکرہ فی شرح تحریر الاصول)	

اس کے بعد فرمایا کہ علم کا معیار (علامت) خشیت خداوندی ہے جس میں یہ نہیں وہ عالم نہیں گو تقریر کتنی ہی بہتر کرے۔ اور تحقیقات علمیہ میں کتنا ہی ماہر ہو۔

اہلِ حق اور اہلِ باطل میں ایک خاص فرق

حضرت وکیع رحمۃ اللہ جو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے استاد اور جلیل القدر امام ہیں فرماتے ہیں کہ مصنفین اہل حق اور اہل باطل میں یہ فرق ہے کہ اہل حق جس باب میں تحریر کرتے ہیں اس باب کی متعلقہ روایات سب لکھتے ہیں۔ خواہ وہ اُن کے مذہب کے موافق ہوں یا مخالف۔ اور اہل باطل صرف اُن چیزوں کا انتخاب کرتے ہیں جو ان کے مذہب و رائے کے مطابق ہوں۔ (سنن دار قطنی کتاب الطہارۃ)

عجائب تواریخ

منقول از المدہش مصنفہ حافظ حدیث ابو الفرج ابن جوزی بغدادی؟

چار بھائی | کہ ان میں سے ہر ایک کے درمیان دس سال کا فاصلہ ہے اور یہ چاروں حضرات ابو طالب کی اولاد ہیں۔ طالب، عقیل، جعفر، علی مرتضیٰ رضؓ کیونکہ طالب عقیل سے دس سال بڑے تھے۔ اور عقیل جعفر سے دس سال بڑے۔ اور جعفر حضرت علی رضؓ سے دس سال بڑے تھے۔

موسیٰ بن عبیدہ ربذی اپنے بھائی عبداللہ سے اسّی سال چھوٹے تھے۔

اور یہ بھی عجائب میں سے ہے کہ حضرت مہلب ابن ابی صفرہؓ کے تین صاحبزادے۔ یزید زیاد۔ مدرک ایک ہی سال میں پیدا ہوئے۔ ایک ہی سال میں شہید ہوئے۔ تینوں کی عمریں اڑتالیس سال ہوئیں۔

یہ بھی عجائب عالم میں سے ہے کہ چار حضرات حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن عمر لیثی۔ اور خلیفہ سعدی اور جعفر بن سلیمان ہاشمی۔ ان میں سے ہر ایک کی اولاد سو سو نفر ہیں۔

ربیع الاول سنہ ۱۹۰ھ کی چودھویں شب بھی عجائب قدرت سے ہے کہ اس میں ایک بادشاہ ہادی کا انتقال ہوا۔ اور دوسرے بادشاہ ہارون رشید کی تخت نشینی کا جشن ہوا۔ اور تیسرے بادشاہ مامون پیدا ہوئے۔

عرب میں فن قیافہ و عیافہ

قیافہ کسی انسان یا جانور وغیرہ کے ظاہری آثار و علامات دیکھکر اُن سے اس کے باطنی حالات پر استدلال کرنے کو کہتے ہیں۔ اور عیافہ جانوروں کے اڑنے اور چلنے پھرنے سے انسان کے مخفی حالات پر استدلال کا نام ہے۔ عرب میں یہ دونوں ایسے مکمل تھے کہ ان کے واقعات سن کر حیرت ہو جاتی ہے۔

علامہ ابن الاثیر نے اپنی تاریخ میں قبیلہ بنی اسد کے عیافہ کا واقعہ لکھا ہے جس کو نقل کیا جاتا ہے۔

بنی اسد اس فن کے ماہر مشہور تھے۔ ایک مرتبہ جنات کے کسی مجمع میں اس کا تذکرہ ہوا۔ ان میں سے چند اشخاص اس کا امتحان کرنے کے لئے اُٹھے۔ اور بشکل آدمی اس قبیلہ میں پہنچے اور بیان کیا کہ ہماری ایک ناقہ کھو دی گئی ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ آپ اپنے قبیلہ کا کوئی آدمی ہمارے ساتھ بھیجدیں جو اپنے فن عیافہ کے ذریعہ گم شدہ ناقہ کا پتہ لگا دے۔

اس قبیلہ نے اپنے میں سے ایک چھوٹے لڑکے کو ان کی ساتھ کر دیا۔ یہ لڑکا ان کی ساتھ اونٹ پر سوار ہو کر روانہ ہوا۔ راستہ میں ایک باز اڑتا ہوا سامنے آیا جس نے ایک بازو لٹکا رکھا تھا۔

لڑکا اس کو دیکھتے ہی رونے لگا۔ ان لوگوں نے سبب پوچھا تو بولے تاثل کہدیا۔

کسرت جناحا ورفعت جناحا وحلفت | باز نے ایک پر اٹھایا اور دوسرا لٹکا دیا گویا مراد
اللہ صراحًا ماانت بانسی ولا تبغی | اللہ کی قسم کھائی کہ نہ تم انسان ہو اور نہ تمھاری غرض
لقاحا د رسائل ابن رجب ص۱۱) | ناقہ کی تلاش ہے۔

سمت قبلہ کیلئے حسابات ریاضی یا نجوم سے استدلال

علامہ ابن رجب حنبلی متوفی ۵۹۵ھ اپنے رسالہ فضل علم السلف علی الخلف میں لکھتے ہیں کہ علم تسییر یعنی حرکات نجوم وغیرہ سے سمندر میں راستہ یا سمت قبلہ معلوم کرنے میں بضرورت فائدہ اٹھانا جمہور علماء کے نزدیک جائز ہے۔ بلیکن اس میں تدقیق اور غلو ناجائز و مضر ہے۔ کیونکہ اس میں تدقیق کا نتیجہ بعض اوقات یہ ہو جاتا ہے کہ مسلمانوں کی عام مساجد اور محاریب صحابہ کے متعلق بدگمانی پیدا ہو جاتی ہے اور یہ اس وہم میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ صحابہ و تابعین اور تمام مسلمانوں نے سمت قبلہ میں خطا کی ہے اور ایسا خیال کرنا قطعًا باطل ہے۔ اور اسی وجہ سے امام احمد بن حنبلؒ نے ستارہ جدی سے سمت قبلہ پر استدلال کرنے کو منع فرمایا ہے۔ (ص۱۲)

تقلید صحابہ کیلئے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا ارشاد

ارشاد فرمایا۔

خذوا من الرأی مایوافق من کان | اس قیاس کو اختیار کرو جو تم سے پہلے حضرات کی
قبلکم فانھم کانوا اعلم منکم۔ | رائے کے موافق ہو۔ کیونکہ وہ تم سے زیادہ اعلم
(فضل علم السلف لابن رجب ص۲۰) | تھے۔

(بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ دارالعلوم دیوبند۔ ۷ ربیع الاول ۶۰ھ)

عجائب تواریخ

مصائب دنیا۔ قحط اور زلزلے اور وبائیں

دنیا میں جس طرح نعمتوں کی کوئی انتہا نہیں۔ ہر بڑی نعمت سے زیادہ بڑی نعمت ہو سکتی ہے اسی طرح مصیبتوں کی بھی کوئی انتہا نہیں۔ ہر مصیبت سے بڑی مصیبت ہو سکتی ہے۔ اس مختصر مضمون میں علامہ

ابن جوزی کی کتاب المدہش سے کچھ مصائب و حوادث کے واقعات لکھے جاتے ہیں جو دنیا کے مختلف ادوار میں پیش آچکے ہیں۔ اس کے پیش کرنے میں ایک تاریخی افادہ کے علاوہ میری غرض یہ بھی ہے کہ جو لوگ کسی مصیبت و حادثہ میں مبتلا ہوں وہ ان وقائع کو دیکھ کر تسلی حاصل کریں کیونکہ انسان کا فطری امر ہے کہ اپنے سے زیادہ گرفتارِ بلا کو دیکھ کر صبر آجاتا ہے۔ سنہ ۱۸ھ فاروق اعظمؓ کے عہد میں بارش کا ایسا قحط پڑا کہ ہوا میں بجائے غبار کے راکھ اڑتی نظر آتی تھی اسی لئے اس سال کا نام عام الرمادہ ہوگیا۔ وحشی جانور بھوک پیاس سے عاجز ہوکر انسانوں کے پاس آجاتے تھے۔ اس قحط میں حضرت فاروق اعظمؓ نے یہ عہد کرلیا تھا کہ گھی دودھ اس وقت تک نہ کھاؤں گا جبتک قحط رفع نہ ہوا اور عام مسلمان یہ چیزیں نہ کھانے لگیں سنہ ۶۴ھ میں بصرہ کے اندر ایسا شدید طاعون آیا کہ امیر بلدہ کی والدہ کا انتقال ہوا تو اس کا جنازہ اٹھانے کیلئے چار آدمی نہ ملے۔ سنہ ۶۹ھ میں طاعون جارف کا واقعہ پیش آیا جس میں تین دن کے اندر ستر ہزار آدمی ہلاک ہوئے۔ اسی طاعون میں حضرت انسؓ کے اسی لڑکے مبتلا ہوکر انتقال کرگئے (حضرت انسؓ کی کل اولاد سو سے کچھ زائد تھی) اس واقعہ میں مرنے والوں کو قبرستان تک لیجانا اور قبر میں دفن کرنا ناممکن ہوگیا تھا اس لئے جب سارے گھر والے مرجاتے تو سب کو ایک کوٹھے میں بند کرکے ان کا دروازہ اینٹ گارے سے بند کردیا جاتا تھا۔ سنہ ۱۳۱ھ میں طاعون آیا تو پہلے دن میں ستر ہزار، دوسرے دن میں ستر ہزار سے کچھ زائد ہلاک ہوئے اور تیسرے دن سب آدمی ٹھنڈے ہوگئے۔ سنہ ۳۳۴ھ میں ایسا قحط شدید پڑا کہ لوگ اپنے بچوں کو ذبح کرکے کھانے لگے اور مردار جانور کھائے جانے لگے۔ اور چند روٹیوں کے بدلے میں بڑی بڑی جائیدادیں فروخت کردی گئی۔ معز الدولہ امیر وقت کے لئے بیس ہزار روپے میں ایک کُر گیہوں خریدے گئے (ایک کُر ہمارے وزن سے تقریباً اسی من ہوتا ہے) جس کے حساب سے دو سو روپیہ کا ایک من اور پانچ روپیہ کا ایک سیر ہوتا ہے۔ سنہ ۴۴۸ھ میں قحط اس قدر شدید ہوا کہ پانچ سیر غلہ سات گنی میں اور ایک انار ایک گنی میں۔ ایک ککڑی ایک گنی میں فروخت ہوتی تھی۔ اور مصر سے خبر پہنچی کہ تین چوروں نے ایک گھر میں نقب دیا۔ صبح کے وقت تینوں مرے ہوئے پائے گئے ایک نقب کے دروازہ پر دوسرا سیڑھی پر تیسرا کپڑوں کی بندھی ہوئی گٹھڑی پر۔ سنہ ۴۶۲ھ میں اس قدر شدید قحط اور وبا اس قدر عام ہوئی کہ آدمی آدمی کو کھانے لگے اور بادام اور شکر روپیہ کی روپیہ بھر آنے لگی۔ اسی قحط میں وزیر ایک روز اپنے گھوڑے سے ایک جگہ اترے تو تین آدمیوں نے دوڑ کر گھوڑے کو ذبح کیا اور کچا گوشت کھانے لگے۔ اس پر وزیر نے ان تینوں کو سولی پر چڑھا دیا۔ صبح کو دیکھا گیا کہ ان تینوں کی صرف ہڈیاں رہ گئیں گوشت کو دوسرے بھوکے کھاگئے۔ نعوذ باللہ من الآفات والحوادث۔

زلزلے حضرت فاروق اعظمؓ کے عہد میں سنہ ۲۰ھ میں زلزلہ آیا۔ پھر ۹۴ھ میں چالیس روز تک زلزلہ جاری رہا اور بڑے بڑے مکانات گر گئے اور شہر انطاکیہ بالکل منہدم ہوگیا۔ اور ۲۳۳ھ میں شہر غوطہ زلزلہ سے اُلٹا ہوگیا اور سارے شہر میں سو سوا ایک آدمی کے کوئی باقی نہ رہا۔ اس کے قریب انطاکیہ میں زلزلہ آیا تو بیس ہزار آدمی ہلاک ہوگئے۔ اور ۲۳۴ھ میں بغداد، بصرہ، کوفہ، واسط و عبدان و اہواز و ہمدان میں ایک ایسی سخت تیز ہوا چلی کہ جس نے کھیتیاں جلا دیں بازار بند ہوگئے۔ باون روز تک یہی ہوا چلتی رہی۔

۲۳۵ھ میں طاہر بن عبداللہ نے خلیفۂ وقت امیر المؤمنین متوکل باللہ کے دربار میں ایک پتھر بھیجا جو طبرستان کے اطراف میں آسمان سے گرا تھا جس کا وزن آٹھ سو چالیس درہم کی برابر تھا اس کے گرنے کا دھماکا بارہ بارہ میل تک سنا گیا اور گر کر پانچ ہاتھ تک زمین میں گھستا ہوا چلا گیا۔ سنہ ۲۴۲ھ میں ایک ہوا بلاد ترک سے نکلی جو مرو میں پہنچی تو ایک بڑی خلقت کو زکام کے ذریعہ ہلاک کر دیا۔ پھر نیشاپور اور رے میں پہنچی تو بخار اور کھانسی سے بہت سے آدمیوں کو ہلاک کر دیا۔ اور بلاد مغرب سے خطوط آئے کہ قیروان کی بستیوں میں سے تیرہ بستیاں زمین میں خسف ہوگئیں اور سوا دو آدمیوں کے ان میں کوئی نہیں بچا اور یہ بچنے والے بھی بالکل سیاہ رنگ ہوگئے تھے جب شہر قیروان میں آئے تو لوگوں نے ان کو نکالا کہ تم عذاب الٰہی میں گرفتار ہو۔ حاکم بلدہ نے ان کے لئے شہر سے باہر مکان بنوا دیا۔ اور سنہ ۲۴۱ھ میں دامغان میں زلزلہ آیا پچیس ہزار آدمی ہلاک ہوگئے اور یمن میں ایک پہاڑ دوسرے پہاڑ کی جگہ چلا گیا۔ اور حلب میں ایک جانور کوے سے بڑا گدھ سے چھوٹا ایک درخت پر آکر ٹھہرا اور چالیس مرتبہ یہ آواز دی۔ اتقوا اللہ اللہ اللہ یعنی اللہ سے ڈرو۔ اللہ اللہ۔ چالیس آوازیں دے کر اڑ گیا پھر اگلے دن آیا اور چالیس آوازیں مثل سابق دے کر اڑ گیا۔ حاکم بلدہ نے اس کو لکھا اور پانچسو آدمیوں کی جنھوں نے یہ آواز سنی تھی اس پر گواہی کرائی۔ سنہ ۲۴۵ھ انطاکیہ میں زلزلہ آیا جس سے ڈیڑھ ہزار مکانات منہدم ہوگئے اور اہل انطاکیہ گھروں، روشندانوں اور دریچوں سے نہایت خوفناک آوازیں سنتے تھے۔ اور تنیس میں ایک نہایت ہیبت ناک آوازیں سنی گئی جو بہت عرصہ تک باقی رہی جس سے بڑی خلقت ہلاک ہوگئی۔ سنہ ۲۵۸ھ میں ایک بستی پر سیاہ و سفید پتھروں کی بارش ہوئی۔

۲۸۰ھ میں مقام دُنبل میں زلزلہ آیا (دُنبل موصل کے قریب ایک شہر ہے) صبح کو دیکھا گیا تو شہر کا اکثر حصہ خاک کا ڈھیر ہو چکا تھا۔ گری ہوئی عمارتوں کے نیچے سے ایک لاکھ پچاس آدمی مردہ نکالے گئے۔ سنہ ۳۱۹ھ میں حجاج کا ایک قافلہ راستہ گم کر کے کسی طرف جا نکلا وہاں جنگل میں بہت سے آدمی پتھر

بنے ہوئے دیکھے اور ایک عورت پتھر کی تنور پر کھڑی ہوئی دیکھی اور تنور میں جو روٹی تھی وہ بھی پتھر ہوگئی تھی۔ (بندہ محمد شفیع عفا عنہ)

مناسک حج اور قربانی!

عشق حقیقی کے مظاہر

یہ مضمون اب سے پچاس برس پہلے احقر کی زمانہ طالب علمی کا لکھا ہوا ہے جو اس وقت کسی اخبار کی فرمائش پر لکھا تھا۔ اس وقت اتفاقاً سامنے آگیا اور فی الجملہ دلچسپ بھی ہے اس لئے اس کو کشکول کا جزو بنا دیا گیا۔ (محمد شفیع عفا عنہ)

کائنات عالم کو اپنے پروردگار خدائے قدوس کے ساتھ بہت سے رشتے اور مختلف قسم کے تعلقات حاصل ہیں۔ مثلاً وہ خالق ہے اور ہم سب مخلوق، وہ حاکم ہے اور ہم سب محکوم۔ اسی طرح ایک رشتۂ عشق و محبت بھی حاصل ہے یعنی خدائے عز وجل محبوب ہے اور تمام عالم اس کا محب۔ اور اگر موجودات عالم پر ایک نظر ڈالی جائے تو اس کی ہر چیز میں ہمارے اس دعوے کی شہادتیں ملتی ہیں۔ ہر انسان کے دل میں کم وبیش اس محبت کی ایک چنگاری ضرور نظر آتی ہے۔ بت پرست قومیں اگر پتھروں اور بتوں کے سامنے ڈنڈوت کرتی ہیں تو دعویٰ ان کا بھی یہی ہے الا لیقربونا الی اللہ زلفیٰ یعنی ہم بتوں کی عبادت صرف اس لئے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے قریب کردیں۔ ایک مجوسی اگر آگ کی پرستش کرتا ہے اور ایک آفتاب پرست اگر آفتاب کو ڈنڈوت کرتا ہے اور ایک ہندو اگر مندر کی طرف دوڑتا ہے اور ایک عیسائی اگر گرجا کی طرف چلتا ہے اور ایک یہودی اگر اپنے عبادت خانہ کو جاتا ہے۔ اگر ان سب سے پوچھئے کہ تمہیں کس کی تلاش ہے کس کی یاد میں سرگرداں ہو تو جواب مشترک پائیں گے کہ ایک موحد مسلمان جس ذات قدوس کی عبادت کے لئے مسجد کی طرف دوڑتا ہے اسی کی محبت اور اسی کی یاد میں یہ سب لوگ بھی سرگرداں ہیں۔ سب کو اسی کی تلاش ہے اور سب اسی کی رضا کے طالب ہیں۔

یہ دوسری بات ہے کہ انھوں نے قسمت سے راستہ غلط اختیار کرلیا جس کی وجہ سے ان کی کوشش نہ صرف بیکار بلکہ مضر ثابت ہوئی وہ جوں جوں اس غلط راستہ پر دوڑتے ہیں اپنے مقصد سے دور پڑتے جاتے ہیں ؎ ترسم نہ رسی بکعبہ اے اعرابی ✽ کیں رہ کہ تو میروی بترکستان است

اور اہل اسلام کو خداوند عالم نے اپنے صحیح اور مستقیم راستے کی ہدایت فرمائی۔ ان کا جو قدم اٹھتا ہے

انھیں اپنے محبوب حقیقی سے قریب کرتا ہے۔

غرض خدا کی محبت انسان کے لئے فطری اور جبلی چیز ہے جس میں ایک بڑے سے بڑا فلسفی اور جاہل سے جاہل گنوار دونوں برابر نظر آتے ہیں جس دل میں حیات کا کوئی رمق باقی ہے وہ ضرور خدا کی محبت اور اس کی عظمت اپنے اندر محسوس کرتا ہے۔ ہاں ان قلوب کا ذکر نہیں جن کو مادیات کے تلوث نے چرلیا ہے اور جن کے لئے اکبر مرحوم نے فرمایا تھا ؎

چھوڑ کر بیٹھا ہے یورپ آسمانی باپ کو ؛ بس خدا سمجھا ہے اس نے برق کو اور بھاپ کو

نیز اگر عشق و محبت کے اسباب پر گہری نظر ڈالی جائے تو وہ تین سے زیادہ نہیں نکلتے۔ مال جمال کمال۔ کوئی کسی سے اس کے مال کی وجہ سے محبت کرتا ہے اور کوئی جمال پر عاشق ہے اور کوئی کسی کے کمال کی وجہ سے اس کا شیفتہ ہوتا ہے۔

پھر جب ہم بارگاہ عزت و جلال کی طرف نظر اٹھاتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے یہ تینوں اسباب وہاں نہ صرف بوجہ اتم موجود ہیں بلکہ ہر مال، جمال اور کمال کا سرچشمہ وہی ہے۔ دنیا میں جہاں کہیں کمال یا جمال کا کوئی نور موجود ہے وہ سب اسی مجمع کمالات کا پرتو ہے۔

اور جب عشق و محبت کے تمام اسباب اس بارگاہ جلال میں بوجہ اتم موجود ہیں تو ظاہر ہے کہ اس کو چھوڑ کر کسی اور طرف نظر اٹھانا یا دل لگانا کس قدر تنگ نظری اور محرومی ہوگی ؎

آنانکہ بجز روئے تو جائے نگرانند ؛ کوتاہ نظرانند چہ کوتہ نظرانند

اس مجمع کمالات کے سوا کسی اور کے ساتھ دل لگانا حقیقت میں انتہائی محرومی اور ابدی حسرت و یاس کے سوا کوئی نتیجہ نہیں رکھتی ؎

عشق بر مردہ نباشد پائدار ؛ عشق را برحی و بر قیوم دار ؛ عشقہائے کز پئے رنگے بود ؛ عشق نبود عاقبت ننگے بود

اور جب یہ ثابت ہوگیا کہ مخلوقات عالم کو خدائے قدوس کے ساتھ جس طرح حاکمیت کا تعلق حاصل ہے اسی طرح محبوب اور محب ہونے کا تعلق بھی ہے تو اب یہ سمجھ لینا دشوار نہ رہا کہ جو مختلف قسم کی عبادتیں مخلوق کے ذمہ فرض ہیں وہ سب انھیں تعلقات کے مظاہر ہیں۔ بعض شان حاکمیت محکومیت سے تعلق رکھتی ہیں اور بعض شان محبوبیت اور محبیت سے متعلق ہیں۔ نماز روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ میں سے نماز قسم اول میں درج ہے وہ ابتداء سے انتہا تک تمام ایک دربار حکومت کی حاضری کا فوٹو ہے اور زکوٰۃ کا تعلق کچھ شان حاکمیت کے ساتھ ہے اور کچھ شان محبوبیت کیساتھ۔ کیونکہ عشر و خراج اور ٹیکس وغیرہ سلطانی حقوق بھی ہیں اور محبوب کے راستہ میں اپنا مال قربان کردینا عشق کے مراحل میں بھی ایک مرحلہ ہے۔ باقی دو عبادتیں یعنی روزہ اور حج

یہ دونوں خالص شان محبوبیت سے متعلق ہیں اور عشق حقیقی کے مظاہر ہیں۔ میرا مضمون اگرچہ اس وقت آخر الذکر عبادت کے ساتھ متعلق ہے لیکن سلسلہ کے لئے روزہ اور حج دونوں کے متعلق مختصر گذارش کی جاتی ہے۔

عشق کی پہلی منزل یہ ہوتی ہے کہ کھانا چھوٹ جاتا ہے۔ رات کو نیند نہیں آتی۔ شب و روز محبوب کا دھیان اسی کا تصور رہتا ہے ؎

شب وہی شب ہے، دن وہی دن ہے ؛ جو تری یاد میں گذر جائے

رمضان المبارک کا لیل و نہار اسی شان عاشقیت کا دلکش نظارہ ہے۔ دن بھر بھوکے پیاسے پھرتے ہیں اور رات آتے ہی عرض و معروض کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں اور یہی راز ہے اس فرمان کا جو حدیث میں وارد ہے۔ والذی نفسی بیدہ لخلوف فم الصائم اطیب عند اللّٰہ من ریح المسک یترک طعامہ وشرابہ وشہوتہ لاجلی الصوم لی وانا اجزی بہ یعنی مجھ کو قسم خدا کی روزہ دار کے منہ کی بو جو بوجہ روزہ کے پیدا ہو جاتی ہے اللہ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے بہتر ہے۔ کھانا۔ پینا۔ شہوات کو روزہ دار میرے لئے چھوڑتا ہے۔ روزہ میرے لئے ہے۔ اور میں خود ہی اس کی جزا دوں گا۔

یہ عشق ہی کے راز و نیاز ہیں کہ منہ کی بدبو مشک کی خوشبو پر ترجیح دی جاتی ہے ؎

خون شہیداں را ز آب اولیٰ تر است ؛ ایں خطا از صد صواب اولیٰ تر است

نیز روزہ کی جزا ءِ خود بذات قدوس کا ہونا بھی بارگاہ عشق کے ہی کرشمے ہیں۔

اعتکاف

رمضان المبارک کے آخر میں سنت اعتکاف اسی رشتہ عشق و محبت کے مناسب ہے۔

پھر دل میں ہے کہ در پہ کسی کے پڑے رہیں ؛ سر زیر بار منت درباں کئے ہوئے

اور محبوب کے اشتیاق میں دنیا کی اکثر حلال چیزوں کو بھی ترک کر دیا جاتا ہے۔

عشق کی دوسری منزل یہ ہوتی ہے کہ جب بیتابی بڑھتی ہے تو گھر بار، عزیز و اقربا۔ وطن و دیار کو چھوڑ کر مجنونانہ صحرا نوردی اختیار کرتا ہے۔ دیوانہ کی طرح نہ تن کی پرواہ ہوتی ہے نہ بدن کی نہ لباس کی خبر ہوتی ہے نہ زینت کی وہ اپنی اسی حالت پر مگن ہے اور ہزاروں تخت و تاج پر اس بے سروسامانی کو ترجیح دیتا ہے ؎ درویشم و گدا و برابر نمی کنم ؛ پشمیں کلاہ خویش بصد تاج خسروی

خوش فرش بوریا و گدائی و خواب من ؛ کیں عیش نیست درخور اورنگ خسروی

رمضان المبارک ختم ہوتے ہی اشہر حج کا شروع ہونا شاید اسی راز پر مبنی ہو کہ عشق کی پہلی منزل ختم ہوئی۔ اب دوسری منزل میں قدم رکھنا چاہئے۔

عشق کی دوسری منزل مناسک حج ہے

عشق مولا کے کم از لیلےٰ بود گوئی گشتن بہر او اولیٰ بود

اگر ذرا تدبر سے کام لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے۔ عبادتِ حج اول سے آخر تک تمام عاشقانہ اور مضطربانہ حرکات کے مجموعہ کا نام ہے اہل و عیال اور وطن کو چھوڑ کر کسی محبوب کی تلاش میں چل کھڑے ہوتے ہیں۔ لباس اور ہیئت بھی وہی بنائی جاتی ہے جو عاشق مجنون کے لئے شایان شان ہے سر کھلا ہوا اور بال و ناخن بڑھے ہوئے ہیں۔ خوشبو کے پاس نہیں جاتے۔ قدم قدم پر لبیک اللّٰھم لبیک کے نعرے کرتے ہوئے چلے جاتے ہیں جس کے یہ معنی ہیں کہ حجاز کے ریگستانی ملک اور خشک میدانوں میں ہر قسم کے خطرات اور مصائب کے سایہ میں یہ سفر ہوتا ہے ؎

گر در طلبش مار ار نجے برسد شاید ؛ چوں عشق حرم باشد سہل است بیابانہا

بلدِ امین یعنی مکہ معظمہ میں داخل ہوتے ہی بیت اللہ کا طواف اور حجر اسود کو ہاتھ لگانا اور چومنا یہ سب ہی احوال ہیں جو ایک عاشق کے لئے دیار محبوب پر پہنچنے کے بعد شایاں ہیں۔ اس کے بعد صفا اور مروہ کے درمیان دوڑنا اور پہاڑوں پر چڑھنا اور پھر وادی منیٰ کے میدانوں میں جا پڑنا۔ مزدلفہ میں ٹھیرنا یہ سارے کام عشق کے انتہائی شوق و ذوق کے مظاہر ہیں۔ ایک عربی شاعر نے خوب کہا ہے ؎

واخرج من بین البیوت لعلنی احدث عنك النفس فی السر خالیا

میں آبادی سے اس لئے نکل جاتا ہوں کہ شاید تنہائی میں تیرے خیال کی تصویر اس طرح باندھوں کہ پھر کوئی دوسری تصویر اس کے ساتھ دل میں نہ آ سکے۔ ؎

تصویر سے کسی کے ہیں لے کی ہی گفتگو برسوں ؛ رہی ہے ایک تصویر خیالی رو برو برسوں

پھر جس طرح عاشق کو اپنے ناصح اور محبوب کی راہ سے روکنے والے سخت دشمن نظر آتے ہیں اور وہ ان کو پتھر مارنے کے لئے تیار ہوتا ہے۔ رمی جمرات بھی عجب نہیں کہ اسی راز پر مبنی ہو۔ کیونکہ درحقیقت اس فعل کی یادگار ہے جو شیطان کے ساتھ ان مواقع میں کیا گیا۔ کیونکہ شیطان محبوب کے راستے میں حائل ہوتا ہے اس کے بعد طواف وداع اور رخصت کے وقت بیت اللہ اور ان کے پردوں کے ساتھ رل کر رونا۔ یہ سارے افعال وہی ہیں جو ایک عاشق کے لئے اپنے محبوب کے گھر سے جدا ہونے کے وقت لابدی ہیں۔

عشق کی آخری منزل قربانی

عشق جب اپنے تمام مراحل طے کر چکتا ہے تو بالآخر اس کا نتیجہ یہی ہے ؎
پہلے ہم نے سامنے اس گل کے خنجر رکھدیا ؛ پھر کلیجہ رکھدیا دل رکھدیا سر رکھدیا

محبوب حقیقی کے عشاق کو بھی چاہیے کہ آخری منزل میں قدم رکھتے ہوئے اپنی جانوں کو جان جاناں کے کوچہ میں قربان کر دیتے۔ چنانچہ بیت الحرام کے حجاج منیٰ میں اس رسم کو بھی ادا کرتے ہوئے اپنی جانوں کو قربانی کے لئے۔ بزبان حال کہتے ہیں۔ ؎

ہمہ آہوان صحرا سر خود نہادہ بر کف ؛ بر امید آنکہ روزے بہ شکار خواہی آمد

لیکن بمقتضائے ؎ غافر ست غفور خود فرمود ؛ سبقت رحمتی علی غضبی از کمال رحم و احسان شفقت و امتنان وفدیناہ بذبح عظیم کے ارشاد میں جان کے بدلے میں ایسی ایک جان مانگ لی جس کو اس نے ان جانباز عشاق کے کام کے لئے پیدا کیا تھا۔ پھر لطف یہ ہے کہ اس پر اجر عظیم کا وعدہ بھی فرمایا جس سے فضل و کرم کے انتہائی مدارج تک طائر علم و ادراک کو راستہ ملتا ہے ؎ جان دی دی ہوئی اُسی کی تھی ؛ حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

(بندہ محمد شفیع عفا عنہ)

ایک سانپ نے انسان کو ہلاکت سے بچا لیا

شیخ ابوالحسن علی بن مزین صغیر فرماتے ہیں کہ تبوک کے ایک کنویں پر پانی لینے کے لئے گیا اتفاقاً میرا پاؤں پھسلا اور میں کنویں کے تہ میں جا گرا کنواں قدیم اور شکستہ تھا اس کے گوشہ میں کچھ جگہ پڑی ہوئی تھی میں نے اس جگہ کو درست کیا اور وہاں بیٹھ گیا جنگل کا کنواں۔ لق و دق میدان نہ آدم نہ آدم زاد کنویں سے نکلنے کا بظاہر کوئی سامان نہ تھا۔

میں اسی فکر میں بیٹھا تھا کہ اچانک ایک دھماکہ میرے کان میں پڑا۔ نظر اٹھائی تو دیکھا کہ ایک بڑا سانپ ہے یہ سانپ میری طرف بڑھا اور اپنی دم میں مجھے لپیٹ لیا۔ اور کنویں کی دیوار پر چڑھنا شروع کیا یہاں تک کہ کنویں سے نکل گیا۔ باہر آتے ہی اس نے میری گرفت ڈھیلی کر دی اور مجھے من پر چھوڑ کر ایک طرف کو چلدیا۔ (حیوۃ الحیوان ص ۱۷ ج ۲)

تبارک اللہ احسن الخالقین۔ یہ ہیں کرشمہائے قدرت کہ جب چاہتے ہیں تو سانپوں اور درندوں سے ایک ضعیف و نازک انسان کی حفاظت کا کام لے لیتے ہیں ؏ آپ جس خار سے کہدیں وہ گلستان ہو جائے اور نہیں تو مضبوط قلعہ اور محفوظ تہ خانہ میں بھی کوئی بچانے والا نہیں۔ ولنعم ما قیل ؎

تو ہم گردن از حکم داور مپیچ　　　　که گردن نه پیچد ز حکم تو ہیچ

فائدہ:۔ شیخ ابوالحسنؒ مذکور سے کسی خادم نے بوقت رخصت عرض کیا کہ مجھے کچھ زاد راہ عنایت فرمایئے فرمایا کہ اگر تمھاری کوئی چیز گم ہو جاوے یا تم چاہو کہ فلاں آدمی کے ساتھ تمھاری ملاقات ہو جاوے تو یہ دعا پڑھ لیا کرو۔ یا جامع الناس لیوم لاریب فیہ ان اللہ لایخلف المیعاد اجمع بینی وبین کذا (لفظ کذا کی جگہ اپنے مطلوب کا نام ذکر کرے) انشاء اللہ گم شدہ چیز یا مطلوب انسان مل جائے گا۔

راوی کہتے ہیں کہ میں نے کبھی کسی حاجت کے لئے یہ دعا نہیں کی کہ مجھے وہ حاجت حاصل نہ ہو گئی ہو (حیوۃ الحیوان صفحہ ۲۶ ج ۱)

فائدہ عظیمہ مجربہ:۔ شیخ المشائخ حضرت یافعیؒ سے منقول ہے کہ قضاء حاجات اور کامیابی مقاصد اور ازالہ غم و فکر کے لئے طریق ذیل نہایت مفید و مجرب اور ایک خزانہ مخفیہ ہے عمل یہ ہے کہ عشاء کی نماز کے بعد طہارت کاملہ کی ساتھ اللہ تعالیٰ کا اسم گرامی لطیف سولہ ہزار چھ سو اکتالیس مرتبہ پڑھیں۔ اس تعداد میں کمی زیادتی ہرگز نہ ہونی چاہئے ورنہ وہ سر عجیب جو اس میں ہے باقی نہ رہے گا۔ اور اس تعداد کو پوری طرح محفوظ رکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ ایک ایسی تسبیح بنائی جاوے جس میں (۱۲۹) دانے ہوں اور یہ تسبیح (۱۲۹) مرتبہ پڑھی جاوے تو تعداد مذکور پوری ہو جاوے گی۔ اور وجہ اس عدد خاص کی یہ ہے کہ اس اسم مبارک کے عدد (۱۲۹) ہیں اس کو ۱۲۹ میں ضرب دینے سے عدد مذکور نکل آتا ہے۔

یہ وظیفہ ختم کر کے اپنی حاجت کیلئے دعا کرے انشاء اللہ تعالیٰ حاجت پوری ہوگی۔ اور ہر مرتبہ (۱۲۹) دانہ کی ایک تسبیح پوری کرلے تو یہ آیت پڑھے لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ۔ اور سب سے آخر میں یہ دعا پڑھے۔

اَللّٰهُمَّ وَسِّعْ عَلَيَّ رِزْقِيْ اَللّٰهُمَّ عَطِّفْ عَلَيَّ خَلْقَكَ كَمَا صُنْتَ وَجْهِيْ عَنِ السُّجُوْدِ لِغَيْرِكَ فَصُنْهُ عَنْ ذُلِّ السُّؤَالِ لِغَيْرِكَ بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ (حیوۃ الحیوان للدمیری صفحہ ۱۷)

سلطان نور الدین شہید زنگی رح

دنیا کے اُن بادشاہوں میں سے ہیں کہ ان کو اولیاء اللہ کی فہرست میں شمار کیا جائے تو بیجا نہیں۔ آپ ہی شام میں سب سے اول ایک مستقل دربار دار العدل کے نام سے تعمیر کیا جس میں ہر بڑے چھوٹے اپنے اور غیر سے بلا خوف و رعایت معاملہ کیا جاتا تھا۔ بلاد شام میں بہت سے مدارس اسلامیہ کی بنا ڈالی۔ اور

ایک مستقل دارالحدیث اور بیمارستان (شفاخانہ) بنایا پچاس سے زیادہ اسلامی شہروں کو کفار نصاریٰ وغیرہ کے ہاتھ سے آزاد کرایا۔

سلطان نورالدین نوراللہ مرقدہ مندرجۂ ذیل دو شعر بکثرت پڑھا کرتے تھے جس سے ان کے قلبی جذبات وطبیعت کا اندازہ ہوتا ہے

عَجِبْتُ لِمُبْتَاعِ الضَّلَالَةِ بِالْهُدٰی ۔۔۔ وَلِلْمُشْتَرِیْ دُنْیَاہُ بِالدِّیْنِ اَعْجَبُ

میں تعجب کرتا ہوں اس شخص پر جو ہدایت کے بدلے گمراہی خریدے ۔۔۔ اور دین کے بدلے میں دنیا خریدنے والا اس سے زیادہ قابل تعجب ہے

وَاَعْجَبُ مِنْ هٰذَیْنِ مَنْ بَاعَ دِیْنَهٗ ۔۔۔ بِدُنْیَا سِوَاہُ فَهُوَ مِنْ ذَیْنِ اَخْیَبُ

اور ان دونوں سے زیادہ قابل تعجب وہ شخص ہے جو اپنا دین دوسرے کی دنیا کے بدلے میں بیچ دے۔ وہ سب سے زیادہ محروم ہے (حیوۃ الحیوان)

شیر بکری ایک گھاٹ پر

یہ مشہور ضرب المثل ہے جو مختلف زبانوں میں مختلف عنوانوں سے مشہور و معروف اور زبان زد خواص و عوام ہے لیکن عام لوگ اس کو ایک شاعرانہ مبالغہ سے زیادہ نہیں سمجھتے۔ اور شاید اس دورِ روشن خیالی میں تو مجاز و مبالغہ کے سوا اس کے کوئی معنی ہی نہ ہو سکیں۔

لیکن تاریخ اسلام کا مطالعہ کرنے والے ابھی تک اس حقیقت کو نہیں بھولے جو عمر ثانی حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے عہد خلافت میں دنیا دیکھ چکی ہے جس میں شیر اور بکری کو ایک جگہ چرتے اور کھاتے پیتے دیکھا کوئی اتفاقی بات نہ تھی بلکہ روزمرہ کا مشاہدہ تھا۔

ابن سعد نے (طبقات) میں نقل کیا ہے کہ حضرت موسیٰ بن اعین حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے دورِ خلافت میں ملک کرمان کے کسی جنگل میں بکریاں چرایا کرتے تھے۔ اور وہاں ہمیشہ کا یہ معمول تھا کہ بکریاں اور درندے بھیڑیئے وغیرہ اور وحشی جانور سب ایک جگہ چرتے پھرتے تھے۔ اتفاقاً ایک روز دیکھا کہ ایک بھیڑیئے نے ایک بکری پر حملہ کر دیا۔ یہ واقعہ دیکھتے ہی موسیٰ بن اعین بول اٹھے کہ معلوم ہوتا ہے کہ آج مرد صالح (عمر بن عبدالعزیزؒ) کی وفات ہو گئی۔ لوگوں نے تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ اسی رات میں ممدوح کا انتقال ہوا تھا۔ یعنی ۲۰ رجب ۱۰۱ھ میں (حیوۃ الحیوان لفظ ذئب ص۳۲۹ ج ۱)

حضرت ابوالعالیہ ریاحی رحمۃ اللہ علیہ

آپ ائمہ تابعین میں سے ہیں حضرت علیؓ اور معاویہؓ کی باہمی مشاجرات کے وقت موجود تھے

ایک مرتبہ جب دونوں لشکروں میں صف آرائی ہوئی تو ابوالعالیہ کے جوش اور شباب کا زمانہ تھا۔ آپ نے بھی شریک جنگ ہونے کا ارادہ کیا اور سامان حرب کے ساتھ مسلح ہو کر میدان میں پہنچے۔ دیکھا تو دونوں جانب صحابہ و تابعین کی صفیں اس طرح میدان کو گھیرے ہوئے ہیں کہ ان کا کنارہ نظر نہیں آتا۔ ایک فریق اللہ اکبر کا نعرہ بلند کرتا ہے تو دوسرا لشکر بھی اللہ اکبر کے نعروں سے فضا کو بھر دیتا ہے۔ ایک لشکر سے لاالٰہ الا اللہ کا کلمہ بلند ہوتا ہے تو دوسرے لشکر میں بھی یہی کلمہ بلند ہوتا ہے۔

ابوالعالیہ فرماتے ہیں کہ اس حالت کو دیکھ کر میں ششدر رہ گیا کہ ان میں سے میں کس کو مؤمن قرار دے کر اس کی حمایت کروں اور کس کو کافر قرار دیکر اس کی ساتھ جنگ کروں چنانچہ میں اسی روز واپس ہو گیا (طبقات ابن سعد)

ملاقات احباب

ایک روز عبدالکریم ابوامیہ حضرت ابوالعالیہ رح کے پاس زیارت کے لئے گئے دیکھا تو ان کے بدن پر بہت معمولی کپڑے تھے۔ فرمایا کہ یہ تو رہبان نصاریٰ کا لباس ہے مسلمان تو جب احباب کی ملاقات کیلئے جاتے ہیں (بقدر وسعت) اچھا لباس پہنکر جایا کرتے ہیں (طبقات ابن سعد ص ۸۳ ج ۷)

حضرت حسن بصری رح

ارشاد فرمایا کہ فتنہ جب اول ظاہر ہوتا ہے تو اس کو عالم ہی پہچانتا ہے اور جب ختم ہوتا ہے تو ہر جاہل بھی اس کو پہچان لیتا ہے (طبقات ابن سعد ص ۱۲۱ ج ۷)

حضرت سلمہ بن عبدالرحمن نے ایک مرتبہ حضرت حسن بصری رح سے دریافت کیا کہ آپ جو لوگوں کو فتوے دیتے ہیں تو یہ کسی سنی ہوئی روایت سے ہوتا ہے یا اپنی رائے سے فرمایا کہ بخدا ہم جتنے فتوے دیتے ہیں سب کے متعلق روایتیں ہمارے پاس نہیں ہوتی لیکن ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اُن کی رائے سے ہماری رائے بہتر ہے۔ اس لئے ہم اپنی رائے سے فتویٰ دیدیتے ہیں (طبقات ابن سعد ص ۱۲۱ ج ۷)

ارشاد فرمایا لا تجالسوا اصحاب الاھواء ولا تجادلوھم ولا تسمعوا منھم (ترجمہ) اہل بدعت و اہوا کی ساتھ کبھی مجالست نہ کرو اور نہ ان کی باتیں سنو۔

فقیہ کون ہے؟

مطروراق نے حضرت حسن بصری رح سے ایک مسئلہ پوچھا آپ نے بتلا دیا مطر رح نے کہا کہ فقہاء اس

مسئلہ میں آپ کے خلاف کہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اے مطر تم نے کبھی کوئی فقیہ دیکھا بھی ہے اور تم جانتے ہو کہ فقیہ کس کو کہتے ہیں۔ فقیہ وہ شخص ہے جو متقی اور زاہد ہو اور اپنے بڑوں سے بڑھنے کی فکر نہ کرے اور اپنے چھوٹوں سے تمسخر نہ کرے (طبقات ابن سعد ص۱۲۹ ج ۷)

غیر طالب کو علم سکھانا خلاف ادب ہے

مطرف بن عبداللہ بن سخیر رح فرماتے ہیں۔

لا تطعم طعامك من لا يشتهيه قال مهدی کانه یعنی الحدیث۔ (طبقات ص۱۰۵ ج ۷)

اپنا کھانا اس شخص کو مت کھلاؤ جو اس کی خواہش نہ رکھے۔ مہدی کہتے ہیں مراد اس سے علم حدیث ہے یعنی جو طالب نہ ہو اس کو نہ سکھایا جاوے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رض کی تصنیف حدیث (صادقہ)

حضرت مجاہد رح فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رض کے پاس ایک رسالہ دیکھا دریافت کیا کہ یہ کیا ہے فرمایا اس کا نام صادقہ ہے اس میں وہ روایات حدیث جمع کی گئی ہیں جن کو میں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے بلا واسطہ خود سنا ہے۔ (طبقات ابن سعد ص۱۲۵ ج ۲)

شعبی کی رائے حضرت عبداللہ بن عمرو رض کے متعلق

قال الشعبی کان بن عمرو جید الحدیث ولم یکن جید الفقه (طبقات ابن سعد ص۱۲۵ ج ۲)

امام حدیث شعبی فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرو رض حدیث میں بہت جید تھے مگر فقہ میں ان کا وہ درجہ نہ تھا

حضرت ابو ہریرہ رض اور صدیقہ عائشہ رض

اہل علم پر مخفی نہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رض تمام صحابہ میں کثیر الروایت ہیں اور اکثر حضرات صحابہ کو ان کی کثرت روایت پر اعتراض بھی تھا۔ کہ اُن سے بڑے بڑے ائمہ صحابہ نے اتنی روایات حدیث بیان نہیں کی جتنی وہ کرتے ہیں جضرت صدیقہ عائشہ رض کو اسی بنا پر شبہ تھا۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ اے ابو ہریرہ تم بہت سی حدیثیں ایسی بیان کرتے ہو جو ہم نے نہیں سُنی۔ ابو ہریرہ رض نے فرمایا۔

یا اُمّہ طلبتها وشغلك عنها المرأة

اے میری والدہ وجہ یہ ہے کہ میں نے علم حدیث کو حاصل کیا

والمكحلة وما كان يشغلنی عنها شیٔ ۔ (طبقات ابن سعد صہ۱۱۹ ج ۲)

اور آپ کو آئینہ اور سرمہ دانی نے فرصت نہ دی اور میرے لئے کوئی مشغلہ حدیث کے سوا نہ تھا اس لئے مجھے جس قدر حدیثیں یاد ہیں وہ دوسروں کو یاد نہیں)

ترجمان القرآن ابن عباس کی طالب علمی

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی تو میں اپنے ایک انصاری دوست کے پاس گیا اور ان سے کہا کہ ابھی الحمدللہ بڑے بڑے صحابۂ کرام موجود ہیں ہمیں چاہئے کہ ہم ان سے علم حاصل کرلیں (ورنہ ان کے بعد لوگ ہم سے مسائل پوچھیں گے اور ہمیں علم نہ ہوگا تو مشکل پڑے گی) انصاری دوست پر تواضع کا غلبہ تھا انھوں نے کہا کہ آپ بھی عجیب باتیں کرتے ہیں کہ کوئی زمانہ ایسا بھی آسکتا ہے کہ لوگوں کو ہماری ضرورت پڑے۔ ابن عباس فرماتے ہیں کہ ان کے یہ کلمات سنکر میں نے اُن کو تو ان کے حال پر چھوڑا اور خود طلب علم کے لئے کمربستہ ہوگیا اور جس صحابی کے متعلق مجھے معلوم ہوتا کہ ان کے پاس حدیث کا کچھ علم ہے تو میں ان کی خدمت میں حاضر ہوتا اور اس کو حاصل کرتا۔

بعض اوقات مجھے معلوم ہوتا کہ فلاں بزرگ فلاں حدیث کی روایت کرتے ہیں تو میں اُن کے دروازہ پر حاضر ہوتا۔ اور معلوم ہوتا کہ وہ قیلولہ (آرام) فرمارہے ہیں تو دروازہ ہی پر اپنی چادر سر کے نیچے رکھ کر لیٹ رہتا تھا۔ ہوا سے تمام گرد وغبار میرے چہرہ اور کپڑوں کو گرد آلود کر دیتا تھا۔ مگر میں اپنی دھن میں مست تھا، یہاں تک کہ وہ بزرگ باہر تشریف لاتے اور مجھے اس حال میں دیکھ کر حیرانی سے فرماتے۔ اے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بھتیجے آپ نے یہ کیا کیا۔ آپ کوئی آدمی بھیجکر مجھے بلالیتے میں وہیں حاضر ہوجاتا۔ ابن عباسؓ فرماتے کہ نہیں میں علم حدیث کے لئے آیا ہوں یہ میرے ہی ذمہ تھا کہ خود حاضر ہوں۔

ابن عباسؓ نے اپنے خاندانی اعزاز اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت وعنایات سے حاصل شدہ عزت کو طلب علم کے راستہ میں اس طرح نظر انداز کر دیا کہ عامیانہ طور پر در در پھر کر علم حاصل کیا کیونکہ جو شاہد مقصود اُن کے پیش نظر تھا اس نے ان کو ہر مشقت ومحنت اور ظاہری ذلت برداشت کرنے کے لئے آمادہ کر رکھا تھا ؎

رنج راحت شد چو مطلب شد بزرگ ؛ گرد گلہ توتیائے چشم گرگ

علمار نے فرمایا ہے۔

العلم عزلا ذل فیہ یحصل بذال لاعز فیہ۔ (تعلیم التعلیم للذرنوجی)

علم ایسی بڑی عزت ہے کہ اس میں ذلت کا نام نہیں مگر حاصل ایسی ذلت سے ہوتا ہے کہ اس میں عزت کا نام نہیں۔

اسی والہانہ طلب اور جدوجہد کا یہ نتیجہ ہوا کہ جماعت صحابہ میں آپ کا لقب ربانی الامۃ حبرالامۃ اور ترجمان القرآن مشہور ہے۔ عہد صحابہ ہی میں آپ کے فتاویٰ کا چرچا اور قبول عام ہو گیا۔

اُس وقت تو اس انصاری دوست نے میری بات کی قدر کی اور کہنے لگے آپ ہم سے زیادہ عاقل نکلے۔ (طبقات ابن سعد ص۱۲۱ ج ۲)

عہد نبوت کے مفتی

سہل بن ابی حثیمہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں چھ حضرات فتوے کا کام کرتے تھے۔ تین مہاجرین میں اور تین انصار میں سے یعنی حضرت عمر فاروق رضؓ عثمان غنی رضؓ علی مرتضیٰ رضؓ ابی بن کعب رضؓ معاذ بن جبل۔ زید بن ثابت۔ اور مسور بن مخرمہ فرماتے ہیں کہ تمام صحابۂ کرام کا علم انھیں چھ حضرات پر منتہی ہوتا ہے۔ اور حضرت صدیق اکبر رضؓ کو جب کوئی مشکل معاملہ پیش آتا تھا تو انھیں حضرات کو جمع کر کے مشورہ لیتے تھے۔ اور صدیق اکبر رضؓ کے عہد میں بھی یہی حضرات فتویٰ میں مرجع خلائق سمجھے جاتے تھے۔ پھر فاروق اعظم رضؓ کے عہد میں بھی یہی صورت باقی رہی کہ فتویٰ انھیں حضرات کا چلتا تھا۔ (طبقات ابن سعد ص۱۰۹ ج ۲)

ذوالنورین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور

حضرت زید بن صوحان رضؓ

ذیل کا واقعہ حضرات صحابہ کے محیر العقول اخلاق و تہذیب کا ایک نمونہ ہے کہ ایک طرف تو حق گوئی میں کسی بڑے سے بڑے بادشاہ سے مرعوب نہ ہوں اور دوسری جانب اسی کے حق اطاعت کو بالکل غلامانہ ادا کریں حضرت زید بن صوحان رضؓ کو امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضؓ سے بعض معاملات میں اختلاف تھا ایک روز خود حضرت ممدوح کے سامنے کھڑے ہو کر تین مرتبہ کہا۔

یا امیرالمؤمنین مِلتَ فمالت اُمتاتُ اعتدل یعتدل امتاث۔

اے امیر المومنین آپ صحیح راستہ سے ہٹ گئے تو آپ کی جماعت بھی ہٹ گئی آپ اعتدال پر آجائیں تو جماعت بھی اعتدال پر آجائے گی۔

حضرت عثمان غنیؓ نے (غالباً ان کے خیال کو خلاف واقع سمجھ کر اس کے جواب کی طرف توجہ نہ فرمائی لیکن ساتھ ہی کوئی غصہ یا ناراضی کا بھی اظہار نہ فرمایا بلکہ فرمایا۔

اسامع مطیع انت — کیا تم اپنے امیر کی اطاعت کروگے

زید بن صوحان نے عرض کیا۔ بیشک فرمایا کہ اچھا آپ شام میں چلے جاویں۔ زید اسی وقت وہاں سے اٹھے اور زوجہ کو طلاق دے کر شام کے جس مقام کی طرف امیر المومنین نے فرمایا تھا روانہ ہوگئے کیونکہ (باوجود اختلاف رائے کے) وہ امیر کی اطاعت کو اپنے ذمہ واجب سمجھتے تھے (طبقات ابن سعدؒ ج ۲)

خوش آواز قاری سے قرآن مجید سننے کا استحباب

امام حدیث حضرت علقمہ بن قیسؒ جو اجلہ تابعین میں اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے مخصوص تلامذہ میں سے ہیں فرماتے ہیں کہ مجھے حق تعالیٰ نے تلاوت قرآن میں خاص خوش آوازی عطا فرمائی تھی۔ اور حضرت عبداللہ بن مسعود مجھ سے قرآن مجید پڑھوایا کرتے تھے اور فرماتے تھے اقرأ فداك ابی وامی یعنی میرے ماں باپ تم پر فدا ہوں قرآن مجید سناؤ۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ :۔

حسن الصوت تزین القرآن — خوش آوازی قرآن مجید کی زینت بڑھا دیتی ہے۔

ایثار کی عجیب و غریب مثال

ابراہیم نخعی اور ابراہیم تیمی رح

یہ دونوں حضرات تبع تابعین کے اعلیٰ طبقہ میں ہیں۔ ظالم امت حجاج بن یوسف نے جس طرح ہزاروں علماء فضلاء کو جیلخانہ میں سڑایا اور بہت سوں کو شہید کیا۔ یا کرنا چاہا۔ ان میں ابراہیم نخعیؒ بھی ہیں کہ حجاجی سپاہی آپ کی تلاش میں پھرتے تھے اور آپ اس کی وجہ سے روپوش رہتے تھے۔

ایک روز کسی مخبر نے سپاہیوں کو خبر دی کہ ابراہیم فلاں جگہ ہیں۔ وہاں اتفاق سے دوسرے ابراہیم جو انھیں کے ہمعصر ہیں اور ابراہیم تیمی کے نام سے موسوم ہیں موجود تھے۔ سپاہی ان کے پاس آئے اور دریافت کیا کہ ابراہیم کون ہیں اور کہاں ہیں۔ ابراہیم تیمیؒ جانتے تھے کہ یہ لوگ میری تلاش میں نہیں بلکہ ابراہیم نخعیؒ کی طلب میں ہیں لیکن آپ نے محیر العقل ایثار سے کام لیا کہ ابراہیم نخعیؒ کا پتہ دینے کے بجائے یہ کہکر خود گرفتار ہوگئے کہ میرا ہی نام ابراہیم ہے۔ اور حجاج کے حکم سے دیماس نامی جیلخانہ حجاج میں قید کر دیئے گئے جس میں نہ دھوپ سے

کہیں سایہ تھا اور نہ سردی سے بچاؤ کی کوئی صورت پھر اس میں بھی دو دو آدمیوں کو ایک زنجیر میں جکڑا ہوا تھا۔ حضرت ابراہیم تیمیؒ اس قید کی شدت سے اس درجہ لاغر و کمزور ہو گئے کہ ان کی والدہ ان سے ملنے کے لئے جیلخانہ میں آئی تو دیکھ کر پہچانا نہیں۔ آخر کار اسی جیلخانہ میں آپ کی وفات ہو گئی۔ لوگوں نے آپ سے عرض بھی کیا کہ جب سپاہی آپ کی طلب میں نہ تھے تو آپ باختیار خود کیوں گرفتار ہو گئے۔ فرمایا کہ میں نے مناسب نہ سمجھا کہ ابراہیم نخعی جیسے امام وقت کو لوگ آکر گرفتار کریں اس لئے میں خود ہی ان کی جگہ اپنا نام پیش کر دیا۔ (طبقات ابن سعد ص۱۹۹ ج ۶)

تہذیب الفاظ کی لطیف مثال

ابن عون حضرت ابراہیم نخعی کے شاگرد ہیں مگر مرجیہ کے بارہ میں کچھ حسن ظن رکھتے ہیں خود فرماتے ہیں کہ ایک روز میں حضرت ابراہیم کی مجلس میں تھا مرجیہ کا ذکر آیا تو:-

فقال فیھم قولا غیرہ احسن منہ — تو ان کے متعلق ایسی بات فرمائی کہ دوسری بات اس سے اچھی تھی

کیا تہذیب ہے کہ اختلاف رائے کا اظہار بھی کیا تو ان کی بات کو غلط یا قبیح نہیں بلکہ یوں تعبیر فرمایا کہ دوسری بات اس سے اچھی تھی۔

حضرت مرزا مظہر جان جاناں قدس سرہٗ

کا مکتوب گرامی

ذکر جہر و خفی کی بہترین تحقیق !!

یہ مکتوب فارسی میں تھا ہمارے محترم عزیز مولوی سید حسن صاحب مرحوم نے اس کا سلیس اردو میں ترجمہ کر دیا ہے تاکہ عوام کے لئے مفید ہو۔ ہم اصل خط فارسی کو مع ترجمہ کے دو کالموں میں شائع کرتے ہیں"

مکتوب۔ بعد حمد و صلوٰۃ مخفی نماند کہ طائفہ از فقہاء حنفیہ در انکار ذکر جہر غلو نمودہ فتوے بحرمت دادند و بعضے از محدثین اثبات مشروعیت ذکر جہر نمودہ درپے فضل جہر بر خفی افتادند و ہر دو فریق براہ افراط و تفریط رفتند و از مبحث انصاف سخن نہ گفتند و ایں مقام تنقیح می خواہد و محاکمہ

بعد حمد و صلوٰۃ کے یہ بات معلوم ہونی چاہئے کہ مذہب حنفی کے فقہاء کی ایک جماعت نے ذکر جہر کے انکار میں غلو کر کے اس کی حرمت کا فتویٰ دیدیا ہے اور بعض علماء محدثین نے ذکر جہر کے جواز کو ثابت کیا ہے۔ اور اس کی کوشش کی ہے کہ ذکر جہر کو ذکر خفی سے افضل ثابت

ے طلبد باید دانست کہ معنی لفظ ذکر کہ عبارت
از یاد کردست منحصر است و بر سہ قسم یکے ذکر
لسانی است بے ضمیمہ و آگاہی قلب و این
معنی از اعتبار ساقط است و داخل اقسام
غفلت دوم ذکر قلبی است بے حرکت
لسانی و این معنی در اصطلاح صوفیہ معبّر
است بذکر خفی و بنائے مراقبات این
قوم بر آن است و معمول است در جمیع
طریق و آں بر دو وجہ است یا حضور ذات
بحث مذکور است بے ملاحظہ صفتے و یا بملاحظہ
صفات او و این ہر دو وجہ ماخوذ است از آیۃ
واذکر ربک فی نفسک تضرعا وخیفۃ
ودون الجہر من القول بالغدو
والاٰصال۔ دوم استحضار مذکور یا ملاحظہ
منسوبات او از آلاء و نعماء و این طریق
استدلال است از اثر بموثر و این
معنی در لسان شرع معبر بفکر است
و مفید است زیادت یقین را و کتاب
و سنت از فضائل آں مملو است
و قسم سیوم از اقسام ثلثہ ذکر لسانی است
با ذکر قلبی معاً و این اکمل اقسام ذکر
است۔ و این نیز دو وجہ دارد یکے
اکتفا ذاکر است در ذکر کردن بر اسماع
نفس خود و ہمیں است ذکر خفی در زبان
شرع ماخوذ است از آیہ ادعو ربکم

کریں۔ یہ دونوں جماعتیں افراط و تفریط دب اعتدالی
کے راستہ پر ہیں اور اس مبحث میں خصوصی انصاف کی گفتگو نہیں
یہ مبحث وضاحت کا محتاج ہے اور یہ مباحثہ قول فیصل کا
طالب ہے (لہذا اسکو بیان کیا جاتا ہے) یہ بات معلوم
ہونی چاہیے کہ ذکر کے معنی یاد کرنے کے ہیں اور اسکی تین قسم
ہیں۔ اول صرف زبان کا ذکر بلا توجہ دل ظاہر ہے کہ یہ ذکر
ناقابل اعتبار ہے اور غفلت عن الذکر کے اقسام ہی میں داخل ہے
دوم ذکر قلبی بلا حرکت زبان اور اس کو صوفیہ کی اصطلاح میں
ذکر خفی کہتے ہیں۔ اور صوفیہ کے تمام مراقبوں کی بنیاد یہی
ذکر خفی ہے اور جملہ طریقوں میں صوفیہ رحمہم اللہ کے یہ ذکر
رائج ہے۔ اور اس ذکر کی دو صورتیں ہیں۔ اول دل میں
صرف ذات حق تعالیٰ کا دھیان ہو اور صفات حق میں سے کسی
صفت کا دھیان نہ کیا جائے۔ دوم ذات حق کے دھیان
کیساتھ صفات حق سبحانہ تعالیٰ میں کسی صفت کا بھی دھیان
دل میں بوقت ذکر کیا جائے۔ یہ دونوں صورتیں آیۃ کریمہ سے ماخوذ ہیں
واذکر ربک فی نفسک تضرعا وخیفۃ ودون الجہر من
القول بالغدو والاٰصال دوم ذات حق کا دھیان
کیا جائے اور اس کے ساتھ ان نعمتوں اور احسانات کا بھی دھیان ہو کہ
جو بندوں پر حق تعالیٰ فرماتے ہیں اور ذکر کا یہ طریق استدلال
ہے۔ اثر سے موثر کی طرف، مطلب یہ ہے کہ اس ذکر کی صورت ایسی ہے
کہ جیسے ہم کسی نشان کو خیال کر کے صاحب نشان کو معلوم کریں اور
اس ذکر کو اصطلاح شریعت میں فکر کہتے ہیں اور یہ ذکر جس کا
دوسرا نام فکر ہے زیادتی ایمان کیلئے فائدہ مند ہے اور قرآن
کریم اور احادیث صحیحہ اس کے فضائل سے لبریز ہیں اور تیسری قسم
ذکر کی زبان سے یاد حق کرنا ہے اس طور سے کہ دل میں بھی حق تعالیٰ

[illegible]

تضرعا وخیفة انه لا یحب المعتدین
دویم اسماع غیر است کہ در شرع مسمی
بجہر است و در مواقع خاص افضل است
از خفی نہ مطلقاً بنا بر حکمتے چنانچہ اذان و
قرأت بجہر در صلوٰۃ جہریہ کہ ایقاظ نائمین
وتنبیہ غافلین ازاں منظور است و
حکمتے کہ در ذکر خفی است سلامت نفس
است از ضاد سمعہ و ریا کہ مانع است
قبول عمل را وفضل ذکر خفی بر ذکر جہر
بنصوص کتاب و سنت ثابت است
مطلقاً بلکہ از فحوائے حدیث انکم
لاتدعون اصم ولا غایبا منع جہر
معلوم می شود و ذکر جہر با کیفیات مخصوصہ
و نیز مراقبات با اطوار معمولہ کہ در قرون
متاخرہ رواج یافتہ از کتاب و سنت
ماخوذ نیست بلکہ حضرات مشائخ بطریق
الہام و اعلام از مبدأ فیض اخذ نمودہ
اند و شرع ازاں ساکت است و داخل
دائرہ اباحت و فائدہ تما۔ دراں
بتحقق و انکار آں ضرورت و ظاہر است
انچہ از کتاب و سنت ثابت بود افضل
است از غیر آں اگرچہ مباح باشد
و مفید بود و تعلیم کلمہ طیبہ از آنحضرت
علی ابن طالب رضی اللہ عنہ بجہر کہ از حدیث
شداد ابن اوس ثابت شدہ است بجہر

ادعوا ربکم تضرعا وخفیة یعنی پکارو اپنے رب کو تضرع
کے ساتھ آہستہ۔ دوم اتنا زور سے ذکر کرے کہ دوسرا شخص بھی سن سکے
اس کو شریعت میں ذکر جہر کہتے ہیں اور یہ ذکر جہر خاص خاص
صورتوں میں ذکر خفی سے بھی افضل ہے مطلقاً افضل نہیں اور یہ
فضیلت بھی کسی حکمت الٰہی کی وجہ سے ہے جیسے کہ اذان اور قرأت
قرآن کریم جہری نمازوں میں کہ سونے والوں کو بیدار کرنے اور
غافلوں کی تنبیہ کی وجہ سے جاری کیا گیا اور ذکر خفی میں حکمت
یہ ہے کہ انسان ذاکر کی طبیعت ریا اور شہرت کے عیب سے
محفوظ رہتی ہے اور یہ دونوں عیب عمل صالح کو مقبول
ہونے سے روکتے ہیں۔ ذکر خفی کی فضیلت ذکر جہر پر حدیث شریف
اور آیات قرآن سے ثابت ہے بلکہ حدیث انکم لا
تدعون اصم ولا غائبا (یعنی بیشک تم کسی بہرے
یا غائب ذات کو نہیں پکارتے ہو) ذکر جہر کی ممانعت سمجھ
میں آتی ہے۔ ذکر جہر مخصوص کیفیات کے ساتھ اسی طرح
مراقبے مقررہ طریقوں پر کہ قرون متاخرہ (اور آخری زمانہ
صالحین) میں رائج ہو گئے ہیں۔ حدیث و قرآن سے نہیں لئے
گئے بلکہ بزرگان دین نے الہام الٰہی اور مبداء فیض سے اشارہ
سے ان کو لیا اور جاری کیا ہے۔ اور شریعت اس مسئلہ میں
ساکت ہے یعنی نہ انکار کرتی ہے اور نہ اثبات) اور طرح کا
فائدہ باطنی بھی اس ذکر جہر میں پایا جاتا ہے۔ اور اس کے انکار
کرنے کی کوئی حاجت بھی نہیں۔ ہاں یہ ظاہر ہے کہ جو چیز
قرآن اور حدیث سے ثابت ہوئی ہو وہ افضل ہے اُس سے
جو اس کے علاوہ ثابت ہو۔ خواہ وہ شے جائز اور فائدہ مند
ہی کیوں نہ ہو۔ اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا حضرت علی کرم اللہ
وجہہ کو کلمہ طیبہ کی تعلیم جہر کے ساتھ کہ روایت حضرت شداد بن اوس

متوسط خواہد بود نہ بجہر کذائی چراکہ در اول ایں حدیث است کہ آنحضرت بہ بستن در امر نمود بعد ازاں تعلیم ذکر فرمود بایں معنی مشعر است باخفاء فی الجملہ وگفتگو در جواز و عدم جواز جہر نیست بلکہ در فضل یکے بر دیگر است پس دعوی فضل ذکر جہر مطلقاً و ذکر خفی انکار نصوص است وانکار جمیع اقسام ذکر جہر نیز ہمچنیں چراکہ جہر در بعض مواقع غیر مشروع است و اثبات مسنونیۂ ذکر خفی بمعنی مراقبات معمولہ ونیز اثبات مشروعیہ ذکر جہر یکہ در متاخرین مروج است فضولے است چہ جائے اثبات فضل آں وآنچہ ابنائے بشر مکابرہ می نمایند از طرفین مقبول نیست ولائق التفات نہ وافراط وتفریط مستقبح است واعتدال مستحسن وخیر الکلام ما قل ودل والسلام علی من تبع الھدی والزم متابعہ المصطفیٰ علیہ التحیہ و الثنا۔

سے ثابت ہے وہ جہر معتدل متوسط سے ہے نہ جہر مفرط جیسا کہ اسی حدیث کے شروع میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اول حضرت علیؓ کو دروازہ بند کرنیکا حکم دیا پھر ذکر بجہر کی تعلیم فرمائی اس سے معلوم ہوا کہ فی الجملہ اخفاء مطلوب تھا۔ اور کلام جہر کے جائز اور ناجائز ہونے میں نہیں بلکہ افضل وغیر افضل میں (سو فیصلہ اس میں یہ ہے کہ یہ) دعویٰ کرنا کہ ذکر جہر مطلقاً ذکر خفی سے افضل ہے اس میں صریح آیات و دلائل شرعی کا انکار ہے (لہٰذا یہ قول درست نہ ہوا) اور اسیطرح ذکر خفی کو مطلقاً افضل قرار دینا بھی انکار نصوص ہے۔ اور اسی طرح ذکر جہر کی تمام اقسام کا انکار بھی خلاف نصوص ہے۔ کیونکہ جہر بعض جگہ تو جائز بھی نہیں (جیسے قرأۃ سری نمازوں میں) اور یہ دعویٰ کرنا کہ ذکر خفی مسنون ہے اور مراد ذکر خفی سے وہ مراقبے لئے جائیں کہ صوفیہ میں رائج ہیں۔ اور یا اس ذکر جہر کو مشروع قرار دینا کہ صوفیہ متاخرین نے رواج دیا ہے یعنی جس میں جہر مفرط ہو فضول ہے چہ جائیکہ اس کو افضل قرار دیا جائے اور یہ جو بعض نوجوان مکابرہ اور بحث جانبین سے کرتے ہیں مقبول اور قابل التفات نہیں اور افراط و تفریط بُری شے ہے اور میانہ روی بہتر ہے اور بہتر گفتگو وہ ہے کہ تھوڑی ہو اور پوری بات سمجھاوے۔ اور اسلام ہو اس پر کہ ہدایت کی پیروی کی اس نے ولازم پکڑا پیروی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو۔ فقط۔

تقوی کی برکات دنیا میں

حضرت عبدالرحمٰن بن مہدی رحمۃ اللہ علیہ جو دوسری صدی ہجری کے مشہور و معروف امام اور حافظ حدیث ہیں۔ فرماتے ہیں۔

واللہ لا تجد فقد شی ترکتہ ابتغاء   خدا کی قسم! تم جس چیز کو محض خدا تعالیٰ کی رضا کیلئے چھوڑو گے

وجہ اللہ۔ تو اس کے نہ ملنے کا کوئی نقصان تم محسوس کروگے۔

پھر اپنا ایک واقعہ بیان فرمایا کہ میں اور میرا بھائی دونوں ایک معاملہ میں شریک تھے جس سے بہت بڑا نفع اور مال عظیم حاصل ہوا۔ پھر میرے دل میں اس مال کی طرف سے کچھ شبہ پیدا ہو گیا میں نے محض خدا کے لئے اس کو چھوڑ دیا اور دست برداری دیدی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ میری زندگی ہی میں وہ سارا مال حلال طیب ہو کر ہمارے پاس لوٹ آیا کہ میرے بھائی کا انتقال ہو گیا اور ان کا مال میرے والد کو بطور وراثت مل گیا پھر والد کے انتقال کے بعد وہ کل مال مجھے مل گیا۔

(صفوۃ الصفوۃ لابن الجوزی صـ ج۴)

عبد العزیز بن یوسف؟ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے بصرہ سے رخصت ہونیکا ارادہ کیا تو یحییٰ بن سعید کے پاس حاضر ہوا اور ان سے رخصت ہوا پھر عبد الرحمٰن بن مہدی کے پاس سے رخصت ہوا پھر زہیر بن نعیم بابی کی خدمت میں رخصتی ملاقات کے لئے حاضر ہوا اور میں نے ان سے عرض کیا کہ آپ کی کوئی ضرورت ہو فرمایئے تاکہ میں اس کو پورا کر کے سعادت حاصل کروں۔

زہیر بن نعیم؟ نے فرمایا۔ ہاں ایک ضرورت تو ہے مگر معمولی نہیں بلکہ بہت بڑی مہم ضرورت ہے میں دل میں خوش ہوا کہ مجھے خدمت کا موقع ملے گا۔ آپ نے فرمایا کہ ضرورت یہ ہے کہ تم تقویٰ اختیار کرو کیونکہ میرے نزدیک تمھارا تقویٰ اختیار کرنا اس سے زیادہ عزیز ہے کہ یہ تمام ستون میرے لئے سونے کے بن جائیں (صفوۃ)

حضرت زہیر بن نعیم بابی؟

بصرہ کے مشہور و معروف عالم ربانی اور امام و مقتدا ہیں۔ ایک روز ایک معتزلی شخص آپ کے حلقۂ درس میں حاضر ہوا اور کمبخت نے آپ کے روبرو کہا کہ اے زہیر میں نے سنا ہے کہ تم زندیق ہو حضرت زہیر بن نعیم نے نہایت متانت کے ساتھ جواب دیا کہ "زندیق تو نہیں ہاں ایک بدعمل برا آدمی ہوں۔ تمام خلق اللہ پر آپکی شفقت کا یہ عالم تھا کہ فرمایا کہ کاش میرا جسم قینچیوں سے کاٹ دیا جائے مگر یہ مخلوق خدا تعالیٰ کی اطاعت کرنے لگے۔ ایک شخص نے آپ سے عرض کیا کہ مجھے کچھ وصیت کیجئے۔ فرمایا کہ اس سے بچو کہ خدا تعالیٰ تمھیں عذاب میں پکڑلے اور تم غفلت میں رہو۔ (صفوہ جلد ۴)

خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت

اور ـــــ شیخ عزالدین بن سلام کا فتویٰ

عزیزی ؒ نے سراج المنیر شرح جامع صغیر میں حدیث العجماء جبار کے تحت میں ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ حضرت شیخ عزالدین بن سلام کے زمانہ میں ایک شخص خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوا۔ آپ نے اس سے فرمایا کہ فلاں جگہ جاؤ اور زمین کھودو اس میں خزانہ ہے وہ تم لیلو اور اس میں سے پانچواں حصہ (جو حسب قاعدہ شرعیہ گڑے ہوئے خزانہ کی زکوٰۃ ہے) بھی تمہارے ذمہ نہیں۔

صبح ہوئی تو یہ شخص اس مقام پر پہنچا، زمین کھودی تو حسب ارشاد خزانہ نکلا۔ اب اس شخص نے اس زمانہ کے علماء سے استفتاء کیا کہ شرعی قاعدہ کے موافق مجھے اس میں سے پانچواں حصہ صدقہ کرنا چاہئے، لیکن خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے وہ حصہ بھی معاف کر دیا ہے۔ اب میں کیا کروں۔ ؟

عموماً علماء نے فتویٰ دیا کہ تم اس قاعدہ سے مستثنیٰ کر دیئے گئے ہو تمہارے ذمہ خمس نہیں لیکن شیخ عزالدین بن سلام نے فرمایا کہ نہیں اُس کے ذمہ واجب ہے کہ پانچواں حصہ نکالے کیونکہ خواب میں جو ارشاد فرمایا گیا ہے زیادہ سے زیادہ اس کا درجہ اُس حدیث کی برابر ہوگا جو اسناد صحیح کے ساتھ روایت کی گئی ہو لیکن یہاں اس سے زیادہ اصح روایت اس کی معارض ہے۔ کیونکہ صحیحین بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے فی الرکاز الخمس۔ اور یہ حدیث یقیناً اُس خواب کی حدیث سے اصح ہے اور جب صحیح و اصح میں تعارض ہو تو عمل اصح پر کیا جائے گا۔ (سراج المنیر ص۲۲۶ جلد ۲)

دَوائِ دِل

حضرت ابراہیم خواص ؒ فرماتے ہیں کہ دلوں کی دوا پانچ چیزیں ہیں۔

اول قرآن مجید کی تلاوت تدبر (معنی فہمی) کے ساتھ۔

دوسرے باطن کا (زائد از حاجت کھانے سے) خالی ہونا۔

تیسرے تہجد پڑھنا۔

چوتھے آخر شب میں تضرع وزاری کرنا۔

پانچویں صالحین کی صحبت (الخشوع فی الصلوٰۃ لابن الجوزی)

جنات میں روایت حدیث

اور ______ تعلیم و تعلم

علامہ قاضی بدرالدین حنفی جو آٹھویں صدی ہجری کے مشاہیر علماء میں سے ہیں جنات کے احوال و احکام میں ان کی مستقل کتاب آکام المرجان فی احکام الجان مشہور و معروف ہے۔ اس میں عنوان بالا کے ماتحت انھوں نے نقل فرمایا ہے کہ۔

حضرت ابی بن کعبؓ فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کی ایک جماعت مکہ معظمہ کے قصد سے نکلی اتفاقاً راستہ بھول گئی اس لق و دق میدان میں زندگی کا کوئی سہارا نہ تھا موت کے لئے طیار ہو کر کفن پہن لئے اور لیٹ گئے۔ تو ایک جن درختوں کو چیرتا ہوا سامنے آیا اور کہا کہ میں ان لوگوں میں سے باقی ہوں جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث سنی ہیں۔ میں نے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ۔

المؤمن اخو المؤمن عینه ودلیله لایخذله مسلمان ہر مسلمان کا بھائی اور اس کی آنکھ اور اس کا رہبر ہے اسکو اسکی مدد چھوڑنا نہ چاہئے

پھر کہا کہ دیکھو یہ سامنے پانی ہے اور اس کے فلاں جانب تمھارا راستہ ہے (مل؟)

اسی طرح حضرت عثمان غنیؓ کے عہد میں مسلمانوں کے ایک گم کردہ راہ قافلہ کے سامنے ایک جن آیا اور کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فرماتے ہوئے سنا ہے۔

من کان یؤمن باللہ والیوم الاٰخر فلیحب للمسلمین ما یحب لنفسه ویکره للمسلمین مایکره لنفسه۔	جو شخص اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اسکو چاہئے کہ مسلمانوں کیلئے وہ چیز پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔ اور اس چیز کو ناپسند کرے جسکو اپنے لئے ناپسند کرتا ہے

اس کے بعد قافلہ کو راستہ پر لگا دیا اور پانی کا پتہ دیا۔

اور حضرت وہب بن منبہ سے منقول ہے کہ وہ اور حضرت حسن بصریؒ ہر سال موسم حج میں مسجد خیف کے اندر رات کے کسی حصہ میں ایسے وقت ملاقات کیا کرتے تھے جب سب لوگ سو جائیں حسب عادت ایک مرتبہ یہ دونوں بزرگ مع اصحاب کے مسجد خیف میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک پرند آیا اور حضرت وہب کے پہلو آ بیٹھا اور سلام کیا حضرت وہب نے سلام کا جواب دیا اور یہ سمجھ گئے کہ یہ کوئی جن ہے پھر اس سے گفتگو شروع کی اور دریافت کیا تم کون ہو۔ اس نے کہا کہ میں قوم جنات میں سے ایک مسلمان ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ اس وقت آنے سے تمھارا کیا مقصد ہے عرض کیا کہ آپ کی مجلس سے علمی اور اخلاقی فیوض حاصل کرنا۔ اور ہماری قوم اسی طرح انسانی علماء و صلحاء کی مجالس سے استفادہ کرتی ہے ہم لوگ آپکے اکثر اعمال نماز، جہاد، عیادت مریض، نماز جنازہ، حج وعمرہ وغیرہ میں شریک ہوتے ہیں اور

آپ کے افادات علمیہ اور روایات حدیث کو محفوظ کرتے ہیں حضرت وہب نے فرمایا کہ جنات میں سب سے زیادہ محدث اور عالم کون ہے اس نے حضرت حسن بصری کی طرف اشارہ کرکے عرض کیا کہ ہماری قوم میں ان کے شاگرد سب سے زیادہ علم و افضل ہیں (اکام المرجان ص۸)

استاذ اور عالم کا ادب

خلاصۃ الفتاویٰ مذکور میں ہے۔ کہ شاگرد پر لازم ہے کہ مجلس میں استاد سے پہلے کلام نہ شروع کرے اور استاد کی جگہ نہ بیٹھے اگرچہ استاد وہاں موجود نہ ہو۔ اور علمائے نے فرمایا ہے کہ اسیطرح ہر عالم کا ادب ہر عالی پر واجب ہے جو احکام دین سے واقف نہ ہو (خلاصہ ص۳۲۷ ج۴)

بڑے بول کی نقد سزا

حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میری زبان سے نکل گیا کہ میں کبھی کوئی چیز بھولتا نہیں۔ ابھی یہ کلمہ کہکر فارغ ہوا ہی تھا کہ میں نے اپنے ملازم کو کہا کہ میرے جوتے لاؤ۔ ملازم نے جواب دیا کہ وہ آپ کے پاس آپ کے سامان میں رکھے ہیں۔ گویا فوری طور پر بھول جانیکا مشاہدہ کرادیا گیا۔ (روضۃ العقلاء ابن حبان ص۹۹)

تقلید شخصی

کے متعلق قطب عالم فقیہ العصر حضرت مولانا رشید احمد قدس سرہٗ

کا ایک مکتوب گرامی مشتمل بر تحقیق انیق

"ذیل کا مکتوب قطب عالم حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کے کاغذات سے عرصہ ہوا برآمد ہوا تھا اور صاحبزادہ حضرت حکیم مسعود احمد صاحب مرحوم سے احقر نے حاصل کرلیا تھا۔ کیونکہ وہ بہت سے علمی جواہرات پر مشتمل ہے۔ یہ مکتوب اس زمانہ کے ایک صاحب تصنیف بڑے عالم کے شبہات کے جواب میں ہے۔ افسوس کہ اصل خط جس کے جواب میں یہ والا نامہ تحریر فرمایا گیا ہے دستیاب نہیں ہوا جس سے جواب کا مضمون پوری طرح واضح ہوتا۔

لیکن اہل علم کے لئے اب بھی مطلب سمجھنے میں کوئی الجھن نہیں ہوسکتی افادہ اہل علم کے لئے اس کو شائع کیا جاتا ہے۔ واللہ الموفق والمعین"۔

از بندہ رشید احمد۔ مولوی صاحب سلمہٗ۔ بعد سلام مسنون مطالعہ ماینند۔ آپ کا خط دیکھ کر بیساختہ یہ شعر یاد آیا ؎ مراد خواندی وخود بدام آمدی ؛ نظر پختہ ترکن کہ خام آمدی۔

آپ نے خوب مباحثہ کیا ہے کہ خود ہی فریفتہ ہوگئے۔ بندہ آجکل نہایت عدیم الفرصت ہے لکھنا خوام ہے۔ کاش تم حاضر ہوتے تو اچھی طرح تقریر ہوجاتی۔ قولکم "تقلید شخصی کو واجب سمجھنا بدعت سیئہ ہے" اقول آپ کے نزدیک تقلید شخصی مباح ہے چنانچہ آپ اوپر مقر ہوئے ہیں۔ مگر مباح ہونے کے آپ معنی نہیں سمجھے کہ کیا ہیں بسنو تو سہی تم نے تو منقول اور معقول دونوں کو دھو دیا ہے نفس تقلید اعنی تقلید مطلق تو فرض۔ لقولہ تعالیٰ فاسئلوا الخ اور حدیث انما شفاء العی السوال۔ اور خود بدیہی بھی کہ دین بدون سیکھے نہیں آتا عقل جس کو اس میں دخل ہی نہیں پس مطلق تقلید تو فرض ہے یقین ہے کہ آپ بھی قبول کرلیں گے۔ ورنہ اثبات اس کا کر دیا جاوے گا اور اس کے دو فرد ہو ویں گے۔ تقلید شخصی اور تقلید غیر شخصی کیونکہ دونوں حصے ایک جنس کے ہیں خواہ اس کو جنس اور دو نوع کہو یا مطلق اور دو فرد مقید کہو۔ خواہ کلی اور دو جزئی کہو جس طرح چاہو مقرر کرو۔ بہرحال ہر دو نوع تقلید تحت تقلید مطلق کے ہو ویں گی جو فرض ہے۔ بھلا آپ سے پوچھتا ہوں کہ فرض کے نوع یا فرد مباح کس طرح ہوئے۔ مرد خدا فرض اور مباح تو متباین دو نوع ہیں۔ کہ تحت جنس حکم کے ہے۔ پھر ایک نوع متباین دوسری نوع کی فرد کس طرح ہوگئی ذرا تو سوچو تقلید مطلق تو فرض اور شخصی مباح اور حالانکہ یہ فرد ہے تقلید فرض کی پس تمام آپ کا خدشہ اس ہی خطاء فہم پر مبنی ہے پس ہوش کرو کہ تقلید بہر دو قسم فرض ہے کوئی مباح نہیں۔ مگر چونکہ امتثال امر تقلید میں تخییر ہے کہ جس فرد کو چاہو ادا کرو دوسرے کی ضرورت نہیں اور جو دونوں نہ کرو گے تو عاصی ہو گے۔ اس تخییر کو مباح کہہ دیا ہے مجازاً نہ یہ کہ خود شخصی بذاتہ مباح ہے اس کی ایسی مثال ہے کہ کفارہ یمین حلف کے مثلاً نفس کفارہ فرض ہے اور اطعام اور کسوۃ اور رقبہ میں تخییر جس کو ادا کر دیا مطلق کفارہ سے برأت ہوگئی۔ اور جو کسی کو نہ کیا عاصی رہا۔ علیٰ ہذا مطلق اضحیہ واجب اور بکرا اور سبع بقر و ابل اور پھر نر یا مادہ وغیرہا جزئیات میں خیار جس فرد کا آتی ہوا۔ آتی فرض ہی کا ہوا مباح کوئی بھی نہیں سب فرض ہیں مگر ایک کے اتیان سے سب سے بری ہوجاتا ہے۔ یہی حال جملہ کلیات کا ہے کہ مطلق شرعی فرض ہوتا ہے اور مباح کہنا اس کا باعتبار اباحت اختیار کسی فرد کے ہے نہ مباح مقابل فرض کے آپ نے شبہ فرض ہوجاتے

مباح کا بے موقع کیا۔ ورنہ اگر یہی شبہ ہے تو شخصی والے اس ہی آپ کی تقریر سے غیر شخصی کو بدعت سیئہ
کہدیویں گے کیونکہ غیر شخصی کس طرح فرض ہوتی ہے وہ بھی تو مباح ہمیں متی ہے جو مذکور ہوا۔ اور شاہ ولی اللہ
نے کہاں کہا ہے کہ غیر شخصی کے وجوب پر اجماع منعقد ہوا تاکہ مقابل نوع اُس کے حرام ہو کیونکہ وجوب کا
مقابلہ حرمت سے ہوتا ہے۔ اگر فرضاً یہ کہا ہے تو شخصی مباح کس طرح ہوگی بلکہ حرام ہوئی۔ اور یہی کوتہ فہمی غیر مقلدین
جہال کو ہوئی ہے۔ بلکہ شاہ صاحب نے یہ فرمایا ہے کہ قرون ثلثہ میں باجماع جائز رہی ہے پس جواز سے دوسری
نوع مقابل کی کراہت کس طرح ثابت ہو گئی امکان خاص تو پڑھا ہی ہوگا اور شرع میں ایک فرد کلی
کے جواز سے دوسرے فرد کی کراہت کہاں ثابت ہے۔ جواز اضحیہ شاۃ سے جو صحابہ میں شائع رہا۔ سبع بقر
حرام کیونکر ہوا۔ بلکہ کلی کے حکم سے سب افراد جائز ہیں اور تعامل فرد واحد سے دیگر افراد مرتفع نہیں ہوتے
مساوی الاقدام رہتے ہیں پس اگر یہ قاعدہ ذہن نشین ہوگیا ہے تو سوچو کہ جیسے آپ کے نزدیک شخصی مباح
ہے ایسے ہی غیر شخصی بھی مباح بھی ہے۔ اور جیسا کہ غیر معین کہ غیر شخصی مرادف اس کی ہے آپ کے نزدیک واجب ہے
ویسے ہی معین کہ شخصی اس کی مرادف ہے واجب ہی ہے اور حق یہی ہے کہ دونوں واجب ہیں اور اباحت
دونوں میں بمعنی تخییر ارتکاب احدہما ہے اور بس۔ اپنی ذات میں دونوں فرض ہیں تو آپ کا شبہ تو گاؤ خورد
ہوا۔ اب دوسرے جملہ کو بیان کرنا بھی بطور اعتراض کے ضرور ہے۔

قولکم۔ "اور جو آمین بالجہر و رفع یدین الخ" لاریب اگر موافق مسلک علماء کے یہ امور بوجہ عمل
بالحدیث کے کرے گا اس سے لڑنا حرام ہے مگر جو بوجہ بے علمی و ہوا ہوئی نفسانی کرے گا اور فتنہ اندازی کی وجہ
سے تو اس سے لڑنا عین دین ہے کہ رفع فساد واجب ہے۔ یہ بھی بدیہی ہے اگر اس میں شبہ ہوا زبس واضح کیا
جائے گا۔ اب حاجت نہیں سمجھی گئی۔

قولکم۔ "پھر نفور عوام کے خوف سے تقلید شخصی کو الخ" عزیزا بدعت سیئہ جب ہوتا کہ شخصی بذاتہ مباح
ہوتی وہ بذاتہ حق تعالیٰ اور فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی فرض بنائی ہوئی ہے مثل غیر معین کے اگر بوجہ سہولت کے
یا عدم تقرر مذاہب کے شیوع غیر معین کا رہا تو عملدرآمد قرون ثلثہ سے منصوص فرض مباح کس طرح بن گیا اور کس طرح
اس کا التزام بدعت ہوگیا اور کیوں خود التزام قرون ثلثہ کا خلاف تخییر نص کے ایک فرد کو بدعت نہ ہوا
اگر غیر معین کا التزام بدعت نہیں تو معین کا کیسے بدعت ہوا۔ اور جو معین کا بدعت ہے تو غیر معین کا کیا وجہ
کہ بدعت نہ ہو نص میں دونوں برابر۔ فرضیت میں دونوں مساوی۔ عمل میں ہر دو یکساں۔ عجب العجاب ہے
اگر وجوب عمل غیر معین پر اجماع ہوا ہے تو کہیں ہم کو بھی مطلع کردو۔ ہم نے آج تک دیکھا نہ سنا نہ عقل قبول
کرے کہ اللہ تعالیٰ کسی کلی حکم کے ایک فرد کو التزام عمل امت بفرد دیگر حرام کر دیوے اور عوام جو خدا تعالیٰ

کے ایک حکم کلی کے ایک فرد کا التزام کریں کہ ملتزم قرون سابقہ کے وہ نہ تھے بلکہ دوسرے فرد کے ملتزم تھے تو عوام بیچارے مبتدع ہوگئے کہ کیوں خلاف عمل قرون سابقہ کے خدائے تعالیٰ کے حکم پر عمل کیا لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ بھائی اس کو اگر کوئی تم سے پوچھے کہ قرون ثلثہ کا عمل خدا تعالیٰ کے حکم فرض کا ناسخ ہے اور یہ شرک ہے یا نہیں تو کیا جواب دوگے۔ ایسی حماقت سے مقلد معین کو غیر مقلدین مشرک بنا کر خود مشرک ہوئے اور خبر نہیں ہوئی کہ الٹا وہ طوق شرک اپنی ہی گردن میں آپڑا۔ ذرا سنبھل کر دیکھنا۔

قولکم "پس اس صورت میں عوام کو تنبیہ" الخ اقول۔ بیشک تنبیہ چاہیے کہ ایسا عقیدۂ فاسد نہ کریں بلکہ دونوں کو فرض مساوی الاقدام جان کر جس کو چاہیں عمل کریں بشرط عدم تلہی و عدم فتنہ و فساد اگر ممکن ہو۔ مگر بیشک ظاہر ہے کہ فساد سے خالی نہ ہوگا۔ خواص تو کر سکتے ہیں مگر عوام فساد سے ہرگز خالی نہ رہیں گے۔ اپنے مزے کو آج جورو حلال اور کل حرام۔ ایک روز مذہب حلال اور دوسرے روز ناپاک خبیث۔ خوب قہقہے ہوں گے کہ ہمارا دین خوب دہریوں کا مذہب ہے۔ اب بھی نصاریٰ ہندو اعتراض کرتے ہیں کہ مسلمانوں کے مذہب کا ٹھکانا نہیں۔ پھر خود اہل اسلام عوام بھی ایسا کہا کریں گے ذرا جزئیات کو سوچ کر دیکھنا۔ اگر شبہ رہے تو پھر لکھنا دو چار صورت لکھ دوں گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

قولکم۔ "جیسے اور رسوم شادی غمی کی الخ" اقول مثال غلط ہے رسوم فی ذاتہ مباح تھی نہ فرض پھر اس کو دوسرے کیا مناسبت ہے یہ آپ کی بناء فاسد علی الفاسد ہے مباح کو واجب بتانا حرام اور حرام سے منع کرنا واجب و اجب ہیں فساد کا خوف درست نہیں اور نکاح خواہ اول ہو یا ثانی یا ثالث عند التوقان واجب اور بخدشہ زنا فرض اس کا ترک حرام باوجود قدرت کے۔ تو نکاح ثانی کا اجرا بھی واجب ہے اور واجب کا ترک بخشیۂ عوام درست نہیں اور تاکید نکاح ثانی رفع فساد کے واسطے ہے کہ زنا ہے اور وہ مشہود ہے پس آپ کی نظر بالکل بے محل نفس و غربت کو دیکھ لیا اس کے ثمرۂ لازم کو نہ دیکھا اگر نکاح میں بھی کوئی دوسرا امر قائم مقام نکاح ثانی کے ہو کر دافع زنا ہو جاتا تو اس کی بھی وہی صورت ہوتی مگر یہاں تو سوائے نکاح کے کوئی چارہ ہی نہیں۔ لہذا نکاح کی ہر فرد واجب ہوئی تقلید میں غیر معین کو چھوڑ کر دوسری فرد خود فرض کے عمل کو موجود ہے کہ فرض بھی ادا ہو اور فرض رفع فساد کا بھی ادا ہو۔ ہم بیج وہم کہ اب سالم وبجا وہی نکاح کے مقابل قائم مقام بتاؤ قطع اعضاء تناسل کے کہ وہ حرام ہی ہے فافہم۔

قولکم۔ "البتہ کوئی مثال ایسی ہو قرون خیر میں الخ" اقول۔ یہ کلام آپ کی تو بس عجیب در عجب ہے۔ پستو خاتم بائیں ہاتھ میں مباح تھی۔ پیچھے بوجہ مشابہت روافض کے کہ یہ بھی فتنہ ہے۔

لقولہ من تشبہ بقوم فہو منہم مکروہ تحریمی ہوتی۔ ہدایہ دیکھ لو پس بیار کا تختم اور یمین کا تختم دونوں جائز
اور قرون ثلثہ میں یمین کا مباح رہا۔ اور پھر بیار کا مکروہ ہوا تو ترک تختم بیار واجب ہوا کہ ترک مکروہ واجب
ہے بحق فلاں کہنا اول مباح تھا۔ فقہاء نے ترک کو اس کے واجب کیا بسبب فتنہ عوام اور شیوع مذہب
معتزلہ کے کہ ان کے نزدیک حق علی اللہ ہے۔ ثواب مطیع و عذاب عاصی دو مثال سے اگر تسلی نہ ہو تو پھر
دیکھا جائے گا۔ اور تم تو خود ہی بول رہے ہو کہ رسوم مباح اور اب بسبب فتنہ کے حرام اور نکاح ثانی
مباح اور اب بسبب خوف زنا واجب ہوا مجھ سے کیا پوچھتے ہو۔ تمام دنیا کے عالم تو فعل و قول رسول
کو حجۃ گردانتے ہیں کہ اصل مقیس علیہ ہی ہے اور آپ لکھتے ہیں کہ وہ خود شارع تھے ماشاء اللہ اگر شارع
کے فعل پر قیاس ہوگا تو قیاس کی اصل کہاں سے آوے گی یہ تو تم نے ایسی کہی کہ دنیا میں کوئی نہیں کہہ سکتا
قیاس قرآن و حدیث پر اول ہے اس کے بعد کوئی امر دلیل ہوتا ہے تو اب بولو کہ یہ کیا تم نے لکھ دیا
ہے۔ اور صحابہ کا قول بھی خود حجت ہے۔ جیسا صحابہ مامور باتباع ہیں متبع بالکسر رسول کے اور متبع
بالفتح من بعد کے ایسا ہی دیگر قرون میں ہے۔ نہ معلوم یہ فرق کہاں سے نقل کیا ہے صحابہ کا فعل حجت
اور مقیس علیہ ہوتا ہے اگر قیاس صحابہ کا نہ ہو۔ اصول کو دیکھ لو۔ فخر عالم علیہ السلام نے غیر قریش کی زبان
میں قرآن کو مباح کیا حضرت عثمان نے اُس کو حرام اور ترک کرنا اس کا واجب کردیا۔ شورش عوام
کی وجہ سے۔ یہ علیٰ حجت ہے۔ نہ یہ کہ اس کو مقیس علیہ بنانا درست نہیں کہ یہ قول محض غلط و خطا ہے۔
اب دوسری قسم کی مثال آپ کی محض خلاف فہم ہے کیونکہ قرون ثلثہ میں عمل نہ ہونے سے فرض منصوص بدعت
نہیں ہوسکتا اور جو بدعت ہے وہ جائز نہیں ہوسکتی۔ یہ آپ کی فہم غلط سے پیدا ہوا ہے۔

فاسئلوا اہل الذکر میں مجتہدین بھی داخل ہیں نہ جانیں تو دوسرے سے پوچھیں حکم عام ہے
کوئی مخصوص نہیں۔ احادیث صحیحہ و غیر منسوخہ کا جاننا ہی تو مشکل ہے اس کے لئے ہی تقلید کی جاتی ہے اگر
کسی کو معلوم ہو جاوے تو حاجت تقلید نہ ہو مگر کیونکر معلوم ہو خود یہ بھی تقلید ہی سے ہے۔ دو
حدیث صحیح متعارض کہ نسخ کسی کا معلوم نہیں پھر کسی سے پوچھ کر کسی کو مرجح کریگا ورنہ تذبذب میں رہا۔
اور احتمال ائمہ کے حدیث نہ ملنے کا ایک لغو امر ہے جب مصرح اس کی تحقیق موجود ہے پھر یہ احتمال
محض ہوائے نفس ہوائے نفسانی ہے۔

جیسا احادیث جہر آمین و رفع یدین وغیرہ میں صحیح ہیں۔ دوسری جانب بھی احادیث ہیں ترجیح

معارضہ کے وقت ہوتی ہے یہاں معارضہ ہی نہیں۔ امام صاحب بھی وجودان افعال کے مقر ہیں مگر آخر فعل ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ تعارض میں وحدت زمان شرط ہے۔ دو وقت میں دو فعل کئے ناسخ کا حال اور منسوخ کا تحقق نہیں ہر ایک نے ترجیح ایک جانب کو اجتہاد سے دی ہے جس کو چاہے قبول کر لیوے۔ اگر سمجھ جاؤ تو مطلع کر دینا ورنہ پھر لکھنا کہ تمھاری اصلاح ضروری ہے تم تو ایک ہی بحث میں بہک کر آل پتال کہنے لگے۔ اور شرم مت کرنا صاف صاف لکھنا کہ دین کی بات ہے لغزش عالم کی خلق کو تباہ ہی کرتی ہے۔ غیر مقلدین انھیں دو تین قاعدہ کے خبط سے خراب ہو گئے ہیں۔ براہین قاطعہ کو سمجھ لیتے تو ان خدشات سے محفوظ رہتے مگر سرسری نظر سے دیکھا ہے۔

بندہ رشید احمد
از گنگوہ

تکملہ مضمون بالا

یہ مضمون احقر نے اب سے چونتیس سال پہلے مشترکہ ہندوستان میں اس وقت لکھا تھا جبکہ انگریز اپنی پوری آب و تاب سے ہندوستان پر حکومت کر رہا تھا اور خلافت و کانگریس کی جنگ آزادی تقریباً مردہ ہو چکی تھی کسی اسلامی مملکت کے وجود میں آنے کا تصور دور دور نہ تھا۔ اس وقت دار العلوم دیوبند سے شائع ہونے والے ہفتہ وار اخبار الانصار کی اشاعت مورخہ ۸ اکتوبر ۱۹۲۶ء میں شائع ہوا تھا۔

اتفاقاً اس وقت اس اخبار کا کٹنگ کاغذات میں سامنے آگیا تو مفید سمجھ کر اسکو ثمرات الاوراق کا جز بنانے کا خیال ہوا۔ مگر ساتھ ہی اب سے چونتیس سال پہلے کے زمانہ اور زمانہ حال کے موازنہ کی طرف دھیان چلا گیا جس میں ہر خیر و فلاح کے انتہائی انحطاط اور ہر شر و فساد کے طوفانی رفتار سے بڑھنے کی تصویر مثالی سامنے آکھڑی ہوئی۔ چوری۔ ڈاکے۔ دھوکے فریب قتل و غارتگری۔ بدکاری۔ فحاشی۔ عریانی۔ بے حیائی کے وہ اعداد و شمار سامنے آگئے جن کے مقابلہ میں اس مضمون سابق کے اعداد و شمار کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔

سب سے زیادہ قلب و دماغ پر جس چیز نے بجلی گرائی وہ زمانہ کی یہ ستم ظریفی تھی کہ انگریزی

عہد میں ہم یہ سمجھا کرتے تھے کہ یہ سب نحوستیں انگریز کی لائی ہوئی ہیں وہ جائے گا تو یہ نجاستیں بھی
خود بخود ڈھل جائیں گی۔ اس لئے جب کسی سوراخ سے آزادی کی کرن نظر آتی تو اس کی طرف دوڑتے
اور حاصل کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ اس واقعہ کے تقریباً چالیس سال بعد اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں
کی یہ آرزو بھی پوری فرما دی کہ انگریز سے آزادی ملی۔ ایک آزاد اسلامی مملکت پاکستان کے
نام سے وجود میں آگئی۔ اس کی ساتھ اس مملکت میں خیر و صلاح۔ امن و سکون۔ غیروں کی غلامی
سے نجات۔ اسلامی غیرت و حمیت اسلامی معاشرت اسلامی کردار و عمل کے وہ سب نقش ابھر
آنکھوں میں بھرنے لگے جو اسلامی تعلیمات پر عمل کے نتیجہ میں حاصل ہونا آفتاب کی طرح یقینی ہیں
مگر جو کچھ آنکھوں نے پندرہ سال کے طویل عرصہ میں دیکھا وہ اس سے زیادہ نہیں کہ ؎

بلبل ہمہ تن خون شدہ گل شد ہمہ تن چاک ✼ اے وائے بہارے اگر اینست بہارے

کیا خبر تھی کہ انگریز چلا گیا۔ مگر لارڈ میکالے کی تعلیم کے رنگے ہوئے ایسے کالے انگریز ہم پر مسلط کرتا
گیا جنھوں نے انگریز سے صرف اس کی برائیاں عیاشی فحاشی شراب نوشی ہی سیکھی ہے۔ اور
سفید انگریز تو کچھ سوچ سمجھ کر بھی کوئی کام کر لیتا تھا ان کالے انگریزوں کے پاس سوچنے
کا دماغ اور سمجھنے کی عقل بھی نہیں۔ ان کے نزدیک علم و حکمت صرف یہ ہے کہ جو کچھ انگریز کر گیا ہے
اس کی نقل اتاری جائے۔ اور جہاں اسلام اس نقالی میں آڑے آنے لگے تو اسلام کی وسعت و
سہولت کے سنے ہوئے الفاظ کی دھائی دے کر ایک ماڈرن اسلام کا ایسا ڈھیلا ڈھالا چولہ
(جس میں انگریزی کی ساری بدمعاشی فحاشی کھپ سکے) طیار کرنے کے لئے ثقافت اور ریسرچ کے
نام پر اسی میکالے کے ڈھالے ہوئے دماغوں کو بٹھا دیں جنھوں نے اسلام کو صرف انگریزی کی
زبان سے سنا اور انگریزی کی آنکھ سے دیکھا ہے۔ علماء امت ان کی غلطیوں پر کچھ لیں تو
ان کو اسلام کے اس خود ساختہ ایڈیشن کو اپنا لے اور ان کے ہر گناہ کو جائز قرار دینے
کی تلقین کیجائے اور اس کا نام رکھا جائے۔ زمانہ شناسی اور وقت کے تقاضے۔ انا للہ وانا
الیہ راجعون۔

وقت کا تقاضا کیا ہے

ذرا گرد و پیش کی رسوم اور سہولت پسندی عیش پرستی کے جذبات سے الگ ہٹکر غور کیجئے

تو آپ کو یقین آ جائے گا کہ وقت بیچارا نہ کسی کو شراب پینے کے لئے پکارتا ہے نہ عیاشی اور بے حیائی کی دعوت دیتا ہے نہ عورت کو گھر کی ملکہ بننے کے بجائے دفتر کی کلرک بننے پر مجبور کرتا ہے۔ اور نہ وقت کسی حال عورت کو ننگے رہنے ننگے پھرنے اور غیر مردوں کے ساتھ رنگ رلیاں منانے پر مجبور کرتا ہے نہ وقت نے کسی سے یہ کہا ہے کہ سینما کی لعنت اختیار نہ کی تو تیرا گلا گھونٹ دوں گا یا یورپ والوں کی معاشرت اختیار نہ کی اور فضول خرچی اور اسراف کے بیشمار مدات خرچ خود پیدا کر کے ان کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے سود، قمار، رشوت اور حرام مال نہ کمایا تو تمھیں زندہ نہ رہنے دوں گا۔

ذرا اپنے دلوں کو ٹٹولیں تو یہ تقاضا ہمارے دلوں میں شیطان نے پیدا کئے۔ وقت بیچارے کے ذمہ ہم نے ناحق کا بہتان باندھا ہے۔ آج بھی دنیا میں کروڑوں انسان ہیں جو ان سب چیزوں سے دور ہیں اور اسی بیسویں صدی عیسوی کے وقت اور زمانہ میں زندہ ہیں اور زندہ ہی نہیں بلکہ نظر حقیقت شناس سے دیکھو تو ان کی زندگیاں ہر حیثیت سے ان تقاضوں کی پیروی کرنے والوں کی زندگیوں سے زیادہ پرسکون اور پاکیزہ ہیں۔

ایک لمحہ فکریہ

یہاں ایک بات قابل غور ہے کہ یہ تقاضے جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے اچھے ہوں یا برے لیکن بہرحال دنیا کا بہت بڑا حصہ ان تقاضوں کو پورا کر رہا ہے۔ اور یورپ کے وہ لوگ جو اس تہذیب نما بے تہذیبی کے موجد ہیں وہ تو کم از کم ان سب کاموں میں پورے پورے ڈھلے ہوئے ہیں اور ہمارے عام لکھے پڑھے طبقہ نے بھی ان کی نقل اتارنے میں اپنی مقدور کی حد تک کوئی کمی نہیں کر رکھی۔ اس کی ساتھ قانون کے ذریعہ دنیا میں امن وامان قائم کرنے جرائم کو مٹانے کے لئے جو نئے سے نئے طریقے پہلے تصور میں بھی نہ آ سکتے تھے وہ آج رائج ہیں قانونی مشینری کو کامیاب بنانے کے لئے سیکڑوں ادارے اور محکمے کروڑوں روپے کے خرچ سے کام کر رہے ہیں۔ انسانوں کی صحت و تندرستی کے لئے جو طرح طرح کی دوائیں سائنٹفک آلات اور شفاخانوں کی بھرمار اور بڑے بڑے اسپیشلسٹ ڈاکٹروں کی بہتات جو آج ہے وہ اب سے پچاس سال پہلے کسی کے وہم وگمان میں نہ تھی۔ ضروریات

دمگی کی ارزانی اور فراوانی کے لئے جتنی ملیں کارخانے زراعت کے جدید آلات بیج اور کھاد کے نئے تجربات آج کام میں لائے جا رہے ہیں پچاس سال پہلے ان کا کہیں وجود نہ تھا۔ سائنس جدید اب زمین سے فارغ ہو کر آسمان کی طرف جا رہی اور خلا کے سفر کی راہیں نکال لی ہیں۔ غرض یہ مکر جاندنی جس کو آج ترقی کا نام دیا جاتا ہے۔ اپنے منصوبوں اور پروگراموں اور اسباب و آلات کے ساتھ آج پورے عروج و شباب پر ہے۔ اور کوئی شبہ نہیں کہ اس کے حیرت انگیز کارنامے انسانی دماغوں کو مسحور کرنے میں کامیاب ہیں لیکن یہاں دیکھنے اور سوچنے کی بات اہل عقل و بصیرت کے لئے یہ زمین و آسمان کے قلابے ملانے اور قانون اور اس کی مشینریوں کو انتہائی عروج پر پہونچانے کے نتیجے میں انسان اور انسانیت کو کیا ملا۔ افراد و رجال کی بحث نہیں مجموعہ انسانیت کو دیکھنا ہے کہ کیا اس کو اپنے کسی شعبہ زندگی چین و آرام ملا۔ کیا ضروریات زندگی سستی اور ان کی تحصیل آسان ہو گئی۔ کیا بیماریوں میں کچھ کمی آئی اور بیماروں میں شفایاب ہونے کی تعداد بڑھ گئی۔ کیا جرائم کا انسداد ہو گیا۔ کیا قتل و غارتگری کم ہو گئی یا محکموں میں رشوت ستانی کا بازار کچھ سرد ہو گیا۔ کیا انسان کو عدالتوں سے انصاف حاصل کرنا آسان ہو گیا۔ کیا دنیا کے کسی حصہ میں جہاں اس نئے طریقوں کی حکومت ہے کہیں امن و امان حاصل ہو گیا۔ ان سوالات کا جواب واقعات و مشاہدات کی زبان دے گی اور یہی نہیں ایک ایک چیز کی نفی میں جواب ہو گا بلکہ حالات و مشاہدات یہ پکاریں گے کہ

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

اب سوچئے کہ وقت اور زمانہ کا تقاضا کیا یہی ہے کہ عالم میں امن و امان قائم کرنے والا عالم انسان کو راحت و سکون کی زندگی بخشنے کے لئے جن طریقوں اور جن اسباب و آلات کا فیل اور ناکام ہونا اور مشاہدہ میں آتا رہتا ہے انھیں کی پرستش کئے چلے جائیں۔ یا کوئی دوسرا راستہ ڈھونڈیں اور کوئی نیا تجربہ کریں عقل کا تقاضا یہ ہے کہ اس میں دو رائیں نہ ہونی چاہئیں بلکہ سب کا متفقہ فیصلہ یہی ہونا چاہئے کہ کوئی اور راستہ تلاش کرنا چاہئے۔

اب وقت کا تقاضا قرآن کی زبان اور اسی کے الفاظ میں سنئے۔

الم یأن للذین آمنوا ان تخشع قلوبھم لذکر اللہ وما نزل من الحق	کیا اب بھی وقت نہیں آیا کہ اہل ایمان کے دل اللہ کی یاد اور اس کی طرف نازل کئے ہوئے حق کی طرف جھک جائیں۔

اس آیت کے مفہوم کے مطابق اللہ پر ایمان اور آخرت پر یقین ہی وہ چیز ہے جو انسان کو انسان بناتی ہے۔ اور یہ معلوم ہے کہ جب تک انسان انسان نہیں بنے گا کوئی قانون اور قانونی مشینری دنیا میں امن وامان قائم نہیں کرسکتی کیونکہ قانون کوئی آٹومیٹک مشین نہیں جو خود کام کرے اس کو تو انسان ہی چلائیں گے۔ جب انسان کے اعمال و اخلاق اور نیت فاسد ہو جائے تو سارے قانون بیکار ہوتے ہیں۔ اور قانون ایک قابل فروخت مال بن کر سربازار اس کی رسوائی مشاہدہ میں آتی ہے۔ اس لئے دنیا میں امن وامان قائم کرنے کا صرف ایک ہی ذریعہ ہے کہ انسان کو اللہ پر ایمان اور آخرت پر یقین سکھاتے اور اس رنگ میں رنگنے کے لئے پوری قوت و توانائی خرچ کیجائے اور کسی کو کوئی عہدہ ومنصب سپرد کرنے کے لئے جیسے اس کی قابلیت کار کو دیکھا جاتا ہے اس سے بھی زیادہ اس پر نظر کی جائے کہ اس کے دل میں ایمان اور خوف آخرت کتنا ہے۔

دنیا کی تاریخ شاہد ہے کہ جب کبھی انسانی معاشرہ ان اوصاف کا حامل ہوا دنیا میں امن وامان اور چین وسکون پایا گیا۔ اور جب اس سے ہٹا تو بدامنی اور ہزاروں آفات ومصائب کا شکار ہوگیا۔

یورپ کے نکالے ہوئے مختلف ازموں اور نظموں کا تجربہ ہو چکا نہ سرمایہ داری کے نظام نے دنیا کو امن وراحت بخشی نہ اشتراکی نظام نے اس لئے اب خدا کے لئے اہل عقل وبصیرت اس دنیا پر رحم کرکے ایک تجربہ اسلامی نظام کا بھی کرلیں۔ بشرطیکہ وہ ماڈرن خود ساختہ اسلام کا ایڈیشن نہ ہو۔ بلکہ قرآن وسنت کی اصلی اور صحیح ہدایات پر مبنی ہو جو عہد رسالت سے آج تک مسلسل سمجھا جاتا رہا ہے۔ واللہ المستعان وعلیہ التکلان۔

بندہ

محمد شفیع عفا اللہ عنہ

۵ جمادی الثانی ۱۳۸۲ھ

امن عالم کیلئے صرف قانون کافی نہیں

اللہ پر ایمان اور آخرت پر یقین کے بغیر امن قائم نہیں ہو سکتا

مہذب ممالک میں جرائم کا طوفان

لکھے مجو کنگ حسرت دنیا کی ہسٹری میں ☆ اندھیر ہو رہا ہے بجلی کی روشنی میں

کل تک مسلمانوں کی حیرت انگیز ترقیات نے غیر قوموں کو بھی اس اقرار پر مجبور کر دیا تھا کہ دنیا کا امن وامان اور نظام سیاسی اور تمام ترقیات مذہب کے ساتھ وابستہ ہیں اور مذہب ہی وہ چیز ہے جو امن عالم کا صحیح معنی میں ذمہ دار ہو سکتا ہے۔ عہد فاروقی کا وہ واقعہ صفحات تاریخ سے ابھی تک نہیں ہٹا جبکہ مسلمانوں کی ایک مٹھی بھر بے سرو سامان جماعت نے فارس کی ٹڈی دل فوجوں سے ٹکرا کر ان کے فوجی کمانڈر کو دربار شاہی میں یہ عرض کرنے پر مجبور کر دیا تھا کہ ہم اس جماعت سے کیسے عہدہ برآ ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ ان کا ہر سپاہی صبح سے شام تک آکر گھوڑے کی پشت پر بیٹھا ہوا میدان کارزار میں سرفروشی کرتا ہے تو شام ہوتے ہی کسی نرم گدے اور آرام کی خواب گاہ کے بجائے اس کی شب باشی کی جگہ ایک مصلیٰ ہوتا ہے۔ اور جس وقت ہماری فوج خواب غفلت میں سرشار ہو کر اپنے وجود سے بے خبر ہوتی ہے ان کا سر نیاز اپنے مالک کے سامنے زمین پر رکھا ہوتا ہے اور وہ رو رو کر شاہنشاہ عالم کو پکارتے ہوئے شام سے صبح کر دیتے ہیں ؎

ہم رات کو رویا کرتے ہیں جب سارا عالم سوتا ہے
ایک ٹیس جگر میں اٹھتی ہے اک نے دردسا دل میں ہوتا ہے

اس لئے وہ جس طرف بڑھتے ہیں خدا تعالیٰ کی قوت ان کے ساتھ ہوتی ہے۔ الغرض مسلمانوں کی حیرت انگیز ترقی کا راز غیر مسلموں کے نزدیک بھی ان کا اسلام اور مذہبی پابندی تھی اور مسلمانوں کا تو یہ عقیدہ ہی تھا کہ مذہب ہی ہمارے انتہائی معراج کا ذریعہ بن سکتا ہے۔

حضرت فاروق اعظم رضؓ نے اپنے ایک عامل (گورنر) کو اسی حقیقت پر آگاہ کرنے کیلئے

جو کلمات لکھے تھے وہ ہر مسلمان حکمران کو ہمیشہ اپنی نظروں کے سامنے رکھنے اور لوح دل پر نقش کرنے کے قابل اور مسلمانوں کی ہر دینی و دنیوی صلاح و فلاح کے ضامن ہیں وہ الفاظ یہ ہیں۔

کنتم اقل الناس فکثرکم اللہ بالاسلام وکنتم اذل الناس فاعزکم اللہ بالاسلام۔ وکنتم افقر الناس فاغناکم اللہ بالاسلام۔

تم دنیا میں سب سے کم تعداد میں تھے اللہ نے اسلام کی وجہ سے تمہاری تعداد زیادہ کر دی۔ تم سب سے زیادہ ذلیل تھے اللہ نے اسلام کی وجہ سے تمہیں عزت دی۔ تم سب سے زیادہ غریب بیکس تھے اللہ نے اسلام کی وجہ سے تمہیں غنی کر دیا۔

یہ لکھ کر پھر فرمایا کہ یاد رکھو اگر اب بھی تم نے اسلام اور اس کے احکام سے منہ موڑا تو تم پھر اسی گڑھے میں جا گرو گے جس میں پہلے تھے۔

لیکن ہمارے اعمال اور مسلمانوں کی قسمت سے آج وہ دن بھی دیکھنے پڑے جب کہ مسلمانوں کی عزت و شوکت کا خاتمہ ہوا۔ ان کی علمی عملی اخلاقی حالت تباہ ہوئی اور وہ خواب غفلت میں مزے لیتے رہے اور جب کچھ آنکھ کھلی تو مرض کو دوا سمجھ کر الٹی تدبیریں شروع کر دیں اور ترقی کی سب سے پہلی قسط اس کو سمجھا کہ مذہب کا گلا گھونٹا جائے۔ اسلام اور اسلامی شعائر کو مٹایا جائے حسرت و افسوس کی انتہا نہیں رہتی جب یہ دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں کی قومیت کا آخری سہارا اور ان کی رہی سہی موجودہ حکومتیں جن کی حرکت کو ان کی قسمت کا فیصلہ سمجھا جاتا تھا آج جبکہ میدان ترقی میں قدم رکھنے کا ارادہ کرتے ہیں تو سب سے پہلے جس چیز کو اس راستہ کا کانٹا سمجھ کر علیحدہ کیا جاتا ہے وہ مذہب اور شعائر مذہب ہیں۔

آہ! اگر ان کو اپنے اسلاف کے نشان قدم اور ان کے اتباع میں ترقی کے آثار نظر نہیں آتے تھے بلکہ ترقی کے لئے یورپ کی چوکھٹ پر ہی جبہ سائی کی ضرورت تھی تو کاش وہ یورپ ہی کی پوری تقلید کرتے اور پہلے فنون حرب سیکھتے اور آلات حرب پیدا کرنے میں وہ کمال حاصل کرتے جو یورپ نے کیا۔ اپنے ملک کی صنعت و تجارت اور ایجاد و زراعت کو ترقی دینے میں یورپ کی نقل اتارتے اور جب وہ یہ سب کچھ حاصل کر چکتے تو پھر اگر ترک مذہب اور ان کی خاص عیش پرستی اور وضع و تمدن میں بھی تقلید کر لیتے تو شاید کسی درجہ میں

معذور سمجھے جاتے لیکن یہاں تو ترقی کی ابتدا ہی اس سے ہوئی ہے۔ گویا ترقی کا مفہوم ان کے نزدیک صرف فیشن اور یورپین وضع اور عیش پرستی میں منحصر ہے۔

کاش! کوئی اس مزعومہ ترقی یافتہ قوم سے پوچھ لیتا کہ اگر تم انگریزوں کی طرح کھڑے ہو کر پیشاب نہ کرتے تو ترقی کا کونسا قلعہ فتح کرنے سے رہ جاتا یا انگریزی ہیٹ۔ بوٹ۔ اور چھری کانٹا استعمال نہ کرتے تو دنیا کی کونسی ترقی اس پر موقوف تھی جس کا حاصل ہونا محال ہو جاتا؟ یورپ کی بے حیائی اگر اختیار نہ کی جاتی تو مسلمانوں کی قومی ترقی میں کیا نقصان باقی رہ جاتا؟ اور بالآخر ملکہ ثریا جاہ کی وہ نیم برہنہ تصویر جو عام اخبارات میں شائع کی گئی ہے جس کی نسبت ہم نہیں کہہ سکتے کہ اس کو واقعیت سے کتنا تعلق ہے۔ اگر منظر عام پر نہ آتی تو مسلمانوں کی قومیت اور قومی ترقی کو کیا ٹھیس لگ جاتی جس کے رفع کرنے کے لئے خود نیم برہنہ ہو کر تمام مسلمان خواتین میں بے حیائی اور بے پردگی کا ایک عام طوفان برپا کر دیا گیا ہے؟ سچ ہے جب کسی قوم کے یا شخص کے بُرے دن آتے ہیں تو عقل اوندھی ہو جاتی ہے۔

جو حضرات مذہب ہی کو ترقی کے لئے سنگ راہ سمجھ کر تمام سیاسی انتظامات کی تکمیل اس پر موقوف کرتے ہیں کہ مذہب کو الوداع کہہ دیا جائے۔ میں اس وقت ان کی خدمت میں ان اقوام و ممالک کے سیاسی انتظام اور اس کی کامیابی کے متعلق ایک مختصر نقشہ موازنہ کے لئے پیش کرتا ہوں جس کے دیکھنے سے یہ یقین کر لینا پڑتا ہے کہ دنیا کا انتظام بھی صرف مذہب سے قائم ہو سکتا ہے۔ مذہب کو چھوڑ کر کوئی سیاسی قانون امن عالم کا ہرگز کفیل نہیں ہو سکتا۔

یورپین شہروں میں جرائم قتل

معزز معاصر "سچ" لکھنؤ جلد ۴ نمبر ۲۵ اپنی اشاعت مورخہ ۱۳ جولائی ۱۹۲۸ء میں بحوالہ اخبار خلافت لکھتا ہے:۔ حسب ذیل الفاظ میں ڈاکٹر موف مین نے امریکہ کی جدید تہذیب پر اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے:۔

سال بسال قتل کی جو خوفناک وارداتیں سرعت کے ساتھ ترقی کر رہی ہیں وہ ہماری امریکی تہذیب پر بدنما داغ ہیں جو جرائم کی نوعیت روز بروز اتنی پیچیدہ ہوتی گئی ہے جس سے سراغ رسانی مشکل ہوتی جاتی ہے۔ ۱۹۲۷ء میں

تو بعض قتل اتنے خوفناک ہوئے تھے جس کی نظیر تاریخ جرائم میں ملنی محال ہے تیئیس سال کے جرائم حسب ذیل نقشہ سے معلوم ہوں گے۔

سال	تعداد شہر	آبادی	قتل	شرح فی لاکھ
سنہ ۱۹۰۰ء	۳۱	۱۱۹۸۱۰۳۴	۶۰۹	۵٫۱
سنہ ۱۹۰۵ء	〃	۱۴۰۲۴۴۲۲	۶۶۰	۶٫۶
سنہ ۱۹۱۰ء	〃	۱۶۸۷۳۲۲۳	۱۲۶۵	۸٫۱
سنہ ۱۹۱۵ء	〃	۱۸۷۲۲۷۶۲	۱۶۱۴	۸٫۶
سنہ ۱۹۲۰ء	〃	۲۰۵۷۱۸۹۷	۱۷۵۶	۸٫۵
سنہ ۱۹۲۵ء	۲۸	۲۱۵۸۸۲۷۴	۲۳۹۷	۱۱٫۱
سنہ ۱۹۲۶ء	۳۰	۲۲۹۱۳۵۰۰	۲۳۰۲	۱۰٫
سنہ ۱۹۲۷ء	۳۰	۲۳۱۹۷۴۰۳	۲۲۴۰	۱۰٫۱

لندن کا مشہور روزنامہ ڈیلی ٹیلی گراف اپنی اشاعت مورخہ ۴ر اگست میں اس کمیشن کی رپورٹ کے ذیل میں لکھتا ہے جس کو امریکہ کے لئے بٹھایا تھا کہ انگلستان و ویلز میں تعلیم کی باوجود قتل عمد کے کل واقعات کی تعداد سالانہ ۱۵۴ رہی جس کے مقابلہ میں اتنی ہی مدت کے اندر سارے ملک امریکہ میں نہیں بلکہ اس کے صرف ایک شہر نیویارک میں ان واقعات کی گنتی ۲۲۱ تک پہنچی۔ (سچ لکھنؤ ۱۴ستمبر سنہ ۱۹۲۸ء)

خدا کی پناہ اس دو کروڑ کی مختصر آبادی میں سال بھر کے عرصہ میں دو ہزار ۳۹۷ قتل کے واقعات ان شہروں میں پیش آئے ہیں جنھیں نہ اپنے آپ کو مہذب و متمدن کہتے ہوئے شرم آتی ہے اور نہ دوسرے ممالک کو وحشی کہتے ہوئے حیا دامنگیر ہوتی ہے۔ اگر یہی تہذیب و تمدن ہے تو ایسی تہذیب کو ہمارا اسلام۔

اس کے بالمقابل جب ہم اپنے غیر مہذب ہندوستان کے طول و عرض میں یہ دیکھتے ہیں کہ ۲۸ کروڑ کی کثیر التعداد آبادی میں اس قسم کے سالانہ واقعات ایسے گنے چنے ہوتے ہیں کہ فی لاکھ آدھے کا اوسط بھی یقینی طور سے نہیں ہوتا تو بلا تامل کہنا پڑتا ہے کہ ایسی تہذیب سے ہماری بربریت ہزار درجہ

درجہ بہتر ہے۔

پولیس کا خرچ اٹھائیس ارب روپیہ اور حیرت کی کوئی انتہا نہیں رہتی جب اس کے ساتھ ہی ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ۱۹۲۷ء میں جس میں قتل عمد کی تعداد ۴۰۲۳ دکھلائی گئی ہے) امریکہ میں محکمہ جرائم پر جو کچھ صرف ہوا اس کی میزان دس بیس کروڑ نہیں اٹھائیس ارب روپیہ تک پہنچتی ہے اس پر بھی پولیس کی تعداد ناکافی خیال کی جاتی ہے۔ چنانچہ اب پولیس میں اضافہ کی تجویز ہے اس کے مقابل جب بیچارے غیر مہذب ایشیائی ممالک پر نظر ڈالی جاتی ہے تو ان کے محکمہ پولیس کے مصارف کو اس سے کوئی بھی نسبت نہیں۔

یہ بیانات کسی مخالف کے الزامات نہیں بلکہ خود امریکہ نے اپنے یہاں تحقیقات جرائم کے لیے جو کمیشن بٹھایا تھا اس کے قلم سے نکلے ہوئے اعترافات ہیں جو روزنامہ ڈیلی ٹیلی گراف ۴ اگست کے ذریعہ ہندوستان تک پہنچے ہیں۔ جب جرائم کا مقابلہ جرائم سے اور اس کے ساتھ محکمہ پولیس کے مصارف کا موازنہ یہاں کے مصارف سے کیا جاتا ہے اور اس میں ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اٹھائیس ارب روپیہ خرچ کرنے والی پولیس کے زیر نگرانی ایک سال میں ۴۰۲۳ قتل عمد کی واردات ایک تعلیم یافتہ ملک میں پیش آتی ہیں اور اس کے بالمقابل ہندوستان جیسے غیر تعلیم یافتہ ملک میں باوجودیکہ نہ پولیس کا کوئی انتظام ہے اور اس رقم کا کوئی معتدبہ جزو یہاں کی پولیس پر خرچ ہوتا ہے مگر اس قسم کے جرائم کالعدم ہیں تو ایک بصیر انسان یہ نتیجہ نکالنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ اس عظیم الشان فرق کی وجہ صرف یہ ہے کہ ہندوستان میں اب تک کچھ نہ کچھ مذہبی ذوق باقی ہے اور یورپ اس سے بالکل محروم ہو چکا ہے اور صرف یہی وہ چیز ہے جو بلا نگرانی پولیس بھی انسان کو جرائم سے باز رکھ سکتی ہے۔

حرام کاری اور بیحیائی انگلستانی تعلیم و تہذیب اور قانونی سیاست کی برکات کا خاکہ مندرجہ ذیل خاکہ سے ظاہر ہو سکتا ہے جو انگلستان میں صرف ایک سال کے عرصہ میں رونما ہوئے۔

جرم	گرفتار	سزایاب	جرم	گرفتار	سزایاب
بےحیائی	۳۲۵	۲۵۰	دلالی	۲	۲
حرام کاری	۳۶۹	۲۴۲	برہنگی	۱	۱
اعانت جرم بالا	۳۶	۳۶			

اس میں یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ جس حرام کاری کو انگلش قانون نے جرم قرار دے کر سزا کا مستحق بنایا ہے وہ عام زنا کاری نہیں بلکہ اس کا صرف ایک شعبہ ہے یعنی زنا بالجبر ورنہ مطلق زنا تو یورپین شریعت میں تہذیب کا رکن اعظم ہے۔

ہائیڈ پارک لندن کا مشہور پارک ہے اس میں واقع ہونے والے بعض جرائم کے متعلق ہوم سکرٹری (وزیر داخلیہ) نے جو اعداد پارلیمنٹ کے سامنے حال میں پیش کیے ہیں ان کا خلاصہ ۳۱ مارچ ۱۹۲۶ء تک ایک سال کے لئے حسب ذیل ہے:۔

جرم	گرفتار	سزایاب
زنا بالجبر	۱	۱
توہین	۵۶	۴۰
حملہ مجرمانہ	۲	

یہ اعداد تقریبًا دو روزانہ کسی چھپے چھپائے مقام کسی بدمعاشوں کے اڈے یا تہ خانہ کے نہیں، ایک کھلی ہوئی تفریح گاہ کے ایک عام پبلک مقام کے ہیں جہاں ہر وقت پولیس کا پہرہ قائم ہے۔

اس کے مقابلہ میں جب ہم ان ممالک پر ایک سرسری نظر ڈالتے ہیں جن میں ابھی تک مذہب کے بقیہ اثرات موجود ہیں تو اس طوفان بے تمیزی سے ان کو تقریبًا مامون پاتے ہیں اور جوں جوں ان میں سے مذہبی روح نکلتی جاتی ہے اسی طرح جرائم کی تعداد روزافزوں ترقی کرتی جاتی ہے

عہد فاروقی کا مشہور واقعہ ہے کہ حضرت امیرالمومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک رات حسب عادت احوال رعیت کی تفتیش کے لئے گشت لگا رہے تھے۔ ایک کوچہ میں پہنچے تو اچانک ایک مکان کے اندر سے کچھ اشعار پڑھنے کی آواز آئی۔ غور سے سنا تو ایک عورت یہ اشعار پڑھ رہی تھی ؎

لن عرج من ھذا السریر جوانبہ

پس بخدا اگر خدا کے عذاب کا خوف نہ ہوتا تو آج رجوانی کی امنگوں کے پورا کرنے میں) اس چارپائی

کی چولیں ہلادی جائیں۔

یہ سن کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے تحقیق کی کہ یہ کس کا مکان ہے اور یہ کون عورت ہے تحقیق سے معلوم ہوا کہ یہ ایک سپاہی کی بیوی ہے جو عرصہ سے جہاد کے لئے گیا ہوا ہے اور یہ اس کی جدائی میں عفت کے ساتھ اپنا وقت گذار رہی ہے۔ اسی وقت حکم نافذ فرمادیا گیا کہ چار ماہ سے زائد کوئی سپاہی اپنے وطن سے غائب نہ رکھا جائے (تاریخ الخلفا للسیوطی)

یہاں کونسی پولیس حفاظت کررہی تھی اور اس مغلوب جذبات عورت کو رات کی خموش تاریکی میں کس کا ڈر تھا جواب متعین ہے کہ صرف مذہب اور اس کی تعلیمات تھیں جو اس کو فساد عظیم سے بچا رہی تھیں اور جن ممالک میں کچھ مذہب کے آثار باقی ہیں ان میں آج بھی اس واقعہ کی بہت سی نظیریں ملتی ہیں۔ کیا ان واقعات اور احوال کے موازنہ کے بعد بھی ہمارے تعلیم یافتہ حضرات مذہب کو سیاسی انتظام اور ترقی کے لئے سنگ راہ بتائیں گے۔ فما لھٰؤلاء القوم لا یکادون یفقھون حدیثا۔

حضرت استاذ قدس سرہ کی ایک وصیت

اہل علم کیلئے قابل قدر ہدایت

احقر جب ۱۳۳۶ھ میں دارالعلوم دیوبند کے نصاب تعلیم سے فارغ ہوا تو کاٹھیا واڑ کے شہر ویراول کے ایک عربی مدرسہ میں خدمت درس کے لئے مجھے بلایا گیا بعض اکابر نے اس کی موافقت فرمائی اس لئے جانے کا ارادہ کرلیا۔ مگر پھر میرے محسن و مربی حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب مہتمم دارالعلوم نے مجھے دارالعلوم ہی میں خدمت درس کے لئے روک لیا۔ اس لئے جانا نہیں ہوا ارادہ فسخ کرنے سے پہلے جب احقر نے اپنے استاذ محترم استاذ الاساتذہ مجمع العلوم و فنون حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری قدس سرہ صدر مدرس دارالعلوم دیوبند سے جانے کی اجازت طلب کی اور عرض کیا کہ اب تک تو اساتذہ کے زیر سایہ کوئی ذمہ داری نہ تھی وہاں کوئی ایسے بزرگ سرپرست نہ ہوں گے جن سے مشکلات میں رجوع کیا جاسکے تو ارشاد فرمایا کہ میں تمہیں ہر فن کی

چند کتابوں کے نام بتلاتا ہوں ان کو مطالعہ میں رکھو انشاء اللہ سب مشکلات کا حل ثابت ہونگی یہ کام اسی علوم و فنون کے بحر زخار کا تھا جس کی نظر علوم و فنون کے سب کتبخانوں پر پوری طرح حاوی اور خداداد حافظہ ایک ایسا خزانہ تھا جس میں جو چیز پڑ گئی محفوظ ہوگئی۔ اس لئے احقر نے مجلس سے اٹھنے کے بعد جو یاد رہی ان کو تحریر کر لیا تھا۔ برادران اہل علم کے لئے پیش کرتا ہوں۔

فن حدیث میں فتح الباری شرح بخاری

فقہ میں بدائع اور ہدایہ

اصول فقہ میں تحریر الاصول ابن ہمام اور اس کی تلخیصات جو بعض علماء نے کی ہیں۔

علم معانی و بدائع میں شرح تلخیص المفتاح بہاء الدین۔

فن نحو میں اشمونی

فن منطق میں شرح سلم بحر العلوم۔

جنت و دوزخ کہاں ہیں

تفسیر خازن وغیرہ میں آیت کریمہ عرضها السموات والارض کی تفسیر میں حضرت قتادہ سے نقل کیا ہے کہ جنت ساتوں آسمانوں کے اوپر ہے اور جہنم زمین کے ساتویں طبقہ میں (۲۸۳)

والدین کو نصیحت امر بالمعروف کرنیکا طریقہ

فقہ کی مشہور کتاب الاحتساب میں ہے کہ اگرچہ اولاد پر ماں باپ کا ادب و احترام لازم ہے لیکن اگر وہ کسی ناجائز کام میں مبتلا ہوں تو ادب اور نرمی کے ساتھ صحیح بات بتلانا ادب احترام پدری کے منافی نہیں بلکہ عین خیر خواہی ہے۔

البتہ ایک مرتبہ ادب و احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان کی غلطی پر تنبیہ کرنے کے بعد پھر ان کے درپے نہ ہو جو ان کی اذیت کا سبب بنے بلکہ سکوت کرے اور اللہ تعالےٰ سے دعا کرتا رہے کہ ان کو صحیح راستہ کی ہدایت اور نیک عمل کی توفیق ہو۔

کفریات اور معاصی پر مشتمل کتابوں کا پاس رکھنا بھی گناہ ہے

شیخ ابو اسحٰق اسفرائنی کی مشہور کتاب مہذب میں ہے کہ جن کتابوں میں اسلام و ایمان کے خلاف مضامین ہوں یا ایسے مضامین جن سے گناہوں کی تحسین یا ترغیب ہوتی ہے ان کو اپنے پاس محفوظ رکھنا بھی گناہ ہے کیونکہ ان کتابوں کا مطالعہ بھی گناہ ہے (مہذب ص ۲۵)
اور زاد المعاد میں ابن قیم نے فرمایا کہ جو کتابیں کفر و شرک پر مشتمل ہوں ان کا فروخت کرنا بھی جائز نہیں (زاد ص ۲۲ ج ۲) مگر کوئی عالم تردید کے لئے ایسی کتابیں اپنے پاس رکھے اور دیکھے تو بوجہ ضرورت کے اس کے لئے جائز ہے۔ محمد شفیع

ابو الکلام آزاد مرحوم کا کلمۂ حق

اپنے تذکرہ میں لکھا ہے۔
اصحاب حق و اقتصاد کا طریقہ ہے کہ تمام ائمہ سلف کو حق و راستی پر یقین کرتے ہیں اور تمام ائمہ مجتہدین اہل سنت کو اپنے اپنے مجتہدات میں برسر حق و بصیرت سمجھتے ہیں اور سب کی محبت و تعظیم اور عموم حسن ظن کو اہل سنت کے لئے ایک علامت بتلاتے ہیں۔ سب کا علم و عمل کتاب و سنت پر تھا۔ کوئی نہیں جس نے بلا کسی دلیل و بصیرت کے اجتہاد کیا ہو۔ البتہ عصمت صرف انبیاء کے لئے ہے۔ (تذکرہ ص ۲۲۹)

اسلامی تاریخ کا ایک عجیب واقعہ

مسلمانوں کا ہر چھٹا امیر معزول یا مقتول

علامہ کمال الدین دمیری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور کتاب حیٰوۃ الحیوان میں اسلامی تاریخ کا ایک عجیب لطیفہ تحریر فرمایا ہے۔ اور وہ یہ کہ مسلمانوں کا ہر چھٹا امیر معزول یا مقتول ہوا ہے۔ پھر اسے ثابت کرنے کے لئے صدیوں تک کی مختصر تاریخ پیش کی ہے۔ ہم اس کا خلاصہ ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں مسلمانوں کی خلافت کی ترتیب حسب ذیل رہی ہے۔

(۱) مسلمانوں کے سب سے پہلے امیر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔

(۲) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ (۳) حضرت عمر رضی اللہ عنہ

(۴) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، (۵) حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ،

ان کے بعد چھٹے خلیفہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، تھے، چنانچہ وہ معزول ہوئے ہیں پھر خلفاء کی ترتیب اس طرح رہی ہے۔

(۱) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، (۲) یزید بن معاویہ (۳) معاویہ بن یزید (۴) مروان بن حکم (۵) عبدالملک بن مروان (۶) حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ۔ یہ چھٹے امیر تھے۔ اور قتل کئے گئے۔ آپؓ کے بعد خلفاء کی ترتیب اس طرح رہی کہ

(۱) ولید بن عبدالملک (۲) سلیمان بن عبدالملک (۳) حضرت عمر بن عبدالعزیز (۴) یزید بن عبدالملک (۵) ہشام بن عبدالملک (۶) ولید بن یزید بن عبدالملک یہ چھٹا امیر تھا، چنانچہ اسے معزول کیا گیا، کیونکہ یہ بڑا فاسق و فاجر تھا۔

اس کے بعد خلفاء کی ترتیب اس طرح رہی کہ

(۱) یزید بن ولید بن عبدالملک (۲) ابراہیم بن ولید (۳) مروان بن محمد، اس کے بعد خلافت بنوامیہ ختم ہوگئی۔ اس لئے مندرجہ بالا تاریخی اصول کا عمل ظاہر نہ ہوسکا، کیونکہ ولید بن یزید کے بعد صرف تین خلفاء ہوئے۔ اور پھر خلافت بنوعباس قائم ہوئی۔ اس میں بھی یہ اصول اپنا عمل دکھاتا رہا ہے۔

خلافت عباسیہ ان کی ترتیب حسب ذیل ہے۔

(۱) سفاح (۲) ابوجعفر منصور (۳) محمد مہدی (۴) موسیٰ الہادی۔

(۵) ہارون الرشید (۶) محمد امین بن ہارون الرشید۔ یہ چھٹا خلیفہ تھا لہذا مامون رشید کے ہاتھوں معزول اور مقتول ہوا۔ اس کے بعد ترتیب اس طرح رہی:-

(۱) مامون الرشید (۲) ابراہیم المعتصم (۳) واثق باللہ (۴) جعفر المتوکل (۵) محمد المنتصر باللہ (۶) احمد المستعین باللہ۔ یہ چھٹا تھا لہذا معزول اور مقتول ہوا، اس کے بعد حسب ذیل خلفاء آئے۔

(۱) محمد المعتز باللہ (۲) جعفر المہتدی باللہ (۳) احمد المعتمد علی اللہ (۴) احمد المعتضد باللہ (۵) علی المکتفی باللہ (۶) جعفر المقتدر باللہ۔ یہ چھٹا ہے چنانچہ اسے دو مرتبہ معزول کیا گیا اس کے بعد مندرجۂ ذیل امراء آئے۔

(۱) عبداللہ بن معتز المرتضیٰ باللہ (۲) محمد القاصر باللہ (۳) احمد الراضی باللہ (۴) ابراہیم المتقی باللہ (۵) عبداللہ المستکفی باللہ بن المکتفی (۶) ابوالفضل المطیع اللہ۔ یہ چھٹا تھا چنانچہ معزول ہوا۔ اس کے بعد ترتیب اس طرح ہے۔

(۱) احمد القادر باللہ (۲) عبداللہ القائم بامر اللہ (۳) المقتدی بامر اللہ (۴) مستظہر باللہ (۵) مسترشد باللہ (۶) جعفر الراشد باللہ۔ یہ چھٹا ہے چنانچہ معزول ہوا۔ پھر ترتیب یوں ہے

(۱) المقتفی لامر اللہ (۲) مستنجد باللہ (۳) مستضئی بنور اللہ (۴) الناصر الدین اللہ (۵) الظاہر بامر اللہ (۶) مستعصم باللہ، یہ چھٹا ہے لہذا معزول اور مقتول ہوا۔ پھر ترتیب اس طرح رہی۔

(۱) مستنصر باللہ (۲) حاکم بامر اللہ (۳) مستکفی باللہ (۴) حاکم بامر اللہ بن المستکفی باللہ (۵) معتضد باللہ (۶) متوکل علی اللہ، ان کے بعد خلافتِ عباسیہ چھ خلفاء تک نہیں چل سکی۔

فاطمی خلفاء علامہ دمیریؒ نے مصر کے فاطمی خلفاء میں بھی یہی اصول بیان کیا ہے۔ ان کی ترتیب یہ ہے۔ (۱) مہدی (۲) قائم (۳) منصور (۴) معز (۵) عزیز (۶) حاکم یہ اپنی بہن کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ پھر (۱) ظاہر (۲) مستنصر (۳) مستعلی (۴) آمر (۵) حافظ (۶) ظافر۔ یہ چھٹے تھے اور معزول ہوئے۔ پھر (۱) فائز (۲) عاضد یہاں یہ خلافت بھی ختم ہوگئی۔

ایوبی خلفاء ایوبی خلفاء میں بھی یہ اصول عمل دکھاتا رہا ہے۔ ان کی ترتیب حسب ذیل تھی۔ (۱) صلاح الدین ایوبیؒ (۲) عزیز (۳) افضل (۴) العادل الکبیر (۵) کامل (۶) العادل الصغیر یہ چھٹے تھے چنانچہ معزول ہوئے۔ آگے چھ خلفاء تک تعداد نہیں پہنچ سکی۔

ترکی خلفاء علامہ دمیری رحمۃ اللہ علیہ نے ترکی خلفاء میں بھی یہ اصول ثابت کیا ہے۔ نمونہ کے لئے جتنا ہم نے ذکر کیا ہے وہ کافی ہے۔ (حیوۃ الحیوان از صـ۹۲ تا صـ۹۶ ملخصاً)

حضرت عمر بن عبد العزیز کا ایک زریں ارشاد

کسی نے حضرت ممدوح سے حضرت علی اور معاویہؓ کی باہمی جنگ کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا
وماء طھر اللہ عنھا سیوفنا افلا نطھر عنھا السنتنا یعنی یہ وہ خون ہیں جن سے اللہ نے
ہماری تلواروں کو محفوظ رکھا ہے تو اب ہم اپنی زبانوں کو اس خون سے آلودہ کریں ۔ (حیوۃ الحیوان)

فقہ کی مشہور کتاب ہدایہ اہل یورپ کی نظر میں

مسٹر عبد اللہ یوسف علی ایم اے ایل ایل ایم نے اپنی کتاب "انگریزی عہد میں ہندوستان کے تمدن کی تاریخ" شائع کردہ ہندوستانی اکیڈمی الہ آباد کے ص۶۳ میں لکھا ہے۔ کہ مشہور سحر بیان مقرر اور مقنن اڈمنڈ برک نے فقہ حنفی کی مشہور و معروف کتاب ہدایہ کے ایک خلاصہ کے فارسی ترجمہ کا انگریزی ترجمہ دیکھ کر جو الفاظ اس کتاب پر لکھے ہیں وہ یہ ہیں ۔

"اس کتاب میں دماغ کی ایک بڑی طاقت نظر آتی ہے اور ایسا فلسفہ قانون ہے جس میں بہت باریکیاں پائی جاتی ہیں ۔"

یہ کتاب آج بھی برک کی اس تحریک کے ساتھ آکسفرڈ کی مشہور بوڈلین لائبریری کی زینت بنی ہوئی ہے ۔

برک کو اصل ہدایہ پڑھنے کی تو کیا نوبت آتی انگریزی ترجمہ بھی اصل کتاب کا دیکھنا نصیب نہیں ہوا کسی نے فارسی زبان میں ہدایہ کا خلاصہ تیار کیا اس خلاصہ فارسی کا انگریزی ترجمہ دیکھ کر برک نے یہ رائے قائم کی ۔ اگر یہ برطانوی مفکر اور مقنن اصل کتاب ہدایہ کو دیکھ پاتا تو خدا جانے صاحب ہدایہ اور ہدایہ کی کتنی عظمت اس کے دل میں قائم ہوتی

(از صدق جدید ۱۰ اگست ۱۹۶۱ء)

امام محمد بن حسن شیبانی تلمیذ امام اعظم ابو حنیفہ رح کی مشہور کتاب مبسوط کو ایک یہودی عالم نے دیکھا تو اتنا متاثر ہوا کہ اسی پر اسلام قبول کر لیا اور یہ کہا کہ

ھذا کتاب محمد کم الاصغر فکیف یعنی یہ تو تمھارے چھوٹے محمد (یعنی محمد بن حسن) کی کتاب ہے

بکتاب محمد کہا اکبر۔ (از سیرت محمد بن حسن شیبانی) تو تمہارے بڑے محمد (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) کی کتاب کا کیا حال ہوگا۔

عربی زبان کی عجیب و غریب وسعت

کتاب المستبکر فیما یتعلق بالمؤنث والمذکر میں ہے کہ عربی زبان میں شہد کے لئے اسی نام ہیں اور سانپ کے دوسو اور شیر کے پانچسو اور اونٹ کے ایک ہزار۔ تلوار اور مصیبت کے چار ہزار۔ اصمعی نے کہا کہ مجھے پتھر کے ستر نام یاد ہیں۔

اتنے وسیع لغات کو یاد رکھنے کے لئے جیسے قوی حافظہ کی ضرورت تھی اللہ تعالےٰ نے عربوں کو حافظہ بھی اس کے مطابق ہی عطا فرمایا تھا۔ حماد راویہ نے ایک دن خلیفۂ وقت سے کہا کہ میں اسی مجلس میں آپ کو سو قصیدے سناتا ہوں جن کے اشعار بیس سے لیکر سو تک ہوں گے اور اسی وقت سنا دیئے۔ (المستبکر ص۵۶)

عزت و جاہ کی طبعی خواہش یوسف ابن اسباط کا ارشاد

یوسف ابن اسباط متقدمین صوفیائے کرام میں ایک عالی مرتبت بزرگ ہیں کسی شخص نے ان سے خط لکھ کر دریافت کیا کہ میرا نفس مجھے عزت وجاہ حاصل کرنے کے لئے مجبور کرتا ہے میں کیا کروں آپ نے جواب میں لکھا کہ اپنے نفس کو اس خواہش سے روکنا اوس جہاد سے بہتر ہے جس میں اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر دشمنوں کا مقابلہ کرتا ہے (روح البیان سورۂ برات $\frac{ص۹۰۵}{ج۱۷}$)

حضرت قتیبہ ابن مسلم کا دریائی جیحوں سے گھوڑوں پر عبور

بخاری کی فتح کے لئے جب قتیبہ ابن مسلم دریائی جیحون پر پہنچے تو کفار نے تمام کشتیاں اپنے قبضہ میں کرلیں تاکہ وہ دریا کو عبور نہ کرسکیں۔ ان بزرگوں کی پوری زندگی کا وظیفہ ہی تھا کہ اپنی مقدور تک مادی اسباب کو جمع کرتے اور استعمال کرتے اور جہاں مادی اسباب جواب دیدیں تو پھر براہ راست مسبب الاسباب کی بارگاہ میں دعا اور اس کی طرف توجہ ان کا آخری اور کامیاب

حربہ ہوتا تھا مسلم بن قتیبہ نے یہ حال دیکھ کر اللہ تعالیٰ سے دعا ان الفاظ کی ساتھ کی۔
یا اللہ اگر آپ جانتے ہیں کہ میری غرض صرف تیرے لئے جہاد کرنا اور تیرے دین کی عزت اور تیری ذات کے لئے لڑنا ہے تو مجھے اور میرے ساتھیوں کو اس دریا میں غرق نہ فرمایئے۔ اور اگر میری نیت اس کے سوا کچھ اور ہے تو مجھے اس دریا میں غرق فرما دیجئے۔ یہ دعا کر کے اپنا گھوڑا دریا میں ڈال دیا اور پورا لشکر پیادہ وسوار دریا میں اتر گیا۔ اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے کسی ایک سپاہی کو ذرا سا بھی نقصان نہیں پہنچا، سب صحیح سالم دریا سے ایسے عبور کر گئے جیسے خشک زمین پر۔

(روح البیان ص۹۰۵ ج)

جوانوں کے بجائے بوڑھوں کی صحبت و مجالست بہتر ہے

عمرو بن علاء کا بیان ہے کہ میں ایک مرتبہ نوجوانوں کی مجلس میں بیٹھا تھا حضرت سعید بن جبیر رح نے مجھے تنبیہ کی کہ یہاں کیا کرتے ہو۔ بڑے اور مشائخ کی مجلس میں بیٹھو (روضۃ العقلاء ص۴۷)

انسان کی خوش نصیبی کیا ہے

امام حدیث ابو حاتم نے فرمایا کہ چار چیزیں انسان کی خوش بختی کی علامت ہیں۔
اول یہ کہ اس کی بیوی اس کے مزاج کے موافق ہو۔ دوسرے یہ کہ اس کی اولاد فرمانبردار ہو تیسرے یہ کہ اس کے دوست احباب نیک ہوں۔ چوتھے یہ کہ اس کا روزگار اس کے وطن میں ہو۔

(روضۃ العقلاء ص۳۰۲)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

ان من الشعر لحکمۃ و ان من البیان لسحرا

شعر و سخن

از

از حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ

ترتیب

شعر و سخن

شعر ہر سلیم الطبع انسان کا فطری ذوق ہوتا ہے۔ اس سے بہت سے اچھے کام بھی نکلتے ہیں جو نثر عبارت سے حاصل نہیں ہو سکتے۔ انسان کی طبیعت کو کسی خاص چیز پر آمادہ کرنے کے لئے شعر بڑا کام کرتا ہے۔ مگر وہ دو دھاری تلوار ہے اپنی حفاظت کا سامان بھی بن سکتی ہے اور ہلاکت کا بھی۔

دنیا میں عام معاملات کی طرح اس میں بھی بڑی افراط و تفریط ہوتی چلی آئی ہے۔ بہت سے وہ لوگ ہیں جنھوں نے سارا علم و ہنر شعر و سخن ہی کو قرار دیکر اپنی زندگی اس کے لئے وقف کر چھوڑی ہے۔ اور پھر اس دریا میں ایسے غرق ہوئے کہ حلال و حرام اور نیک و بد کا بھی امتیاز نہ رہا۔ اور بہت سے ایسے لوگ بھی ہیں جو اسکو ایک شجرہ ممنوعہ سمجھتے ہیں۔

صحیح اور معتدل وہ تعلیم ہے جو اس کے متعلق حکیم الحکما امام الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول و عمل سے دی ہے کہ شعر اپنی ذات میں اچھا ہے نہ برا بلکہ نثر کلام کی طرح اپنے مضمون اور مقصود کے اعتبار سے اچھا بھی ہو سکتا ہے برا بھی۔

جو اشعار حکمت و نصیحت یا دین کی نصرت یا کسی جائز مقصد کے لئے کہے جائیں وہ جائز بلکہ موجب ثواب ہیں اور جن میں کوئی کلام خلاف شرع ہو یا جو انسان کو کسی گناہ پر ابھاریں وہ حرام و ناجائز ہیں۔ حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

ان من الشعر لحکمۃ — بعض اشعار حکمت پر مشتمل ہوتے ہیں

ایسے اشعار کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی خود بھی سنے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں بہت سے حضرات شعراء تھے۔ اسلام سے پہلے اور اسلام کے بعد ان کے بہت سے اشعار و قصائد مشہور ہیں۔

احقر ناکارہ نے کبھی شعر و سخن کو اپنا مشغلہ نہیں بنایا نہ اس کو باقاعدہ سیکھنے کی کبھی کوشش کی۔ اور نہ کبھی ضروری مشاغل نے اتنی فرصت دی کہ اس کام میں دخل دیا جائے۔ قدرتی اور فطری ذوق نے مختلف حالات و واقعات میں کبھی کبھی کوئی کلام موزوں کر دیا ہے۔ میرے نظم لکھنے کی ابتداء عربی ادب کے سلسلہ میں استاذ محترم حضرت مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد کی بنا پر ہوئی جبکہ دار العلوم کے طلباء کچھ اردو زبان کے مشاعرے جمعہ کی فرصت میں منعقد کیا کرتے تھے تو استاذ محترم نے ہم چند طلباء کو غیرت دلائی

کہ اگر شعر کہنا ہے تو عربی میں کہو جو تمہارے مقصد تعلیم میں معین ہو۔ اس وقت سے عربی میں مختلف قسم کے اشعار وقصائد لکھنے کی نوبت آئی۔ اور پھر جب یہ ذوق کچھ آگے بڑھا تو ترقی معکوس یہ ہوئی کہ فارسی زبان میں اور پھر اردو زبان میں کچھ اشعار، قطعات، غزل، قصیدے لکھنے کی نوبت آئی۔ مگر نہ میں شاعر تھا نہ میرے اشعار ہی اس درجہ کے تھے کہ شعراء کے سامنے پیش کئے جائیں نہ کبھی اپنے اشعار کے متعلق یہ وہم و خیال آیا کہ انکی اشاعت کی جائے۔

مگر احقر نے قدیم و جدید شعراء کے کلام سے بہت سے مفید اشعار کا ایک انتخاب کر رکھا تھا۔ اس وقت جبکہ میری کتاب ثمرات الاوراق کی دوبارہ طباعت کا قصد کیا گیا تو یہ منتخب متفرق اشعار اس کتاب کے مناسب معلوم ہو کر یہ خیال آیا کہ ان کو ثمرات الاوراق کا جزء بنا دیا جائے اس وقت بہت سے احباب جو پہلے میرے اپنے اشعار کی اشاعت کے خواہشمند تھے ان کا اصرار بڑھا کہ ان کو بھی علحدہ نہ سہی ثمرات کا جزو ہی بنا کر شائع کر دیا جائے۔ ان کی تطییب خاطر کے لئے اردو فارسی کے اشعار کو اس کتاب میں شائع کرنے کے لئے دیدیا۔

عربی اشعار سے عام اردو خواں حضرات کو دلچسپی ہوسکتی تھی اس لئے ان کے متعلق یہ ارادہ کرلیا کہ اس کو اپنے عربی رسالہ النفحات فی فضل العربیۃ علی سائر اللغات کے آخر میں آخر میں شامل کر دیا جائے اور اشعار منتخبہ میں بھی عربی کے اشعار اس کی ساتھ شامل کئے جائیں۔ اس لئے اب پہلے اپنے متفرق اشعار اور تمام یا نا تمام غزلیں، قصیدے وغیرہ لکھے جاتے ہیں اس کے بعد اشعار منتخبہ کو بنام حکمۃ الاشعار درج کیا جائیگا۔ میرے اشعار وقصائد پر کچھ عنوانات برخوردار مولوی محمد زکی سلمہٗ ناظم ادارہ اسلامیات لاہور نے لگا دیے ہیں۔ میرے اشعار شعر کی حیثیت سے خواہ کیسے ہی کمزور یا پھیکے ہوں اور شاید کہیں وزن میں بھی گڑبڑ ہو مگر بہت سے مواعظ و حکم پر مشتمل ہیں اس لئے نفع کی امید ہے بقول سیدی حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ ؎

بے نمک ہیں میرے اشعار مگر تلخ نہیں ٭ خالی از درد نہیں گرچہ ہیں لسٹم پسٹم

اس کے علاوہ نہ یہاں کسی سے داد سخن لینا پیش نظر ہے نہ شعراء کی صف میں کھڑا ہونا بلکہ اپنا دل بہلانے کا ایک مشغلہ ہے

از شعر مطلب ما ردو قبول کس نیست ٭ دیوا دار با خود داریم گفتگوئے

اور بقول محب محترم حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب عارفی مدظلہٗ

لذت سوز دلم از ما سوا بیگانہ داشت ٭ نالہائے خویشتن دارم برائے خویشتن
بہر تسکین دل آشفتہ خود عارفی ٭ می سرایم شعر خود در نالہائے خویشتن

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

۲۲ ربیع الثانی ۱۳۸۲ھ

بادۂ شیراز

اشارات

مناجات بوقت دخول مکہ مکرمہ

(۶۔ ذی الحجہ سنہ ۱۳۷۰ھ)

آمد بدر تو روسیا ہے | نگذاشتہ در جہاں گناہے
برنامدہ خدمتے زدستش | ناکردہ عبادتے پگاہے
ناوردہ ز عمر خویش الا | اشکے و دل حزین و آہے
گر عفو کنی و گر بگیری | کس نیست بجز درت پناہے
گر نیست چو من ذلیل و رسوا | پس کیست کریم چوں تو شاہے
اے رب کریم می ندارم | جز لطف تو ہیچ زاد راہے

جان فدیۂ آں نگاہ لطفت
یکبار دگر بمن نگاہے

جامِ توحید

بگذر ز من کہ حالت زارم نہ دیدہ بہ — بگذار حالِ من کہ ہمیں ناشنیدہ بہ
ترک ہمہ مذاہب و دیدن بسوئے دوست — این ست مذہبم و ہمیتم عقیدہ بہ
چشمت اگر رود بتماشائے غیر دوست — زیں گونہ دیدہا بخدا گور دیدہ بہ
دستے کہ نارسیدہ بزلفش شکستہ بہ — پائے کہ سوئے او نرساند بریدہ بہ
ناکندنی ست در رہ محبوب خار پا — کیں خار عشق در رگِ جانم خلیدہ بہ
آں مدرسہ کہ نیست درو درس گاہِ عشق — از تند باد حادثہ آتش رسیدہ بہ
چشمم اگر بصبح نبیند جمالِ دوست — گویم کہ صبح تا بابد نادمیدہ بہ
باد صبا چو نامدہ باشد ز کوئے دوست — در گلستانِ دہر صبا ناوزیدہ بہ
جانے کہ رہ بجانب جاں آفریں نیافت — نابودہ نادمیدہ و ناآفریدہ بہ
اے چارہ گر بخیز کہ بیمار عشق را — جاں سوختہ طپیدہ و ناآرمیدہ بہ
ناکردہ بہ علاج و مداوائے علتش — ہم مرہمے بزخم دلش نارسیدہ بہ
ہم بخیہ سازیے نسزد بہر دامنش — کیں گل سدا بہار گریباں دریدہ بہ
ہوشش ربودہ چشم کشودہ بروئے دوست — وز جملہ دوستان و عزیزاں دمیدہ بہ
یا دست و پا شکستہ فتادہ بکوئے دوست — یا دست شے بگردن یارے خمیدہ بہ
آوارہ از خلائق و ناکارہ از جہاں — عاشق بایں خصال و صفات حمیدہ بہ

مسکیں شفیعؔ گو نہ برد نام عشق را
راحت طلب ز کوئے محبت رمیدہ بہ

سوز و ساز

اے دل از گردش ایام بجاں می کوشم
کہ جنونے بکف آرم و خرد بفروشم
من بتنگ آمدم از عقل رسائے کہ نہاد
از المہائے جہاں بار گراں بر دوشم
ترک دنیا کنم و روئے بکنجے آرم
کہ نہ بینم اثرے و ز خبرے نیوشم
تا یکے ایں روش دہر کہ ہر شام و پگاہ
لخت دل می خورم و خونِ جگر می نوشم
صبر تا کے کنم و مہر بلب بنشینم
منکہ از سوز جہاں چوں خم مے در جوشم
جان من اشک رواں گشتہ و از دیدہ بریخت
لیک چوں شمع بسوز اندرم و خاموشم
گریہ و خندہ چو دیدم کہ تیر رد بجوے
پس ہماں بہ کہ شکیب آورم و نخروشم
شکوۂ گردشِ ایام نہ شرطِ عقل ست
کز دل آرام منست ایں ہمہ نیش و نوشم
صدقۂ آں نگہ لطف کہ ساقی فرمود
یک قدحے خوردم و از روز ازل مدہوشم

بوقت ورود تھانہ بھون

شکر ایزد قطرۂ دریا بدریا در رسید — بعد مدت مضطرب آخر بماوی در رسید

بلبل از قید قفس آمد بگلزار مراد — بستۂ زنجیر مجنونے بصحرا در رسید

در رسید اسباب عیش و روز و شبہائے طرب — ساقی مہوش رسید و جام و مینا در رسید

تشنہ کام عشق را مژدہ کہ باز آمد بہار — ابر و باراں در رسید و جام و صہبا در رسید

کام ناکامی بفضل ایزدی آمد تمام — صد ہزاراں شکر حق نخل تمنا در رسید

رخصت اے رنج و الم کامد دل آرام جہاں — رخصت اے درد و مرض انفاس عیسیٰ در رسید

مژدہ اے رنجور غم خوش باش مایوس شفاء

بہر امراض نہانی خوش مسیحا در رسید

عقل وجنون

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

گردشِ ایام

تا بکے شکوۂ ایں گردشِ ایام کنی / واندریں فکر بسر گہ سحر و شام کنی

اے دل آں بہ کہ نظر باز بر انجام کنی / رو ز دنیاے دنی سوئے دل آرام کنی

ایں و آں راہگذاری ہمہ بہرِ دگراں / رو بساقی کنی و شغل مے و جام کنی

گوش بر چنگ نہی نغمۂ مطرب شنوی / خاک بر گردش دہر و غم ایّام کنی

مصلحت دیدن آنست کہ کنج گیری / ترک یاران ریا کردہ و آرام کنی

گرد ہر دانہ دریں غمکدہ دامے ست نہاں / خوش نگر چوں دم پرواز سر بام کنی

حکم عقل ست کہ چوں بر سر خرمن گذری / پیش از دانہ نظر بر طرف دام کنی

نیک نامی ز عزیزان جہاں نیست امید / بہ کہ بیروں ز سرت ایں ہوس خام کنی

طمع نفع و ضرر از خلق چو شرکیست خفی / شرطِ عقل ست کہ ترک ہمہ اصنام کنی

ہر کجا باشی و با ہر کہ نشینی ہمہ وقت
خفیہ چشم و دل خود سوئے دل آرام کنی

قطعہ

(۱)
گدائے خاک نشینم اندر درویش
بپادشاہی عالم فرو نیارم سر

(۲)
چہ سود سبحۂ صد دانہ با دل غافل
فقیہ بمسجد و ما در دکان و بازاریم

ہمتِ مردانہ

دیوانہ خوشتر است نہ فرزانہ خوشتر است — کا نرا کہ خواست جلوۂ جانانہ خوشتر است

خوش فرش بوریا و گدائی و خواب من — کیں عیش من ز حشمت شاہانہ خوشتر است

زاہد مبیں حقیر گدایان عشق را — انفاس شاں ز سبحۂ صد دانہ خوشتر است

دیدی کہ در بجہائے جہاں را کنارہ نیست — پس با منے بگوشۂ میخانہ خوشتر است

تنگ آمدم ز صحبت یاران ایں زماں — بس مونسم صراحی و پیمانہ خوشتر است

خوش درس علم و شغل فتاوی بدیوبند — لیکن شبے بخانقہ تھانہ خوشتر است

دانم کہ پا شکستہ ام و منزلم بعید — آرے قدم بہمت مردانہ خوشتر است

سیر جہاں خوش است ولے بعد تجربہ
خلوت تجھے بگوشۂ کاشانہ خوشتر است

مرثیۂ عمر رفتہ

در سنہ ۱۳۴۵ھ

اے کہ رفتہ ز عمر تو سی ۳ سال — نگرفتہ برے ز ہیچ کمال

نہ ز علمت نصیب روشنئے — نہ بدست تو توشۂ اعمال

آنکہ سن کمال می نامی — ہر کمال ترست عین زوال

خواجہ مصروف عقد سالگرہ — وا زگرہ رفتہ اش دگر یکسال

اے گرفتار فکر زید و عمر — مبتلائے تجسس اعمال

اگرت فکر نے ز خویش رود — عیب کس نایدت بوہم و خیال

شیشۂ سرخ داشتی بر چشم — جملہ عالم شدہ بچشمت لال

فکر آں روز پیش گیر کہ چوں — ایستادی حضور رب جلال

ہر کس اندر حساب خود حیراں — متفکر وما لہ من وال

پیشِ عدلُ خبیر بیں پیش خیر و شر تو ذرہ و مثقال
من نگویم کہ خیر کن یا شر ہر چہ گیری بگیر و زود تعال
چوں محمد شفیع شد ما را
عفر لہٗ۔ زعمرم آمد فال

سال ولادت ۱۳۱۵ھ

میرا سن ولادت در اصل شعبان ۱۳۱۴ھ ہجری ہے چند مہینوں کی کسر کو نظر انداز کر کے ۱۳۱۵ھ بنتا ہے۔ ومن غرائب ھذہ التاریخ ان سنۃ وفاۃ والدی الماجد مولانا محمد یٰسین رح۔ عفر لھم۔ ۱۳۵۵ھ
فانہٗ رحمہ اللہ توفی علی رأس اربعین سنۃ عن عمری۔

بیادِ شیخ

تا دوست بدل گرفتہ را ہے ہر خویش و عزیز اجنبی شد
عالم ہمہ فقر است جز آں کز فقر بسوئے او غنی شد
اے آنکہ بخدمتش رسیدن سرمایۂ فخر ہر دلی شد
اے آنکہ ز کیمیائے فیضش قلبے بقلوب آہنی شد
فلس دغل شفیع مسکیں
چوں بر تو رسید اشرفی شد

قطعہ

آرزوئے دل کہ ہر دم شاد باید زیستن
دہر می خواہد ہمیں ناشاد باید زیستن
مصلحت دید منست ارشاد شیخ تھانوی رح
ہیں بروزیں ہر دو غم آزاد باید زیستن

مرثیہ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

من وارفتہ در محفل مثال شمع سوزانم ۔۔۔ کہ جاں آب رواں گشتہ ہمی ریزد ز مژگانم

بوے گل عشوہ گری با دیگراں فرما ۔۔۔ کہ من بیزارم از جان و دل فگار پریشانم

ز دل می خیزد و بر دل ہمی ریزد سحاب غم ۔۔۔ دمید از اندرون کشتی من موج طوفانم

ندارم ذوق با صحرا گزینی صورت مجنوں ۔۔۔ کہ از فیض جنوں کاشانہ ام گشتہ بیابانم

فضائے گلشن و ابر و بہار و مطرب و مینا ۔۔۔ ہمہ شد بعد آں ساقیٔ مہوش دشمن جانم

مبر نام گل و گلزار و ذکر جام و مے بگذار ۔۔۔ کہ ہست اینہا ہمہ گلدستہ، یک طاق نسیانم

مپرس افسانۂ ما و حدیث درد ما مشنو ۔۔۔ کہ اے چارہ گرم بیمار ناتوانی و نتوانم

حکیم امت و سلطاں سراج ملت بیضار ۔۔۔ امام و حجت کبریٰ پناہ دین و ایمانم

امام فقہ و تفسیر و حدیث و معرفت بنگر ۔۔۔ عیاں بر صفحۂ ہستی فیوض شاہ شاہانم

جنید دہر و شیبانیٔ عصر و حبر و قلش خواں ۔۔۔ کہ شد تجدید جملہ شبہائے دین ز سلطانم

فغاں از دست بیداد زماں کاں جان عالم را ۔۔۔ نمی بینم نمی یابم بسے جویا و حیرانم

حکیم امتم رفت و من وارفتہ حیرانم ۔۔۔ کہ نتواں پیش کس بردن چنیں حال پریشانم

مریضم مبتلائے دل کجا جویم دوائے دل ۔۔۔ کجا یابم شفائے دل ز علتہائے پنہانم

کجا آں شمع ہر محفل کجا آں رہبر منزل ۔۔۔ کجا آں حل ہر مشکل برائے فکر حیرانم

کجا آں اشرف عیسیٰ نفس خضر طریق اے دل ۔۔۔ کجا آں سایۂ رحمت سحاب گوہر افشانم

مریض مبتلا اکنوں کجا یابد دوائے دل ۔۔۔ کجا گیرد قرار ایں قلب مضطر چشم گریانم

من تنگ آمدہ از رزم و بزم دشمن و یاراں ۔۔۔ کجا باشم، کجا میرم، کرا بینم، کرا خوانم

نہ با بزم طرب شوقے نہ با احباب خود ذوقے ۔۔۔ نہ در صحرا گذر دارم نہ گنجائش بعمرانم

غمش ہم غیرتے دارد ز دست چارہ گر شاید ۔۔۔ نہ شد منت پذیر بخیہ سازاں چاک دامانم

بحمد اللہ غبار کوئے جاناں است جان من ۔۔۔ چہ آید در نظر اے ہمنشیں کحل صفاہانم

بیا دار وئے ہر درد ست و حل جملہ مشکلہا ۔۔۔ بامداد الٰہی روئے نورانیٔ جانانم

ولے دارم جواہر خانۂ عشق ست تحویلش ۔۔۔ علاقی در اشرف چو گشتہ میر سامانم

دریں دردِ الم با صد ہزاراں غم بحمد اللہ   رفیقِ او صبائے ہست کز حالست پرسانم
ہنوز آں ابرِ رحمت در فشاں و من چناں حیراں   فغاں از ہمتم فریاد از تنگیٔ داما نم
تعجب چیست از ترتیب در شعرم نمی بینی   پریشان ست سلک نظم چوں حال پریشا نم
بخواں لے ابن یاسین سال وصل از سورۂ یٰسیں
سلام حضرت رب رحیم از قلب قرآ نم[1]

بیت

فضائے گلشن و باد صبا و ابر بہار
ولے چہ سود چو ساقی و بزم و مینا نیست

عمر رفتہ در ۱۳۵۰ھ

سی و پنج تو رفت در غفلت   پنج باقی مگر نگہدا ری
کارکے بر نیامد از دستت   ای ز ہر علم و ہر عمل عا ری
جملہ عالم بخدمت مشغول   وائے بر حال تو کہ بیکا ری
تابکے شکوہ ہائے خوابِ گراں   ای کہ خواب تو بہ ز بیداری
راحت از تو ہیچ کس نرسید   حیف باشد کہ مردم آزاری
اے سلامت روندہ بر ساحل ⁂ ہیچ از حال ما خبر داری

قطعہ

بعد واپسی از تھانہ بھون درآخر رمضان

ایکہ دید تو بچشم عارفاں   ہر زماں ہر لحظہ یک عہد جدید
التفاتے سوئے آں ہجراں نصیب   کز تو دور افگندہ شد در روزِ عید

---

[1] یعنی آیت لھم فیھا فاکھۃ ولھم ما یدعون - سلامٌ قولاً من رب الرحیم -
۱۳۶۲ھ

مرثیہ حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب غوری رح

خلیفۂ خاص حضرت حکیم الامۃ رح

مارا سر بگلشن و سیر چمن نماند — در دل ہوائے گلبن و سیر و سمن نماند

فریاد زیں خزاں کہ ببستان ما رسید — بو در گلے و برگ گلے در چمن نماند

صبر از دلم رمیدہ و دل از من حزیں — گفتار بر زبان و زباں در دہن نماند

فریاد اے کریم ز غمہائے پے بہ پے — در جان خستہ طاقت رنج و محن نماند

دانی کہ زخم فرقت اشرف بما چہ کرد — زخم دگر رسید و سر جان و تن نماند

یارب بخواب می شنوم یا حقیقت است — ایں ناشنیدنی کہ عزیز الحسن نماند

آں یادگار اشرف ماہم ز ما برفت — گم کردہ ایم یوسف و ہم پیرہن نماند

ایں زخمہائے تازہ کہ بر زخمہا رسید — اشکے بچشم و قطرۂ خوں در بدن نماند

جز نالہائے نسیم شب و گریۂ سحر — ہیچم انیس وحشت بیت الحزن نماند

جز یاس و حسرت و غم و آہ و بکا مگر — چیزے بخانقاہ و بہ تھانہ بھون نماند

ہر روز بر یگانۂ اشرف چو سال بود — بعدش فزوں ز سال دم زیستن نماند

ایام سال فرقت اشرف فزودہ گو
سال وفات خواجہ عزیز الحسن نماند
۱۰۰۳ + ۳۶۰ = ۱۳۶۳ھ

عمر رفتہ در ۱۳۷۷ھ

اے خدائے پاک اے رب جلیل — بر درت آمد بندۂ خوار و ذلیل

با سیہ رو آمد و موئے سفید — اے کریم از در مرانش ناامید

سہ و شصتم آمد از عمر عزیز — من ہمانا بے شعور و بے تمیز

در ملاہی و مناہی شصت سال — در تغافل پردہ بے فکر مآل

کردہ ضائع ہر متاع سود را — در تغافل داد ہر بہبود را

مغفرت دارم امید از لطف تو — زانکہ خود فرمودۂ لا تقنطوا

تضمین
از خواجہ فرید الدین عطار رح

کلامِ اُردُو

ترتیب

دو قطعے

من چہ باشم کہ بکارے سر آغاز کنم
تا بانجام چہ گویم کہ رہے باز کنم
پس ہماں بہ کہ توکل دم پرواز کنم
نام حق بہر ہمہ ہمدم و دمساز کنم

من کہ باشم کہ برآید ز وجودم کارے
کار رہبر مردے و ہر مرد برائے کارے
مدد حضرت حق دست دہد گر آرے
کاہ پرِ کوہ شود تار شود دستارے

دُعا پسند فرمودہ مجذوب صاحب مرحوم

دلِ بے حس کو یارب اب تو کچھ درد آشنا کر دے
عطا وہ درد کر جو سارے دردوں کی دوا کر دے
مٹا دے یا الٰہی لوحِ دل سے نقشِ باطل کو
مجھے اب این و آں کے غم سے اے مولا رہا کر دے

(۲۰ رجب ۱۳۶۲ھ تھانہ بھون)

جامِ توحید

وہ علم جہل ہے جو دکھائے نہ راہِ دوست
ہے دخترِ جاہلیت اولیٰ وہ مکتبہ
پھوٹے وہ آنکھ جس سے نہ دیکھیں جمالِ دوست
جل جائے وہ کتاب نہ ہو جس میں درسِ عشق

مجلس وہ ہے وبال جہاں یادِ حق نہ ہو
جس میں کتابِ عشق کا کوئی ورق نہ ہو
شق ہو وہ دل جو تیری محبت سے شق نہ ہو
مجلس وبال ہے وہ جہاں یادِ حق نہ ہو

قطعہ

بعد وفات حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ

ان کی وہ بزم کا سماں ان کا وہ لطف بیکراں
ان کی وہ مہربانیاں دل میں بسی ہیں بجلیاں
اے جلوۂ مست جاں جاں ملتا نہیں ترا نشاں
تو زیر زمیں ہے ضو فشاں یا تیرا مقر ہے آسماں

رازِ کائنات

یہ زمیں میرے لئے ہے آسماں میرے لئے ‌ اور ہے مصروفِ خدمت کل جہاں میرے لئے

برگ و بر میرے لئے ہے ہر ثمر میرے لئے ‌ ہر چمن میرے لئے ہر گلستاں میرے لئے

ایک میرے دم سے ہے اس بزمِ عالم کا فروغ ‌ وقفِ خدمت ہے یہ سب کون و مکاں میرے لئے

حرکتِ افلاک و انجم دورِ شمسی کا نظام ‌ چل رہا ہے دیر سے یہ کارواں میرے لئے

جستجو میں ہے مری بادِ صبا مستانہ وار ‌ سر پٹکتا ہے سدا آبِ رواں میرے لئے

میری ہستی میں ہے مضمر ہستیٔ عالم کا راز ‌ ہے یہ سب ایجادِ شورِ کن فکاں میرے لئے

کیوں نہ ہو روزِ ازل میں ہو چکی تقسیمِ کار
میں ہوں مالک کے لئے اور کل جہاں میرے لئے

(تھانہ بھون ۱۹۳۵ء)

حُسنِ ازل

یہ رازِ عشق دیکھ اے چشمِ تر افشا نہ ہو جائے ‌ ذرا تھم جا کہیں یہ پارسا رسوا نہ ہو جائے

تصور سے کسی کے رات دن کرتا ہوں سرگوشی ‌ الٰہی خیر الفت میں مجھے سودا نہ ہو جائے

طبیبِ مہرباں سن لے مرض ہی روح ہے اس کی ‌ یہ بیمارِ محبت دیکھنا اچھا نہ ہو جائے

وہ جانِ جاں جو اپنا ہو تو میں جاں سے خوش ہوں ‌ ہر اپنا غیر اور ہر آشنا بیگانہ ہو جائے

مسافت دو جہاں کی اک قدم ہے مردِ مومن کا ‌ عطا جب اس کو سازِ ہمتِ مردانہ ہو جائے

یہ سب نیرنگیاں حسنِ ازل ہی کے کرشمے ہیں ‌ کہ کوئی شمع بن جائے کوئی پروانہ ہو جائے

چھپا ہے پردۂ اسباب میں کیسی لطافت سے ‌ یہ قدرت، کہ کام سب محض بے پروانہ ہو جائے

یہ دنیا جلوہ گاہِ ناز اک حسن آفریں کی ہے ‌ کوئی فرزانہ بن جائے کوئی دیوانہ ہو جائے

لگا رکھی ہیں ہندومت سے کیسی کیسی امیدیں[1] ‌ تمہارا خواب دیکھو شیخ جی الٹا نہ ہو جائے

الٰہی خیر مفتی آج میخانے کو جاتا ہے
کہیں نذرِ مے و ساقی ترا فتویٰ نہ ہو جائے

---

[1] بعض کانگریس میں شریک ہونے والے علماء کے متعلق کہا گیا ۱۲ منہ

[2] پاکستان بننے کے بعد دستور ساز اسمبلی میں بورڈ آف تعلیماتِ اسلام کی ممبری قبول کرنے کے وقت کہا گیا ۱۲ منہ

قطعات

(۱۱ر دسمبر ۱۹۶۳ء)

کھو دیا کھیل میں بچپن کو جوانی کو بیکاری میں
اب بڑھاپا ترا مصروف ہے مکاری میں
آخرت کے لئے کچھ سوچ بھی رکھا ہے جواب
یوں تو معلوم ہے درجہ ترا ہشیاری میں

مشک ختن میں تھی نہ گل و نسترن میں تھی
خوشبو جو تیری زلف شکن در شکن میں تھی
اس سے نکل کے پھر نہ ہوئی ایک دن نصیب
آسودگی کی روح جو کاشانہ بھون میں تھی

وہ بزم اب کہاں وہ طرب کا سماں کہاں
ساقی کہاں وہ جام لئے ارغواں کہاں
ڈھونڈیں ہم آج نقش سبک رفتگاں کہاں
اب گرد کارواں بھی نہیں کارواں کہاں

روک لی آہ و فغاں سے تو زباں
کیا کریں دیدۂ غمناک کو ہم
اپنی حالت نہ بدلنے پائی
جانیں کیا گردش افلاک کو ہم

---

(۱)
دل میں الفت کا داغ رکھتے ہیں
ظلمتوں میں چراغ رکھتے ہیں

(۲)
شکر صد شکر ہم بفیض جنوں
الجھنوں سے فراغ رکھتے ہیں

(۳)
ہیں سبھی مہرباں کے الطاف
دل سوچ باغ باغ رکھتے ہیں

دیوبند میں ایک طرحی مصرعہ پر

غزل!

دل میں کس کی بزم عشرت کا سماں رکھتا ہوں میں
اپنی نظروں میں جمال دو جہاں رکھتا ہوں میں

عشق سے دل میں نیا سا اک جہاں رکھتا ہوں میں
کچھ نرالے سے زمین و آسماں رکھتا ہوں میں

میر ساماں اپنا جب سے عشق ساماں سوز ہے
فقر میں بھی حشمت شاہنشہاں رکھتا ہوں میں

شاد باش اے عشق خوش سودائے من عمرت دراز
تیرے دم سے یہ بلند آہنگیاں رکھتا ہوں میں

شاخ طوبیٰ پر ہوئی پرواز جب ٹوٹا قفس
مرغ قدسی ہوں مکاں در لامکاں رکھتا ہوں میں

دل میں حسرت اور جگر میں درد پہلو میں شرر
شام تنہائی میں ساز کارواں رکھتا ہوں میں

کہہ نہیں سکتا زباں سے دیکھتی ہے جس کو آنکھ
چشم نرگس کی تو سوسن کی زباں رکھتا ہوں میں

کنج تنہائی کی مونس شام غربت کی رفیق
ایک تصویر خیالی حرز جاں رکھتا ہوں میں

کس کی ہمت ہے مجھے مایوس و بیدل کر سکے
گوش بر آواز ہائے کن فکاں رکھتا ہوں میں

کچھ جنوں میں میرے آمیزش ہے دانائی کی کیا
جیب و داماں کی ابھی کچھ دھجیاں رکھتا ہوں میں

تھانہ بھون سنہ ۱۳۶۲ھ

الطاف جب سے مجھ پہ کسی مہرباں کے ہیں
انداز اب نئے مری طرز بیاں کے ہیں

اک بندۂ حقیر کے یہ کبر و ناز دیکھ..
اعزاز سب کے سب یہ کسی آستاں کے ہیں

دنیا سے مجھ کو بے غم و آزاد کر دیا
احسان سب یہ صحبت پیر مغاں کے ہیں

برخوردار محمد ولی سلمہٗ کی شادی مورخہ ۱۸ ربیع الاول ۱۳۷۵ھ
۳ اکتوبر ۱۹۵۵ء پر ان کے بڑے بھائی مولوی محمد زکی کیفی نے
ایک سہرہ سہروں کے طرز پر لکھا تھا۔ اسی سہرہ کی زمین و قافیہ
پر مندرجہ ذیل چند اشعار موزوں ہوگئے۔

ساز طرب اٹھاؤ کہ شادی ولی کی ہے
شرعی خوشی مناؤ کہ شادی ولی کی ہے

جنگ و رباب و ساغر و مینا و رقص رنگ
ان سب کو بھول جاؤ کہ شادی ولی کی ہے

اللہ نے اس کو دی ہیں حقیقی مسرتیں
لہو و لعب ہٹاؤ کہ شادی ولی کی ہے

ذکر خدا و شکر خدا سجدہ ہائے شکر
بس یہ کرو کراؤ کہ شادی ولی کی ہے

سہرہ ولی کے چہرہ پہ نورِ خدا کا ہے
یہ رسم اب مناؤ کہ شادی ولی کی ہے

احباب گا رہے ہیں جو سہرے کے گیت آج
ان کو ادب سکھاؤ کہ شادی ولی کی ہے

ہر رسم جاہلیت و نخوت کو توڑ دو
اس کی ہنسی اڑاؤ کہ شادی ولی کی ہے

دوراہہ حیات پہ نورِ نظر ہے آج
یوم دعا مناؤ کہ شادی ولی کی ہے

پہلا قدم ہے منزل رنگین کی طرف
شر سے بچو بچاؤ کہ شادی ولی کی ہے

پیشِ نظر مدام رہے اسوۂ رسول
مقصد اسے بناؤ کہ شادی ولی کی ہے

۱۹۴۷ء کے انقلاب ہند میں

پھر اپنی غفلتوں سے بتوں کا ہوا عروج
ہندوستاں کو پھر کوئی محمود چاہیے

جرأت ہوئی پٹیل کو تلوار و تیر کی
پھر اک شہاب دیں مردود چاہیے
پئے مردود

حقائق

آئینۂ حقائق

مناجات بدرگاہ قاضی الحاجات

عمر گذری ہوا پرستی میں — کیا مرا دین کیا مرا اسلام
تو نے اسلام کو بھی اے رسوا — اپنے اعمال سے کیا بدنام
تیرے اسلاف کا تھا کیا اسوہ — تو نے کیسے غلط کیا اقدام

کٹ گئی عمر ہو گئی آخر — ہر مصیبت بھی اور ہر آرام
اب تو یارب تو دستگیری کر — تاکہ میرا بخیر ہو انجام
دل میں ہر وقت ہو خیال ترا — اور ہر دم ہو لب پہ تیرا نام

میرا آغاز کیا ہے کیا انجام
تیرے ہی لطف کے ہیں دونوں نام

یورپ کی اندھی تقلید پر

سرِ تسلیم خم ہے ہر نئے فیشن پہ کیوں تیرا
کہاں جاتی رہی مسلم وہ تیری وضعِ خودداری

زمانہ نقل کرتا تھا تری ہر وضع و ہیئت کی
مسلّم تھی جہاں میں تیری دانائی و ہشیاری

ترے قانونِ فطرت میں گدا و شاہ یکساں تھے
نرالا تھا جہاں سے تیرا آئینِ جہانداری

تری ہمت کے آگے کوہ و دریا سب برابر تھے
ترا عزم اور استقلال کل عالم پہ تھا بھاری

ستم ہے نام لیتے ہیں نصاریٰ کی عداوت کا
مگر نصرانیت اور مغربیت دل سے ہے پیاری

اُسوۂ اسلاف

نام لیتے ہیں ہم بزرگوں کا
اور ہر بات میں ہیں ان کے خلاف

ان کے اخلاق کا مٹایا نام
ہاتھ سے دیئے وہ سب اوصاف

شکل و صورت میں ان کی ضد ہیں ہم
جانشینی کی اپنے لاف و گزاف

سب کی نظروں میں ہم اگر ہیں ذلیل
تو خطا کیا ہے پھر قصور معاف

تم ہی انصاف سے ذرا کہہ دو
انہی اسلاف کے ہو تم اخلاف

نام سے جن کے تھا جہاں روشن
جن کے عالم پہ عام تھے الطاف

نقل کو جن کی جانتے تھے شرف
اہلِ عالم کے خود پسند اشراف

ان کا قرآن و لحنِ داؤدی!
اپنا لہو و لعب و شغلِ گزاف

آج بھی ذلتوں سے جائے پناہ
ہے اگر کچھ تو اسوۂ اسلاف

دُنیا کا عروج و نزول

یہ دنیا اے عزیزو ایک جھولے کی سواری ہے
اترنا اور چڑھنا سب کا اس میں باری باری ہے
یہاں کی ہر خوشی ہر غم ہر اک آفت ہر اک راحت
بصیرت سے اگر دیکھو تو امر اعتباری ہے
کہ ہر غم میں خوشی اور ہر خوشی کی تہ میں غم پنہاں
قرین مہر کوئی قہر اور ہر قہر میں لطف و کرم پنہاں
حقیقت حق نے ہر اک آنکھ والے کو دکھا دی ہے
کسی کا غم کسی کے واسطے پیغام شادی ہے
مرے پہلے تو پچھلوں نے کہیں ان کی جگہ پائی
ہیولیٰ سب مرادوں کا کسی کی نامرادی ہے
نظر اونچی کرو دنیا کے فانی رنج و راحت سے
لگاؤ لو فقط اک ذات سے اور اس کی رحمت سے

(دکوہ کسولی رجب ۶۳ھ)

گراں قدر عمر کے لمحات

کہاں کا ذکر گذشتہ و فکر استقبال
عزیز من یہ چلی جا رہی ہے فرصت سال
نفس کی آمد و شد کہہ رہی ہے غفلت کیش
کہ مثل برق ترا بہہ رہا ہے راس المال
یہ دن نصیب نہ ہو گا کسی کو آج کے بعد
یہ رات پھر کے نہ آئے گی پھر کسی منوال
جواہرات ہیں تیرے یہ وقت کے لمحات
انھیں تو غفلت و نسیاں کے طاق میں مت ڈال

(دکوہ کسولی رجب ۶۳ھ)

مسلمانوں کا دورِ انحطاط

ناتمام

تو اے فخر دو عالم آج رسوائے جہاں کیوں ہے
زمیں کیوں تیری دشمن ہے مخالف آسماں کیوں ہے
ذلیل و خوار کیوں ہے آج تو اقوام عالم میں
جہاں میں ہر طرف تیری ہلاکت کا ساماں کیوں ہے
کبھی اسباب پر اس کے نظر بھی تو نے ڈالی ہے
کہ غفلت کیش اب تجھ پر قیامت آنے والی ہے

فرقتِ احباب

حسرتوں کا ہے مرقع جس کا دنیا نام ہے
حاصل ہر رنج و غم مجموعۂ آلام ہے
فرقت احباب روح گردشِ ایام ہے
اس میں ہر آغاز کا آخر یہی انجام ہے
جشن احباب گل و گلبن خیال خام ہے
دائم و قائم بس اک مالک اور اس کا نام ہے
وصل و فرقت رنج و راحت اور ہر اک شادی و غم
ہیں یہ سب اک طرۂ محبوب کے ہی پیچ و خم
ہر تغیر میں اگر دیکھو ہزاروں ہیں حکم
چرخ و گردوں دہر و دوراں کا نہیں کوئی ستم
انقلاباتِ جہاں کیا جانیں کس کا نام ہے
آسماں ناحق زبانِ خلق پر بدنام ہے

بارش کی علامت ہے کہ ہوتی ہے ہوا بند

مصرعۂ طرح پر

انگلش کی حکومت ہے[1]، بڑا ظلم ہے انصاف
سچ بولنا ممنوع رہِ صدق و صفا بند
تھیٹر ہیں سنیما ہے بتوں کی ہے نمائش
آزادیٔ نسواں سے یہ کیا خوب اٹھا بند
مفتوح ہیں ہر سمت شیاطین کی راہیں
محبوس دیانت ہے رہِ اہلِ صفا بند
جیسا اڑنے کے قابل تو رہے خود پر و بازو
صیاد نے احسان کیا کھول دیا بند
مسدود ہیں گو ساری تدابیر کی راہیں
خوش ہو کہ نہیں تجھ پہ ابھی باب دعا بند
تمہید ہیں رحمت کی یہ دنیا کے مصائب
بارش کی علامت ہے کہ ہوتی ہے ہوا بند

---

[1] ۱۹۴۵ء میں جب لارڈ ویول گورنر ہند نے ہندوستان کو آزادی دینے کا ارادہ ظاہر کیا اور پھر ہندو مسلم اختلافات کی بنا پر وہ ملتوی رہا تو اس موقع پر کہا گیا ۱۲ منہ

عمر رفتہ کا مرثیہ ۱۳۶۳ھ میں

دیکھ موئے زدیر آ پہنچا — تیرے سر پر نذیر آ پہنچا
بہر حق اب تو ذکر حق کر لے — یاد اب تو یہی سبق کر لے
دیر سے بج رہا ہے کوس رحیل — تو پڑا سو رہا ہے خوار و ذلیل
قافلہ جا چکا ہے، حال تباہ — کیسا غافل ہے تو بوقت پگاہ
ذکر ماضی و فکر استقبال — کھو نہ دیں دیکھ تیرا لمحۂ حال
گن غنیمت یہ عمر کی ساعات — جو ہر بے بہا ہیں یہ اوقات
لہو و غفلت میں کھو چکا ہے بیاس — قدر کر رہ گئے ہیں جو انفاس
تھام مضبوط رشتۂ حق کو — اور رضائے قدیر مطلق کو

کار کن کار بگذر از گفتار
کاندریں راہ کار باید کار

(رکوہ کسولی رجب ۶۳ھ)

بدفالی کا خیال خام

تعجب ہے کہ ہو مومن رہین فال و بدفالی — کہ جس کی قوت قلبی نے سب فالیں بدل ڈالی
قدم اس کا جدھر اٹھا تو نحس و سعد یکساں تھے — ہوا وہ جلوہ آرا جس طرف میدان ہوا خالی

دل مومن سمجھ لو کیمیا تاثیر رکھتا ہے
یہ خستہ اپنے پہلو میں کوئی اکسیر رکھتا ہے

وفاتِ مرشد کے بعد

بدلی ہوئی رُت ہے ہر چمن کی
چھائی ہوئی سب پہ مُردنی ہے

کیسا ہے یہ درد جان و تن میں
کیسی یہ غضب کی بیکلی ہے

کہہ سکتی نہیں زبان اس کو
جو چیز کہ آنکھ دیکھتی ہے

ہیں سرد و خموش محفلیں سب
سردی یہ مزاج موت کی ہے

تلقین و ہدایتِ غزالیؒ
ہے اب نہ وہ درسِ قرطبی ہے

اب خانقاہ و مدرسہ کی
اک رسم سی رہ گئی ہے

لے جلد خبر کہاں ابھی تک
سینہ میں اک آگ سی دبی ہے

آ جا کہ ناخدائے اُمت
کشتی یہ بھنور میں آپھنسی ہے

اے جس کی اطاعت و غلامی
سرمایۂ فخرِ آدمی ہے

لے جلد خبر مریضِ غم کی
اب اس کا یہ سانس آخری ہے

۱۳۶۵ھ

یہ جگہ

ذیقعدہ ۱۳۶۵ھ میں تھانہ بھون حاضر ہوا، خانقاہ پر نظر پڑتے ہی اشعار ذیل زبان پر آئے

کبھی یہ جگہ منزلِ اولیا تھی
فرشتوں کی محفل تھی بزمِ ہدیٰ تھی

یہ مسکن تھی اک دن حکیم امم کا
ہوا اس کی ہر اک مرض کی دوا تھی

تسلیٔ غمگیں مداوائے ہر غم
بلا شک شفاء دلِ مبتلا تھی

یہ چھوٹی سی بستی یہ چھوٹی سی مسجد
یہ چھوٹی سی مجلس خدا جانے کیا تھی

منور ہوا جس سے عالم دوبارہ
مجدد کی مجلس تھی نورِ خدا تھی

حکیم الاُمّت

وہ اشرف حق حکیم الامت — بے شبہ جو وارث نبی ہے
وہ جس کی نگاہِ لطف کو اک — تقدیر سے کیمیا ملی ہے
دربار ہے فیض عام جس کا — ہر سکہ جہاں کا اشرفی ہے

جس فیض نظر سے سیکڑوں کی
بگڑی ہوئی یک بیک بنی ہے
رحمت سے امیدوار اس کا
بیچارہ حزیں شفیع بھی ہے

مقبرہ کی آواز

یہ مضمون حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے ایک کلام سے ماخوذ ہے جس کو اردو میں نظم کر دیا گیا

مقبرہ میں اترنے والے سن
ٹھہر ہم پر گذرنے والے سن

عاجزوں کی ذرا صدا سُن لے — زیردستوں کی التجا سُن لے
ہم بھی اک دن زمیں پہ چلتے تھے — باتوں باتوں میں ہم مچلتے تھے
ہم بھی اکدن زمیں کے مالک تھے — ہم بھی کل رونقِ ممالک تھے
مالک نقد و جائیداد تھے ہم — بزم عالم میں بامراد تھے ہم
ہم بھی رکھتے تھے قصرِ عالیشان — ہم بھی تھے مالک زمین و مکان
ہم بھی رکھتے تھے کچھ زن و فرزند — تھے جو دل پارۂ جگر پیوند
ہم بھی رکھتے تھے دوست اور احباب — تھے ہمارے بھی خادم و بوّاب

کچھ بتا دو یہ سب کہاں ہیں آج
یک بیک سب کے سب نہاں ہیں آج

جن کو مرمر کے میں نے پالا تھا — جن کے گھر کا میں اک اُجالا تھا
جن کے ہر کام کا مدار تھا میں — جن کی بگڑی کا سازگار تھا میں
دین و دنیا کی ساری مکروہات — جن کی خاطر تھی میرے سر دن رات
ہے کہاں آج وہ مری اولاد — کہ نہیں کرتی بھول کر بھی یاد
جس پہ تھا کل مدار راحت کا — جس کو دعویٰ تھا کل محبت کا
جس کی اُلفت کا دل میں تھا اک داغ — کیا کسی گھر کا بن گئی وہ چراغ
آج وہ زینتِ حرم ہیں کہاں — ہبطِ الفت و کرم ہے کہاں
کون آباد ہے مرے گھر میں — ملک کس کی ہے نقد و زیور میں

کوئی کرتا نہیں ہے یاد مجھے
سب نے چھوڑا ہے نامراد مجھے

ہم ہر اک رہگذر کو تکتے ہیں — فاتحہ کے لئے پھڑکتے ہیں
کہ کوئی بندۂ خدا آجائے — فاتحہ بیکسوں پہ پڑھتا جائے

اے زمیں پہ مچلنے والے دیکھ
کبر و نخوت سے چلنے والے دیکھ

ہم سے عبرت پکڑ لے غفلت کیش — یہی منزل تجھے بھی ہے درپیش
بھیج اس کے لئے کوئی ساماں — جس میں ہونا ہے کل تجھے مہماں
اپنا ساماں اپنے ہاتھ سے باندھ — صبح چلنا ہے تجکو رات سے باندھ
کل نہ بھیجے گا کوئی خویش و عزیز — اپنے ہاتھوں سے بھیج اپنی چیز
چیز یہاں کوئی مفید نہیں — لیک رحمت سے کچھ بعید نہیں
زاد تقویٰ ہے بس یہاں تو ضرور — ظلمت قبر میں یہی ہے نور

اس کو افسانہ و خیال نہ جان
بات حق کہہ رہا ہوں مان نہ مان

وعظ ہے قبر بے نشاں میری — گرچہ خاموش ہے زباں میری

دل کے کانوں سے سن فغاں میری　　درسِ عبرت ہے داستاں میری
جانے والے تو جا کے پھیلا دے
میری آواز سب کو پہنچا دے

ہمارا ماضی و حال!

یاد ایام کہ آباد یہ میخانہ تھا　　بزمِ جمشید ہر اک گوشۂ کاشانہ تھا
قصرِ قیصر تھا ہر اک حجرۂ خیام اپنے لئے　　جامِ جم اپنا سفالیں خم و پیمانہ تھا
بوریا اپنے لئے تختِ سلیمانی تھا
جامۂ فقر میں بھی جلوۂ سلطانی تھا

گردشِ جام تھی یاں گردشِ ایام نہ تھی　　مال و دولت کی سروں میں ہوسِ خام نہ تھی
عام تھے ساقیٔ مہوش کے وہ الطاف و کرم　　صبح سے کم کسی حالت میں مری شام نہ تھی
اب وہ میخانہ وہ میخوار وہ ساقی نہ رہا
رونے والا بھی مرے حال پہ باقی نہ رہا

جس نے ہر رسمِ ضلالت کو مسل ڈالا تھا　　جس نے طاغوت کو پیروں میں کچل ڈالا تھا
جس نے تہذیب سکھائی تھی جہاں والوں کو　　علم و حکمت کے خزانوں کو اگل ڈالا تھا
آج وہ مصلحِ اقوام وہ دیں کا معیار
انقلاباتِ زمانہ کا ہوا خود ہی شکار

چھوڑ کر اپنی روش ہم ہوئے جدت کے شکار　　نقد گم ہو گیا پایا نہیں موہوم اُدھار
نقل غیروں کی اتاری تھی وہ حاصل نہ ہوئی　　نفس کی چال چلے اپنی بھولے رفتار
نہ وہ تقویٰ نہ دیانت نہ وہ وضعِ اسلاف
نہ وہ سیرت نہ وہ صورت نہ وہ پچھلے اوصاف

اب نہ وہ خود ادب داں نہ بزرگ اتنے شفیق　　نہ وہ اخلاص نہ وہ صدق نہ غیبی توفیق
نہ کوئی نظم نہ ناظم نہ امیر و مامور　　جتنے افراد ہیں مجمع کے ہیں لتنے ہی طریق
خانہ خالی ہے بس اب خانہ پُری باقی ہے

یہی اک رسم بھلی یا کہ بری باقی ہے

ہم میں وہ سیرت اسلاف وہ موثر نہ رہی
کفر سے ہم کو وہ نفرت وہ کدورت نہ رہی
ہے ہر اک لغو کی دنیا میں ضرورت ہم کو
مگر افسوس کہ سنّت کی ضرورت نہ رہی

قبلہ ہے حرص و ہوا شاہد مغرب ہے امام
بارِ خاطر نہ ہو کیوں بحثِ حلال اور حرام

ہم سب ہی کچھ تھے مگر جب کہ مسلماں تھے ہم
پیرو دینِ نبی حامل قرآن تھے ہم
ہم میں اخلاق رسل جلوہ نما تھے جب تک
اسوۂ احمد مختار پہ قربان تھے ہم

ایک در چھوڑ کے ہم ہو گئے لاکھوں کے غلام
ہم نے آزادیٔ عرفی کا نہ سوچا انجام

دینِ فطرت پہ خدا حق کے پرستار تھے ہم
سب فضائل کے کمالات کے معیار تھے ہم
نقل کرتی تھیں سب اقوام ہماری ہیئت
فخر عالم تھے کبھی غیرت اغیار تھے ہم

آج افسوس کہ ہر قوم کے پامال ہیں ہم
کبھی ہندو کبھی انگریز کے نقّال ہیں ہم

تھا کبھی ذوق عبادت کا مسلمانوں میں
اور سلیقہ تھا اطاعت کا کچھ انسانوں میں
فکر دنیا ہی فقط قبلہ، مقصود نہ تھا
ذکر حق ساتھ تھا بازاروں میں دکانوں میں

ایک محفل تھی فرشتوں کی جو برخواست ہوئی
اب ہر اک عیب و خطا اپنے لئے راست ہوئی

رشکِ سقراط و فلاطون تھے لقمان تھے ہم
غیرتِ قیصر و کسریٰ تھے سلیمان تھے ہم
بادشاہوں کی حکومت ہے فقط ظاہر پر
جس کی باطن پہ حکومت تھی وہ سلطان تھے ہم

اب ہر اک عیب میں ہر ننگ میں ہر عار ہیں ہم
جو مرض ہی کو دوا سمجھے وہ بیمار ہیں ہم

اپنے ہاتھوں سے ہے واللہ یہ ذلت اپنی
نہ سبب اس کا ہے افلاس نہ قلت اپنی
غلطی ہے کہ کریں غیر و پہ مسلم کو قیاس
کہ نرالی ہے ہمیشہ سے یہ ملت اپنی

اپنی پستی و بلندی کا ہے معیار ہی اور
قوم مسلم کے ہمیشہ سے ہیں اطوار ہی اور

کانگریس میں

(ہندو مسلم اتحاد پر)

مسلمان ہے بس سپاہی خدا کا — جو ہے معتقد ترک ہر ماسوا کا
یہ پروردہ ہے خاص رشد و ہدیٰ کا — وہ ہو کیوں ہم آواز اہل ہویٰ کا
اسے زندہ رہنا ہے نام خدا پر
گذرتا ہے دنیا سے صدق و صفا پر

مسلمان دشمن ہے ظلم و ستم کا — وہ انگریز کا ہو کہ ہندو دھرم کا
اس کے لئے ہے وہ حامل علم کا — تو کیسے بنے دوست اہل صنم کا
تو انگریز و ہندو سے قطع نظر کر
بھروسہ پہ اللہ کے بس سفر کر

ہو ہندو سے اسلام کا بول بالا — عجب فلسفہ یہ کہاں کا نکالا
ترے دل میں یہ وسوسہ کس نے ڈالا — تجھے قوم مسلم خدا کا حوالا
کیا اپنی ہستی کو غیروں میں مدغم
بھلایا کہاں؟ درس قرآن محکم

تجھے سچ سے اور ما ترم سے بھلا کیا — تجھے اے مسلماں کے بیٹے ہوا کیا
نہ کافی ہوا تجھکو نام خدا کیا — سبق پڑھ لیا کافروں سے نیا کیا
ترا کام نکلے گا نام خدا سے
طریق ہدیٰ اسوۂ مصطفےٰ سے

ہراساں ہے کیوں اپنی قلت سے مسلم — کہ بھاری ہے کثرت پہ ملت سے مسلم
نہیں رہتا دنیا میں ذلت سے مسلم — ہے مجبور اپنی جبلت سے مسلم
جو جینا ہو کافر سے مرعوب ہو کر
خدا کی قسم اس سے مرنا ہے بہتر

ومن تنصر اللہ ینصر کو دیکھو　　　تم آثار فاروق و حیدر کو دیکھو
فضائے تبوک اور خیبر کو دیکھو　　　وہ بدر اور فرشتوں کے لشکر کو دیکھو

نہیں کام مسلم کا مغلوب ہونا
نہ قلت میں کثرت سے مرعوب ہونا

کرو یاد ان تنصر اللہ ینصر　　　ڈرو کچھ نہ قلت سے بھولو نہ یہ گر
جو بندہ بنا اس کا بس ہے وہی حر　　　غلام اس کے ہیں سارے عالم کے عنبر

کھڑے اپنے قدموں پہ ہو اب خدارا
نہ تکتے رہو دشمنوں کا سہارا

اٹھو پرچم دین اسلام لیکر　　　کرو کام اللہ کا نام لے کر
طریق شریعت کے احکام لیکر　　　خدا کے پیارے کا پیغام لیکر

مسلمان اسلام پر ہوں منظم
تو جھک جائے ان کیلئے سارا عالم

خدا ان کی کشتی کا پھر ناخدا ہو　　　وہ عقل سلیم ان کو پھر سے عطا ہو
نصیب ان کو فاروق کا دبدبہ ہو　　　عطا ان کو پھر ہیبت مرتضیٰ ہو

مسلماں کو یارب مسلمان کر دے
عطا اس کو پھر صدق سلمان کر دے

عمر رفتہ در ۱۳۷۲ھ

اس قدر ہو گیا ہوں خو گر غم　　　دل میں کوئی خوشی نہیں آتی
گدگدائے کوئی ہزار مگر　　　اب لبوں پہ ہنسی نہیں آتی
تم بدلتے ہو روز قول و قرار　　　مجھکو یہ دل لگی نہیں آتی
جس کی بنیاد صرف مطلب ہو　　　مجھکو وہ دوستی نہیں آتی
لوگ دلدادہ ہیں بہت لیکن　　　تم کو خود دلبری نہیں آتی
عمر رفتہ کی یاد شام و سحر　　　کس جگہ کس گھڑی نہیں آتی

ہو چکی ہے جو غفلتوں میں بسر　　پھر کے وہ زندگی نہیں آتی
عمر رفتہ کا مرثیہ پڑھ لوں
اس سے بڑھ کر خدی نہیں آتی

(لاہور صفر المظفر ۱۳۷۶ھ نومبر ۱۹۵۲ء)

عمر رفتہ در ۱۳۷۶ھ

ہمنشیں مجھ سے میری بات نہ پوچھ　　اب مرے دل کی واردات نہ پوچھ
عہد ماضی کا کچھ گلا سُن لے　　عمر رفتہ کا مرثیہ سُن لے
عمر کے ہو چکے ہیں باسٹھ سال　　اور اپنا وہی ہے تباہ حال
اُف یہ موئے سفید و روئے سیاہ　　الغیاث الغیاث یا اللہ
عمر گذری ہوا پرستی میں　　غفلت و معصیت میں مستی میں
اب خلاصی کی کوئی راہ نہیں　　تیرے در کے سوا پناہ نہیں
اب تو یا رب یہ فضل فرما دے　　گوش شنوا و چشم بینا دے
عہد ماضی میں حال کو دیکھوں　　اس میں اپنے مآل کو دیکھوں
ترک ہر ما سویٰ کا ذوق ہو اب　　ذکر اور فکر ہی کا شوق ہو اب
کام آ جائیں عمر کے لمحات
ہو سکے کچھ تلافیٔ مافات
اے خدا میری التجا سُن لے　　اس سیہ کار کی دُعا سُن لے
ہے رحیم و کریم تیری ذات　　نام ہے تیرا قاضی الحاجات

از محمد عبدالرحمٰن کوکب جے پوری

۲۲- اپریل ۱۹۵۷ء

من بعالم بسے گنہگارم ، نادم و شرمسار و ناچارم
رحمت او ولے نصیب من است ، کہ محمد شفیع می دارم

دیگر

روز عید ۱۳۷۶ھ از کوکب صاحب مذکور

بجز تو ہیچ ندیدم وقیع بر تو سلام ، گذشتی از سر عرش رفیع بر تو سلام
ثواب فطرہ و صوم و صلوٰۃ قربانت ، سلام بر تو محمد شفیع بر تو سلام

نالۂ غم

(مراثی وغیرہ)

مشتملات

١- مرثیۂ والد ماجد مولانا محمد یٰسین صاحب

٢- مرثیۂ مولانا محمد نعیم صاحب مرحوم

٣- سانحۂ جانگداز

٤- مرثیۂ حکیم الامت رح

٥- مرثیۂ حضرت میاں اصغر حسین صاحب رح

٦- مرثیۂ دختر نعیم خاتون مرحومہ

٧- مرثیۂ سید الشہیدین۔

مرثیہ

حضرت مولانا محمد یسین صاحب والد ماجد نور اللہ مرقدہ

یارب یہ کیا فضا ہے یہ کیسا سماں ہے آج
مشغول گریہ صبح سے کیوں آسماں ہے آج

کون اُٹھ رہا ہے آج جہاں سے کہ یک بیک
تیرہ مری نگہ میں زمین و زماں ہے آج

کیوں رو رہا ہے آج ہر اک خورد اور بزرگ
تھمتا کسی طرح نہیں اشک رواں ہے آج

اسلاف کے چمن کی رہی تھی جو یادگار
وا حسرتا وہ پھول بھی وقف خزاں ہے آج

یعقوب اور رفیع و رشید ہمام کا
یہ آخری نشاں بھی لو بے نشاں ہے آج

وہ حضرت رشید کا اک زندہ تذکرہ
وہ کل سلف کی یاد کہاں گلفشاں ہے آج

بالیں پہ آج حضرت یاسین کے کیوں عزیز
یٰسین پڑھ رہے ہیں یہ کیسا سماں ہے آج

وہ والد شفیق وہ استاد مہرباں
وہ مرشد طریق عزیز وہ کہاں ہے آج

یارب کہاں وہ ذکر و مناجات صبح دم
وہ گریہ سحر ہے نہ آہ و فغاں ہے آج

کیوں آج ذکر نیم شبی کی صدا نہیں
کیوں آہ وقت صبح بھی خواب گراں ہے آج

وہ صبحدم نماز کو اُٹھو نماز کو
کہکر جگانے والا الٰہی کہاں ہے آج

کیوں آج پوچھتا نہیں کوئی شفیع کو
کس حال میں ہے کیوں نہیں آیا کہاں ہے آج

کل تک اداس دیکھ نہ سکتے تھے جس کو آپ
وہ وقف رنج و نالۂ و درد و فغاں ہے آج

دنیا بھی اک تماشۂ عبرت ہے غافلو!
باقی نہ کل رہے گا جو دور زماں ہے آج

اس گھر کا تجھ سے پہلے کوئی اور تھا مکیں
گہوارہ عشرتوں کا جو تیرا مکاں ہے آج

جاتا ہے سب کو ایک ہی منزل پہ ایک دن
ہاں اتنی بات ہے کہ فلاں کل فلاں ہے آج

عالم میں جن کی شان جلالت کی دھوم تھی
وہ قصر قیصری ہے نہ تخت کیاں ہے آج

اُجڑے ہوئے دیار میں اور مقبروں میں بھی
ان کا مٹا ہوا سا کہیں کچھ نشاں ہے آج

دہلی و آگرہ کے وہ ایوان اور محل
بس حسرتوں کی درد بھری داستاں ہے آج

دربار عام و خاص ہے پامال خاص و عام
وہ شوکت و جلال وہ حشمت کہاں ہے آج

گل گو بجتے تھے جن کی صدائیں سرِ آسماں
وہ قصرِ خاص دیکھ کہ ہو کا مکاں ہے آج

بیدار مر کے ہوتے ہیں سچ ہے کسی کا قول
اور زندگی مرادف خواب گراں ہے آج

آنکھیں کھلی ہوئی تھیں تو حاجب تھے سیکڑوں
جب آنکھ بند کی تو عیاں ہر نہاں ہے آج

کھو آج تو نہ بہر خدا کل کی فکر میں
غافل سمجھ لے اب بھی کہ تیرا جہاں ہے آج

مرثیہ

بر وفات حسرت آیات مولانا محمد نعیم صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ

(جنکا عالم نزع میں شیطان سے مباحثہ ہوا)

کون اٹھتا ہے آج عالم سے
پارہ پارہ ہے کیوں جگر غم سے

خون روتا ہے کیوں افق سرِ شام
سینہ شق ہے یہ کس کے ماتم سے

حادثہ یہ کوئی عظیم نہ ہو
یہ کہیں رحلت نعیم نہ ہو

آہ وہ عاشق کلام اللہ
عالم و فاضل و ولی اللہ

دیکھ کس شان سے ہوا رخصت
بر زبان لا الٰہ الا اللہ

وہ محمد نعیم خوش انجام
ہے نعیم مقیم جس کا مقام

اس کا پہلا سبق تھا نام حق
ورد تھا ہر گھڑی کلام حق

پس دم واپسیں بفضل حق
صاف پہونچا اسے سلام حق

درس عبرت تھی اک حیات نعیم
قابلِ رشک ہے وفات نعیم

تھا جو ہر وقت وردِ قرآنی
اور شیطاں سے بغض پنہانی

آخری وقت بھی ہوا غالب
حزبِ شیطا نپہ مردِ حقانی

حزب شیطان تھا جو کام اسکا
کام اسی پر ہوا تمام اس کا

جس کی امداد پر ہو خود حنّان
کیا بگاڑے گا اس کا شیطان

ہے اسی کی مدد سے بیڑا پار
ورنہ کیا چیز ہے ضعیف انساں

دل کے کانوں سے سن غفلت کیش
یہی منزل تجھے بھی ہے در پیش

اک کتاب عبر یہ عالم ہے — سبق آموز ابن آدم ہے
کہیں جشن و طرب کے ہنگامے — کہیں بزم عزیٰ و ماتم ہے
ہر تغیر سے غیب کی آواز — ہر تجدد میں ہیں ہزاروں راز

عبرتوں کے سبق ہیں لیل و نہار — اور شام و پگاہ کی تکرار
کہیں تاراج کن ہے فصل خزاں — کہیں رعنائیوں پہ فصل بہار
ہر تغیر یہ عین حکمت ہے — اس میں مستور دست قدرت ہے

کل جہاں جشن تھا تماشا تھا — شور رقص و سرود برپا تھا
آج ملتا نہیں نشان اتنا — کون تھا کس جگہ تھا اور کیا تھا
ذرے ذرے میں ہے جہاں کے عیاں — آیت کل من علیہا فان

کوئی حاکم ہے اور کوئی محکوم — کوئی ظالم ہے اور کوئی مظلوم
مال و دولت میں ہے کوئی مخمور — کوئی نان جویں سے بھی محروم
کوئی آقا ہے اور کوئی مزدور — کوئی گمنام اور کوئی مشہور

کہیں زینت میں مست ہے دولہن — کہیں میت کا سل رہا ہے کفن
ہے کہیں محفل سرود و طرب — کہیں مصروف غم ہیں مرد و زن
یہ تغیر یہ سارے شادی و غم — زلف محبوب کے ہیں پیچ و خم

ہے کوئی تخت کے بنانے میں — کوئی تختہ پہ ہے نہانے میں
کوئی لہو و طرب میں ہے مخمور — کوئی رونے میں اور رلانے میں
تجھ کو معلوم ہے یہ سب کیا ہیں — ان میں مخفی پیام رب کیا ہیں

کچھ خبر ہے یہ صبح و شام ہیں کیا — ان میں تیرے لئے پیام ہیں کیا
غور سے سن کہ عمر کے ایام — بے کلامی میں خوش کلام ہیں کیا
ہر گھڑی کہہ رہی ہے بے تاویل — اٹھ کہ اب بج چکا ہے کوس رحیل

سو رہا ہے تو کیا وقت پگاہ — قافلہ چل دیا ہے، حال تباہ
اے مسافر یہ وقت خواب نہیں — پڑھ کے اٹھ لا الٰہ الا اللہ
تیری پونجی ہے برف کی تمثال — بہہ رہی ہے جو ہر نفس ہر حال

فکر ماضی میں کھو نہ فرصت حال — وقت ہے اب بھی سوچ اپنا مآل

ہے ابھی قدرتِ عمل باقی — اور قبضہ میں اس کا استعمال
ان سے حاصل رضائے حق کر لے — بہرِ حق یاد یہ سبق کر لے
اے خدا ہم کو چشمِ عبرت دے — اور ہر ماسوا سے نفرت دے
اب تو اپنی ہی بس محبت دے — آخرت کے لئے بصیرت دے
دلِ صد پارہ تیری منزل ہو — اب تو حاصل رضائے کامل ہو
شغل دے اب فقط عبادت کا — ذوق ایماں کی حلاوت کا
فکرِ دنیا سے اب نجات ملے — شوق ہو بس تری اطاعت کا
تو ہی توفیق دے دعا کی بھی — اور تکمیل مدعا کی بھی
سیدھے رستہ پہ بس چلا ہم کو — کیدِ شیطان سے بچا ہم کو
زندگی ہو تو بس عبادت میں — ساتھ ایماں کے پھر اٹھا ہمکو

جب[1] دم واپسیں ہو یا اللہ
لب پہ ہو لا الٰہ الا اللہ

سانحۂ جاں گداز

ہمشیرۂ خورد لبیقہ خاتون مرحومہ کے انتقال پر کہے گئے

یہ کون آج بزم سے اپنی نکل گیا — اٹھتے ہی جس کے بزم کا نقشہ بدل گیا
اک صدمۂ عظیم ہے جانِ ضعیف پر — یا رب مدد کہ غم سے ہر اک دل دہل گیا
چھوٹی بہن تھی سارے بڑوں کا تھی مشغلہ — چھوٹا بڑوں سے دیکھئے آگے نکل گیا
ہاتھوں میں جس کو آج تلک پالتے تھے ہم — وہ جسمِ ناز خاک کے تودے میں ڈھل گیا
جو آفتاب آہ ابھی تک چڑھا نہ تھا — یا رب یہ کیا ہوا کہ دمِ صبح ڈھل گیا
وہ والدہ کے دیدۂ پُرنم کی روشنی — ہر غم میں جس سے ان کا بھرا دل بہل گیا
آج اس کے غم میں ان کی تسلی کہاں سے ہو — اس رنج و غم سے اور کلیجہ پگھل گیا

---

[1] یہ شعر کسی قدیم بزرگ کا ہے مناسب سمجھکر اس میں تضمین کی گئی ۱۲ منہ

پھر غمِ زدہ بشیر کی آہ و فغاں پوچھ　　جس کا چمن خزاں کے حوادث میں جل گیا
دنیا تو اک سرائے مسافر ہے دوستو　　آیا جو آج اس میں سمجھ لو کہ کل گیا

ظالم ابھی ہے فرصتِ توبہ نہ دیر کر
وہ بھی گرا نہیں جو گرا پھر سنبھل گیا

مرثیہ

حکیم الامت حضرت تھانوی قدس اللہ سرہٗ

وہ حکیم امت خیر الوریٰ قطبِ ہدیٰ　　وہ دوا امت کے ہر بیمار کی ناشاد کی
صدق صدیقی تھا جس میں حزم فاروقی کیا تھا　　اک درخشاں یادگار اسلاف اور اجداد کی
مشعلِ راہِ ہدیٰ نورِ محمد کی ضیا　　آہ وہ زندہ نشانی حضرت امداد کی
حضرت اشرف علی تھانوی روحی فداہ　　جن سے قائم تھیں ہزاروں سندیں ارشاد کی
ہیں سبھی اہل کمال و اہل دل مصروف کار　　دیکھ لو خالی پڑی ہے ہر جگہ استاد کی
کیوں نہ ہوں چشم فلک سے خون کے آنسو رواں　　کیوں نہ ہو روئے زمیں صف ماتم و فریاد کی
خستہ حالوں کے لئے اب ہے نہیں جائے پناہ　　آسماں تانبے کا ہے آج اور زمیں فولاد کی
وائے ناکامی کہ ہم جیسے تباہ و خستہ دل　　اور چھائی ہیں گھٹائیں ہر طرف الحاد کی
ناخدا گم کردہ ہے کشتی امت اے کریم　　ہے زبوں حالت ہمارے مجمعِ افراد کی

المدد بہر حبیب خود الٰہی المدد
امت مرحوم پھر محتاج ہے امداد کی

مرثیہ

حضرت میاں صاحب اصغر حسین رحمۃ اللہ علیہ

کیا اٹھا چاہتی ہے بزمِ کرم
کیا مٹا چاہتا ہے اب عالم

کیا سمٹنے کو ہے بساطِ زمیں
پھٹنے والا ہے گنبدِ نیلم

کیا سنبھالے سے لے رہا ہے فلک
کیا جہاں توڑنے کو ہے اب دم

کیوں مصائب اُگل رہی ہے زمیں
آسماں سے برستے ہیں کیوں غم

مدرسوں میں ہیں روز کیوں بھونچال
خانقاہوں میں روز کیوں ماتم

اہل دل روز اضطراب میں کیوں
دل شکستہ ہیں کیوں یہ اہلِ ہمم

مدرسے کس کے سوگ میں ہیں روز
کس کو روتی ہیں مسجدیں پیہم

کس کے غم میں ہیں آج صدق و صفا
کس کو روتے ہیں آج علم و حکم

کس کے غم میں شفق ہے خون آلود
کس کو روتی ہے صبحدم شبنم

اٹھتے جاتے ہیں سارے مقبولین
ایک کے بعد اک قدم بقدم

ہر نئی صبح ہر نئی شب آہ
لیکے آتی ہے اک نیا ماتم

الغیاث الغیاث یا اللہ
ارحم الراحمین ما ارحم

سبقت رحمتی علی غضبی
تیرا فرمان ہے یہ مستحکم

اب غموں کی نہیں رہی برداشت
جان و دل ہو چکے ہیں اب بیدم

داغ دل تازہ تھے ہرے تھے غم
کہ گئے ہم سے اشرفِ عالم

آج سنتے ہیں چل بسے افسوس
سید اصغر حسین سوئے عدم

محفل شب کی رہ گئی تھی جو شمع
وہ بھی دست قضا سے ہے بدہم

آلِ ہاشم کے گوہر یکتا
ملجأ خلق مرجع عالم

اہل علم اہل جود اہل تقےٰ
اہل دل اہل حلم اہل کرم

جن کا درس حدیث شہرۂ خلق
جن کے انفاس پاک وعظ و حکم

جن کے دیکھے سے یاد آئے خدا
جن کی صحبت سے دین ہو محکم

جن کے جود و سخا سے زلّہ ربا
ہر غریب و امیر بیش و کم

آیت حق نما رُخِ انور
رایت حق و قد و قامت اعظم

با ہمہ بے ہمہ کی ایک مثال
ایں و آں کے خیال سے بے غم

ذات تھی جس کی وقفِ خدمتِ خلق
عام تھے جس کے رب یہ لطف و کرم

یادگارِ سلف تھی آپ کی ذات
ان کی سنت تھی آپ سے قائم

آج رحلت ہے سب بزرگوں کی
ختم ہے آج بزمِ اہلِ کرم

آج رخصت ہیں حضرت محمود
آج جاتے ہیں اشرفِ عالم

حضرت احمد و عزیز و حبیب
آور عصر سب کا ہے ماتم

خاتمہ ہے یہ سب بزرگوں کا
سب کے غم اس میں کیوں نہ ہوں مدغم

کیوں نہ ہو آج جان صد پارہ
اور خونبار دیدۂ پُرنم

سب کے دردوں کے آپ تھے درماں
سب کے زخموں کے آپ تھے مرہم

اب کہاں جا کے روئیں غم دیدہ
اب کہاں جائیں خستگانِ الم

آبلے دل کے اب کسے دکھلائیں
حال دل کس کو اب سنائیں ہم

چل بسے جن سے تھی دلوں کی حیات
اُٹھ گئے جن سے دین تھا محکم

سالِ رحلت بھی خوب ہاتف نے
اک اشارے میں کہہ دیا یکدم

فنازِ اصغر ہیں دیکھ لو تاریخ
تم اگر آہ آہ کر دو کم

۱۳۶۴ - ۱۴ - ۱۳ - ۱۴

تاریخ دیگر

آسماں سے اترتے ہیں اسمار
اس میں ہوتے ہیں کچھ رموز و حکم

سید اصغر کہ نام نامی ہے
سال رحلت بھی ہے مگر اک کم

۱۳۶۵

راحت و کلفت اور سرور و غم
جب سے دنیا ہے دونوں ہیں توام

ہر حلاوت ہے اس کی زہر آلود
مہر میں اس کے قہر ہے منضم

مہر کی جس پہ کل ہوئی تھی نظر
آج ہوتی ہے اس پہ مشقِ ستم

بھیک بھی اب اسے نہیں ملتی
جس کو پالا تھا کل بناز و نعم

آج ان کو کفن نہیں جڑتا
جن کے لہرا رہے تھے کل پرچم

ٹھوکریں کھا رہے ہیں آج وہ سر — کل جو تھے مالکان تاج و علم
اب سکندر کہیں نہ دارا ہے — زال باقی کہیں نہ اب رستم
تاج کیخسرو قباد کہاں — جم کہاں اور کہاں وہ جام جم
نہ کہیں قصر قیصری کا نشاں — نہ وہ دربار کسروی کا حشم
خاک میں مل گئے وہ سب فرعون — بے نشاں ہو گئے سب اہل ہرم
درس عبرت ہیں آگرہ کے محل — اور دہلی ہے ساری قصۂ غم
حسرتوں کے مرقعات ہیں آج — سب حصون عرب قصور عجم
اکبر و شاہجہان و عالمگیر — اور جہانگیر و تغلق اعظم
جانے کس غار میں چھپے جا کر — محو حیرت ہے اس میں اک عالم
کوستا ہے کوئی زمانے کو — کوئی کہتا ہے آسماں کے ستم
حق تعالیٰ اگر بصیرت دیں — تو حقیقت نہیں کچھ مبہم

ذرہ ذرہ جہاں کا پڑھتا ہے
ما خلا اللہِ باطلٌ فافہم

مرثیہ

دختر نیک اختر نعیمہ خاتون غفر اللہ لہا

(تاریخ وفات ۲۰ شعبان ۱۳۷۵ھ)

آج رخصت ہے بزم سے ہیہات — لخت دل نور چشم، روح حیات
اے نعیمہ تجھے خدا بخشے — نیک دل، نیک ذات، نیک صفات
تیری خاطر خوشی سے تھے برداشت — ہمکو دنیا کے سارے مکروہات
کچھ تجھے بھی خبر ہے جان پدر — کیا گذرتی ہے ہم پہ اب دن رات
اپنی اس نادر ضعیف کو دیکھ — جس کے آنسو ہیں دائمی برسات
وہ شمیم و حسین اور بی بی — وقف غم ہیں یہ تیری معصومات
جن کو پلکوں کی چھاؤں میں پالا — جس پہ مصروف تھے ترے دن رات
آہ آج ان کی شام تنہائی — ہے بھیانک بحیرۂ ظلمات

رات بھر ڈھونڈتا ہے تجکو سعید — خوں رُلاتی ہے اس کی اک اک بات
دیدنی ہے مشرّف غمگیں — اور وسیم و سلیم کے حالات
سینہ صد چاک ہے شریفؔ حسن — جل گیا جس کا آج باغِ حیات
کچھ تجھے بھی خبر ہے تیرے بعد — کیا گذرتے ہیں انپہ اب صدمات
مرگ ماں باپ ہے یہ تیری موت — موت ہے ہر خوشی کی تیری وفات

دار احزان ہے یہ دنیا سب
اس میں ممکن نہیں غموں سے نجات

حیّ و قیّوم ہے فقط وہ ذات — جس سے قائم ہیں ساری موجودات
جس کے قبضہ میں ہیں زمین و زمان — جس نے پیدا کئے ہیں دن اور رات
وہی باقی ہے اور سب فانی — ہے اس کو فقط بقا و ثبات
عین حکمت سے بزم ہستی میں — اس نے تخلیق کی حیات و ممات
موت افراد کی جو رسم نہ ہو — زہر ہو جائے سب کو آبِ حیات
تنگ ہو جائے عرصۂ دُنیا — بھول بیٹھیں سب آخرت کی بات
یوں بنلئے حکیم مُطلق نے — دفترِ محو و دفترِ اثبات
انقلابات اس کی زینت ہیں — کل کے ثمرات آج کی آفات
ہے فنا و بقا پہ اس کا مدار — اور عروج و نزول اس کی صفات
اس میں باقی نہ کوئی شاہنشاہ — اور نہ موجود سیّد الشادات
جو ترے گرد و پیش ہے اس میں — اہل و اولاد و مال کی بُہتات
سب امانت ہیں تیری ملک ہیں — انپہ دل دے نہیں یہ عقل کی بات
عبرتوں کے سبق ہیں ان میں نہاں — انّ فی ذٰلک لآیات
وقت رحلت قریب ہے غافل — رگن غنیمت یہ عمر کے لمحات
درِ توبہ کھلا ہے غفلت کیش — اب بھی کرلے تلافیٔ مافات

یاد رکھ قول سرورِ عالمؐ
اکثروا ذکر ھاذم اللذّات

مرثیہ سیّدین شہیدین

سید محتشم و سید محمد محترم جو کراچی سے بذریعہ ہوائی جہاز دہلی پہنچکر دہلی اور دیوبند کے راستہ میں کفار فجار کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ شب چہارشنبہ ۱۶ شوال ۱۳۶۶ھ مطابق ۲ ستمبر ۱۹۴۷ء قریب اسٹیشن گجرولہ۔ ضلع مرادآباد اور وہیں دفن ہوئے۔ یہ دونوں محترم ہستیاں قصبہ دیوبند کے ان رؤسا میں سے تھیں جن پر اس قصبہ کو بجا طور پر ناز تھا۔ بڑے رئیس و زمیندار ہونے کے باوجود نہایت متواضع اور غربار کے ساتھ رلے ملے رہنے کے عادی شرافت کے مجسمے تھے ۱۹۴۷ء کے ہنگامہ قتل و غارتگری میں ہندو درندوں کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔

کسے تھاموں کہ ٹکڑے ہو گئے قلب و جگر دونوں ۔۔۔ بجائے اشک خوں برسا رہی ہیں چشم تر دونوں

الٰہی کیا قیامت ہے قیامت کیوں نہیں آتی ۔۔۔ گہن میں تو بیک وقت آگئے شمس و قمر دونوں

وہ فخر قوم سید محتشم اور محترم دیکھو ۔۔۔ ہوئے کس بیکسی میں قتل ذی جاہ و اثر دونوں

وہ دو خلق و مروت اور حیا کی زندہ تصویریں ۔۔۔ ہر ایک حلم مجسم پیکر فضل و ہنر دونوں

مسلمانوں کا شیرازہ تھا جن سے منتظم محکم ۔۔۔ پناہ بیکس و بے بس کریم و مقتدر دونوں

مسلح کچھ درندے شکل انسانی میں آپہونچے ۔۔۔ نہتے دو مسافر وہ بھی بیکس بے خبر دونوں

کمالِ الفت و وحدت جو دونوں بھائیوں میں تھی ۔۔۔ تو راہِ آخرت میں بھی ہوئے وہ ہمسفر دونوں

کراچی سے تو دہلی تک ہواہیں اڑ کے آپہونچے ۔۔۔ مگر حکم قضا آنے نہ پائے اپنے گھر دونوں

جہاں کی خاک تھی آخر پہنچنا تھا وہیں ورنہ ۔۔۔ کہاں وہ خاک گجرولہ کہاں یہ شیر نر دونوں

خدا کے ہاتھ میں ہیں قوتیں سارے عناصر کی ۔۔۔ اسی کے قبضۂ قدرت کے اندر بحر و بر دونوں

بلا اذن و مشیت ایک ذرہ ہل نہیں سکتا ۔۔۔ مسخر ہیں زمین و آسماں جن و بشر دونوں

مقدر تھی شہادت کی سعادت روز اول سے ۔۔۔ قضا سے ہو گئے ناکام تدبیر و حذر دونوں

ہزاروں رحمتیں ان دشت غربت کے شہیدوں پر ۔۔۔ کہ گذرے ہیں جہاں سے بے کس و بے بال و پر دونوں

الٰہی احتشام[1] اور آصف اب تیری امانت ہیں ۔۔۔ پدر کے اپنے سچے جانشیں ہوں یہ پسر دونوں

پھلیں پھولیں بڑھیں اور مرتبے پائیں
یہ خلفِ محتشم نخل تمنا کے ثمر دونوں

[1] پسران سید محتشم ۱۲

۴-مئی ۱۹۵۵ء درراہ لائل پور

کس قدر تھا لذیذ خواب عدم — پُرسکون تھا جہاں بے خبری
رنج و راحت کی فکر تھی کس کو — کس کو سود و زیاں کی دردسری
آہ کس کشمکش میں ڈال دیا — تو نے اے ذوق علم و دیدہ وری
جیب و داماں ہیں تار تار کبھی — اور کبھی ساز گار بخیہ گری

۲۵-اپریل ۱۹۵۵ء درسفر لاہور

راز ہستی جو پا گیا ہوں میں — سارے عالم میں چھا گیا ہوں میں
حکما جس کا راز پا نہ سکے — اس حقیقت کی ابتدا ہوں میں
مری ہستی کو سرسری مت جان — ڈور اُلجھی ہے اور سرا ہوں میں
آئینہ ہوں جمالِ مطلق کا — ایک جامِ جہاں نما ہوں میں

حکمۃ الاشعار

قدیم و جدید شعراء کے کلام سے انتخاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ انتخاب علم و حکمت۔ وعظ و نصیحت یا بلاغت کے اعتبار سے کیا گیا ہے بہت سے اشعار ضرب المثل کے انداز کے ہیں

حضرت سیدی حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ نے ایک ایسا ہی انتخاب فرما کر اشعار الحکمۃ کے نام سے شائع فرمایا تھا۔ اس لئے اس کا نام مقلوب کر کے حکمۃ الاشعار رکھا گیا۔

بزبانِ فارسی

خدا گواہ کہ گر جرم ما ہمیں عشق است
گناہ گبر و مسلماں بجرم ما بخشند

جوہر طینت آدم ز خمیر دگر ست
تو توقع زگل کوزہ گراں می داری

تا کے ملامت نگہ اشکبار من
یکبار ہم نصیحت چشم سیاہ خویش

دانم کہ شفیق اند طبیبان ہمگی لیک
مرہم کہ نہ محبوب نہد دشمن ریش است

تا بغایت ما ہنر پنداشتیم
خزینہ داری میراث خوارگان کفر است

بقول مطرب و ساقی بفتوی دف و نے
من کہ امروزم بہشت نقد حاصل میشود

کمند کوتہ و بازوے سست و بام بلند
بمن حوالہ دلو میدیم گنہ گیرند

نالہ از بہر اسیری نکند مرغ اسیر
خورد افسوس زمانے کہ گرفتار نبود

یارب ز سیل حادثہ طوفان رسیدہ باد
بتخانۂ کہ خانقہش نام کردہ اند

ای ہمنفسان آتشم از من بگریزید
آنکس کہ شود ہمرہ من دشمن خویش است

عاشقی ہم ننگ و عارے بودہ است
از چشم خود بپرس کہ ما را کہ می کشد

جاناں گناہ طالع و جرم ستارہ نیست
وعدۂ فردائی زاہد را چرا باور کنم

من ارچہ عاشقم و رند و مست و نامہ سیاہ
ہزار شکر کہ یاران شہر بے گنہند
یارب این کعبۂ مقصود تماشاگہ کیست
کہ مغیلان طریقش گل و نسرین
رہرو مرض کہ بنالد کسے شراب دہید
دوا یکیست بدارالشفا رمیکدہ ہا
ما را ہوائے گلشن و باغے نماندہ است
اے بوئے گل برو کہ دماغے نماندہ است
فراق دوست اگر اندک است اندک نیست
درون دیدہ اگر نیم موست بسیار است
بانگ حدی یک جانب آواز درآئی (جامی)
از گران جانی بود آنرا کہ ماند دل بجائے
نجدی گویم و زان قصدم زمین یثرب است
کآفتاب جود و خورشید کرم را مغرب است

مدعی گو برو و نکتہ بحافظ مفروش
کلک ما نیز زبانے و بیانے دارد
مرشدا کہ عارف و زاہد کسے نگفت
در حیرتم کہ بادہ فروش از کجا شنید
دل بسے خون بکف آورد و لے دیدہ بریخت
اللہ اللہ کہ تلف کرد کہ اندوختہ بود
دیوانگی و مستی از بوئے تو خیزد
ہر فتنہ کہ مے خیزد از کوئے تو خیزد
چگونہ سر ز خجالت برآورم بر دوست
کہ خدمتے بسزا برنیامد از دستم
بسر حقیقت کشد شعر جامی
فبہا خیر قول و یا شر قائل
جامی کہ بہ تحصیل فنون عمر بسر برد
بے حاشیۂ شوق تو نگذاشت کتابے

مولانا جامیؒ

مکن درگریہ ہر دم عیب چشمم | کہ این گوہر فشانی زان لب آموخت
درصورت تو سر جمالے کہ مجمل است | درخط و خال و عارض و زلفت مفصل است

چشم بروئے شاہد و گوشم ببانگ چنگ
اے پند گو ہر دو کہ نہ جائے نصیحت است
زاہد بجلد مائل و عاشق بکوئے دوست
بلبل بباغ و جغد بویرانہ میرود
جامی بامید سر زلف تو
گفتمش ایاک و طول الامل
خوبان ہزار و از ہمہ مقصود من یکے است
صد پارہ گر کنند بہ تیغم سخن یکے است

بہ تیغ غمزہ اگر چاک میکنی جگرم
چہ غم چو ناوک مژگان تو جگر دوز است
جامی از آں لب سخن آغاز کرد
شد لقبش جامی شیرین مقال
دل جامی بفکر نرگس تست
کل رار من العلیل علیل
خواہیم بہر قدمش تحفۂ دیگر
لیکن مقصریم کہ جان در میان یکے است

خوش مجمعے ست انجمن دلبران ولے
ما ہے کز واست رونق آن انجمن یکے است

عیادت میکنی بیمار خود را
مرا این آرزو بیمار کردہ است

از مدرسہ بکعبہ روم یا بمیکدہ
اے پیر رہ بگو کہ طریق صواب چیست

من کیم در بزم تو لیکن ز دور
دیدن آن انجمنم آرزو ست

نگہت گل را چہ کنم اے نسیم
بوئے آزاں پیرہنم آرزو ست

اے خواجہ چند نقل کرامات شیخ شہر
نقدے ز وقت خویش بیار این فسانہ چیست

اے صبا اشبنم مدد فرما
کہ سحر گہ شگفتنم ہوس است
از برائے شرف بنوک مژہ
خاک راہ تو رفتنم ہوس است

دریں زمان رفیقی کہ خالی از خلل است
صراحی مئے ناب و سفینۂ غزل است
جریدہ او کہ گذرگاہ عافیت تنگ ست
بیا دگیر کہ عمر عزیز بے بدل است
نہ من ز بے عملی در جہاں ملولم و بس
علما ہم ز علم بے عمل ست
بگیر طرہ مہ طلعتی و قصہ مخوان
کہ سعد و نحس ز تاثیر زہرہ داخل است

مقام امن و مئے بیغش و رفیق شفیق
گرت مدام میسر شود زہے توفیق
جہان و کار جہاں جملہ ہیچ در ہیچ
ہزار بار من این نکتہ کردہ ام تصدیق
بہ امنی رود فرصت شمر غنیمت وقت
کہ در کمینگہ عمر ند قاطعان طریق
بیا کہ توبہ ز لعل نگار و خندہ جام
تصور یست کہ عقلش نمی کند تصدیق

اغیار بدل طعنہ زن و دل بتو مشغول
خلقے پس دیوانہ و دیوانہ بکارے

(نواب شیفتہ خاں رح)

یادی شیرازی

درد دل من نهفتنی نیست ‏ ‏ وین درد دگر که گفتنی نیست
بگذشت بهار و وا نشد دل ‏ ‏ این غنچه مگر شگفتنی نیست
نیستم گل چیں بروم در منزلے باغبان ‏ ‏ می نشینم گوشہ کا واز بلبل بشنوم
دوا یکے است بدار الشفائے میکدہا ‏ ‏ زہر مرض کہ بنالد کسے شراب دہند
بہ از دل در متاع آفرینش نیست کالائے ‏ ‏ چرا عاقل دل از اسباب دنیا برنمی دارد
پروانہ بے ملاحظہ در عشق کار ساخت ‏ ‏ من صرف ہمنشیں مجیب گوش کردہ ام
درحقیقت عینکے بہتر ز بست چشم نیست ‏ ‏ دیدہ چوں بستی دو عالم را تماشا میکنی
از عالم عاری ز عمل راہنمائی ‏ ‏ چوں قبلہ نما ساختن اہل فرنگ ست
چہ خوش ست از دو یکدل سر حرف باز کردن ‏ ‏ سخن گذشتہ گفتن گلہ را دراز کردن
امروز اگر پرسش من کن بتکلف ‏ ‏ کیں خستہ اگر دیر رسید شام بمیرد
عاشقان نامے بہیچ. و ناتوانی داشتند ‏ ‏ کوہکن آخر بزور ایں قوم را بدنام کرد

خریطہ جواہر حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ

علاج سرکشی او تغافل است دریغ ‏ ‏ کہ در طبیعت عشق ایں دوا ضرر دارد
آں کہ شام زندگانی شمع بالینم نشد ‏ ‏ کے پس از مرگم چراغے برسر گور آورد
کدام ماہ جبیں دوش مجلس آرا بود ‏ ‏ کہ شمع از در فانوس در تماشا بود
با فرشد چشم دلم از ہستی مقدور خویش ‏ ‏ عالمے را دیدم از افتادن دیوار خویش
ہر نگاہش بمن سوختہ در روز وصال ‏ ‏ در شب ہجر بلا نیست کہ من میدانم
خوش آں ساعت کہ پنہانی برے دیدار دیدم ‏ ‏ چہ میگر دنظر سویم سوئے اغیار میدیدم
چگونہ شوم شاد از وعدۂ تو ‏ ‏ کہ من طالع خویش را می شناسم
نہ با صحرا سر دارم نہ با گلزار سودائے ‏ ‏ بہر جا می رسم از جوش می بالا تماشائے
من بیدل حریف سعی بیجا نیستم زاہد ‏ ‏ تو از قطع منازلہا من زیک لغزش بجائے

نمی بالم ز ساماں نمی نالم ز حرماں
دل وارستہ میدارم دگر یانہ خندانے

بعضے بہ تمنائی زر و مال خوش اند | بعضے بہ تماشائی خط و خال خوشند
بیدل ہمہ را بہ چشم بدی نگرد | خوش حال کسانیکہ بہر حال خوشند

جان پدر تو گریۂ طفلان ندیدۂ | وقت صباح سفرۂ بے نان ندیدۂ
درخانہ گم نشستہ کہ از بیم قرضخواہ | ناگاہ از در آمدہ امان ندیدۂ
گر دور ما کسے بدی گفت | زین غم دل خود چرا خراشیم
من در حق او نکو بگوئیم | تا ہر دو دروغ گفتہ باشیم

غم جہاں مخور و پند من مبر از یاد | سلیم از دست بیداد کہ نالیم
کہ این لطیفہ نغزم ز رہروے یاد ست | یکمشت ما گذار لشکر افتاد

ابنائے زمانہ در پئے ہر شور و شر اند | انباشتہ نفاق و علین ضرر اند
مانند قطار شتر این فرقہ دون | با یکدیگر اند و در پئے یکدگر اند

من نخواہم کرد ترک لعل و یار و جام مے (جامی) زاہدان معذور داریدم کہ این ہم مذہب است

منتخبات از کلام شعراء

مخلوق ہمہ طعنہ زن و من بتو مشغول | خلقے پس دیوانہ و دیوانہ بکارے

تو اے افسردہ دل زاہد یکے در بزم رندان شو دغا شنتہ کہ بینی خندہ بر لبہا و آتش پارہ در دلہا

اے کاش ہمدمے کہ رسانید نامہات (فیضی) گوید ہمہ حقیقت حرف ستردہ را
چوں بگذری ز تربت من درد دیدہ کش | خاکے ز آستان محبت سپردہ را

حافظ

غیرت عشق زبان ہمہ خاصان ببرید | از کجا سر غمش در دہن عام افتاد
ہر دمش با من دلسوختہ لطف دگر است | این گدا بین کہ چہ شایستہ انعام افتاد
پاک بین از نظر پاک بمقصود رسید | احول از چشم دو بین در طمع خام افتاد
زیر شمشیر غمش رقص کنان باید رفت | کانکہ شد کشتۂ او نیک سرانجام افتاد

در خم زلف تو آویخت دل از چاه زنخ | آه کز چاه برون آمد و در دام افتاد

آن شد اے خواجہ کہ در صومعہ باز م بینی | کار ما با رخ ساقی و لب جام افتاد

من ز مسجد بخرابات نہ خود افتادم | اینم از روز ازل حاصل فرجام افتاد

صوفیان جملہ حریفند و نظرباز ولے | زین میان حافظ دل سوختہ بدنام افتاد

زانکہ کہ ترا بر من مسکین نظر است | آثارم از آفتاب مشہور تر ست

گر خود ہمہ عیبہا درین بندہ درست | ہر عیب کہ سلطان بپسندد ہنر ست

تا یکسر موئے از تو ہستی باقی ست | اندیشہ کار بت پرستی باقی ست

گفتی بت پندار شکستم رستم | آن بت کہ ز پندار برستی باقی ست

پیوند عمر بستہ بموئیست ہوش دار | غمخوار خویش باش غم روزگار چیست

خود رفتہ ایم در کنج مزارے گرفتہ ایم | ندانم آن گل رعنا چہ رنگ و بو دارد

تا بار دوش کس نشود استخوان ما | کہ مرغ ہر چمنے گفتگوئے او دارد

عاقل خان میر عسکر عالمگیر

عشق چہ آسان نمود. آہ چہ دشوار بود | نیروی عشق بین کہ درین دشت بیکران

ہجر چہ دشوار بود یار چہ آسان گرفت | پے نرفتہ ایم و بپایان رسیدہ ایم

دل ز دین سرچشمہ ہر قوت ست | دین ہمہ از معجزات صحبت است

دین و بو اندر کتب اے بے خبر | علم و حکمت در کتب دین در نظر

زمانہ کہنہ بتان را ہزار بار آراست | وقتے ست کہ بکشائیم میخانہ رومی را

من از حرم نگذشتم کہ پختہ بنیاد ست | پیران حرم دیدم در صحن کلیساست

مرد میدان زندہ از اللہ ہوست | زیر پائے او جہان چار سوست

بندۂ کو دل بغیر اللہ نہ بست | می توان سنگ از زجاج او شکست

(حافظ)

چہ فرصتہا کہ گم کردم درین راہ | ز بخت خوابناک غافل خویش

معاشران ز حریف شبانہ یاد آرید | حقوق بندگی مخلصانہ یاد آرید

نمی خرید زمانے غم وفاداران | ز بیوفائی دور زمانہ یاد آرید

بوقت رحمت اے ساکنان صدر جلال
زروے حافظ وآں آستانہ یاد آرید

نزاع بر سر دنیائے دون کسے نکند
باآشتی ببر اے نور دیدہ گوئی فلاح

پیوند عمر بستہ بموئی ست ہوشیار
غمخوار خویش باش غم روزگار چیست

سرشکم در طلب درہا فشانید
مگو دیگر کہ حافظ نکتہ دانست

ولے از وصل او بے حاصلے بود
کہ ما دیدیم محکم غافلے بود

یک چراغے ست دریں خانہ کہ از پرتو آن
ہر کجا می نگرم انجمنے ساختہ اند

آنانکہ بجز روے تو جائے نگرانند
کوتہ نظرانند چہ کوتہ نظرانند

غزل

حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ
(از کلمات طیبات ص۱۹۱)

بزلف پیچ در پیچ کسے گم کردہ ام خود را
خروشے در دل شبہائی کردم چہ می کردم

غم تحصیل و بار شغل و درد عزل می بینم
جنون ترک منصبہائی کردم چہ میکردم

کسے با مل ہمی سازد کسے با گل ہمی بازد
گر من یاد آن لبہائی کردم چہ میکردم

می تحقیق را از خم مشربہا برون دیدم
خروج از قید مشربہائی کردم چہ میکردم

حجاب وصل مطلوب ست دل بستن بمطلبہا
آئین گر ترک مطلبہا نمی کردم چہ میکردم

لہ۱۵ اشارہ است بان کہ معارفے کہ تعلق بشرائع ندارد تقلید شخصی پسندیدہ ہست ۱۲ (کلمات طیبات ص۱۹۲)

بزبان اردو

خدا جانے کہاں جانا ہے ناواقف ہوں منزل سے — ازل سے پھرتے پھرتے گور تک پہونچا ہوں مشکل سے
اب کے جنون میں فاصلہ شاید نہ کچھ رہے — دامن کے چاک اور گریباں کے چاک میں

رباعی

تھا جوش و خروش اتفاقی ساقی — اب زندہ دلی کہاں ہے باقی ساقی
میخانہ نے رنگ و روپ بدلا ایسا — میکش میکش رہا نہ ساقی ساقی

رونا کہاں ہوا مجھے دل کھولکر نصیب — ہم رضا شیوہ ہیں تاویل ستم خود کرلیں
دو آنسوؤں میں نوح کا طوفاں آگیا — کیا ہوا آن سے اگر بات بنائی نہ گئی

قطعہ از داغ

لگے بڑھنے جوں جوں کہ ہوش و خرد — لگیں ساتھ بڑھنے پریشانیاں
بڑھاپے کی دانائی لیکر کوئی — بدلدے وہ بچپن کی نادانیاں

اکبر الہ آبادی

سدھاریں شیخ کعبہ کو ہم انگلستان دیکھیں گے — وہ دیکھیں گھر خدا کا ہم خدا کی شان دیکھیں گے
حسینان عدو اتقا سے سامنا ہوگا — میں دیکھوں گا انھیں اور وہ میرا ایمان دیکھیں گے
جوانوں کو ذرا پروا نہیں بے اعتدالی کی — بڑھاپے میں نتیجہ اس کا یاران دیکھیں گے

حسرت موہانی

اسی امید پہ اب تک گلہ نہیں کرتا — کہ شاید اس کا تغافل ہو امتحاں کے لئے
یہ سوز اور یہ خموشی ستم ہے عاشق پر — الٰہی نطق ملے شمع کی زباں کے لئے
کہاں کی لوح کہاں کا مزار کافی ہے — کسی نشاں کا نہ ہونا مرے نشاں کیلئے
شکایت اہل زمیں کو ہے کس زمانے سے — برا ابتلک نہ ہوا کچھ بھی آسماں کیلئے

میری محرومیوں کی حد نہ رہی — شب وہی ہے شب ہے دن وہی دن ہے
تیرے احسان بے شمار ہوئے (حسرت) — جو تری یاد میں گذر جائے

جگر مرادآبادی

قید قفس میں یاد بہار آئی ہے مجھے
نشتر بنے ہوئے ہیں پر و بال آجکل

تا چند کریں ضبط مرے آبلہ پا
سوکھی ہوئی کانٹوں کی زباں دیکھ رہے ہیں

نہ جانے کان میں کیا کہہ دیا محبت نے
پلٹ گئے مرے نالے لبوں تک آئے ہوئے

کچھ داغ دل سے تھی مجھے امید عشق میں
اب رفتہ رفتہ وہ بھی چراغ سحر ہوا

کیا کیا فریب دل کو دیئے اضطراب میں
ان کی طرف سے آپ لکھے خط جواب میں

کہاں سے کہاں لے گیا آب و دانہ
قفس سے بہت دور تھا آشیانہ

کچھ کھٹکتا تو ہے رہ رہ کے مرے پہلو میں
اب خدا جانے تری یاد ہے یا دل میرا

ہر چند کہ تھمتے نہیں آنسو صفت شمع
بارے تری محفل کا سماں دیکھ رہے ہیں

محفوظ اک جگہ بھی نہیں جسم زار میں
خود بن گیا ہوں اپنا گریبان بہار میں

مہمان ہے وہ غیرت خورشید و قمر آج
دن آج ہے رات آج ہے شام آج سحر آج

لطف جینے کا اگر ہے تو کسی کی یاد میں
اور مزا مرنے کا گر ہے تو کسی کے غم میں ہے

جھکی ہوں نہ جو ما سوا اللہ کے آگے
میں وہ نور پیشانیاں ڈھونڈتا ہوں

نیچی نیچی نگاہ کیا کہئے
بس خدا کی پناہ کیا کہئے

زیست کیونکر سنوار دیتی ہے
ایک کرم کی نگاہ کیا کہئے

وقت آخر اُنھیں نہ دیکھ سکے
اشک تھے سد راہ کیا کہئے

اب نظر ہے ترے کرم ہی پر
اپنی فرد گناہ کیا کہئے

اب جواب اب جواب آیا
تکتے رہتے ہیں راہ کیا کہئے

دل میں پہلے پہل جو اتری تھی
ہائے وہ ایک نگاہ کیا کہئے

دل کو کھویا بُرا کیا حامد
ایک تھا خیر خواہ کیا کہئے

اقبال مرحوم

بیدار ہوں دل جس کی فغان سحری سے
اس قوم میں مدت سے وہ درویش ہے نایاب

خرد دیکھے اگر دل کی نگہ سے
جہاں روشن ہے نور لا الٰہ سے

بدست ما نہ سمر قند و نے بخارا ست
دعا بگو ز فقیراں تبرک شیرازی

کوئی اس وقت دیکھے بیکسی آشفتہ حالوں کی
نگاہ یاس بھی جب ترجمان دل نہیں ہوتی

لبوں پر ثبت ہے مہر خموشی
مگر نظروں میں اک پیغام بھی ہے

محبت کو ہے عمر خضر بھی کم
محبت منزل یک گام بھی ہے

لپٹ کر دوری منزل کے غم میں رو لئے اکثر
غبار کارواں سے ہم غبار کارواں ہم سے

شریک تقدیر لالہ و گل مرا دل داغدار بھی ہے
خزاں کے کشتوں کو رونے والو کوئی شہید بہار بھی ہے

سنا رہا ہوں فسانہ غم مگر توجہ کہاں ہے تیری
میں تجھ سے باتیں بھی کر رہا ہوں مجھے ترا انتظار بھی ہے

کسی نے پیمان عشق و الفت کچھ اس ادا سے کیا تجھ سے
کہ جس قدر بدگمانیاں ہیں اسی قدر اعتبار بھی ہے

مجھے اپنی راتوں کی ظلمت سے پیاری
ستاروں کی بخشی ہوئی روشنی سے

اے نامراد شوق ذرا ہاتھ اٹھا کے دیکھ
کوشش کے ساتھ ایک طریقہ دعا بھی ہے

زمیں بھی نہ اٹھائیگی میرے خاک کا بار
گرا دیا مجھے تمنے اگر نگاہوں سے

محفوظ ایک جگہ بھی نہیں جسم زار میں
خود بن گیا ہوں اپنا گریبان بہار میں

کچھ داغ دل سے تھی مجھے امید عشق میں
اب رفتہ رفتہ وہ بھی چراغ سحر ہوا

مولانا محمد علی جوہر

یوں قید سے چھٹنے کی خوشی کس کو نہ ہوگی
پر تیرے اسیروں کی دعا اور ہی کچھ ہے

نے سائل دولت ہیں نہ عزت کے طلبگار
اس در کے فقیروں کی صدا اور ہی کچھ ہے

سرکش نہیں باغی نہیں غدار نہیں ہم
پر ہم پہ تقاضائے وفا اور ہی کچھ ہے

یہ صدر نشینی ہو مبارک تجھے جوہر
لیکن صلۂ روز جزا اور ہی کچھ ہے

فرق آنکھوں میں نہیں فرق ہے بینائی میں
عیب بیں عیب ہنرمند ہنر دیکھتے ہیں

غم فرقت میں بھی آتی نہیں اے چرخ جو موت
کیا کوئی صدمہ پے جان حزیں اور بھی ہے

اکبر الہ آبادی رح

لکھوا اس غیرت لیلیٰ سے یہ پیغام صبا
ہلوے قیس مرا ایک و رثہ نشیں اور بھی ہے

قابلیت تو بہت بڑھ گئی ماشاء اللہ
مگر افسوس یہی ہے کہ مسلماں نہ رہے

امید حور میں مسلم تو ہو گیا ہوں مگر
خدا ہی ہے کہ مجھے یہ پہنچگا نہ ہے

ہو دعویٰ توحید مبارک تمہیں اکبر
ثابت بھی کرو اس کو مگر طرز عمل سے

ذرا سی دیر ہی ہو جائیگی تو کیا ہوگا
گھڑی گھڑی نہ اوٹھاؤ نظر گھڑی کی طرف

میں تو بتخانہ میں گاہک نہوا عزت کا
دین کے بدلے میں ملتی تھی تو سستی کیا تھی

یاروں نے سو طرح کے مشاغل کئے بہم
لیکن مجھے تو فکر مے و جام ہی رہی

ابتک اسی روش پہ ہے اکبر مست و بیخبر
کہدے کوئی عزیز من فصل بہار ہو چکی

موقع بحث نہیں حسب اقبال ہیں آپ
مری ہر بات بری آپ کی ہر بات اچھی

کتاب حقیقت کرے کون ختم
کہ ہر ایک خبر مبتدا ہو گئی

ایک زمانہ میں یہ خواہش تھی کہ جانیں ہم کو لوگ
اب یہ رونا ہے کہ ہم کیوں اسقدر جانے گئے

حالت نہ پوچھئے میرے شیب و شباب کی
دو کروٹیں تھی عالم غفلت کے خواب کی

مصحف کا ایک صفحہ جبیں ہے جناب کی
تقریظ حق نے لکھی ہے اپنی کتاب کی

سواد نجد نہ صحرائے بے ستون چھوڑا
ہمارے شوق نے بھٹکے کہاں کہاں کے لئے

بخدا ہند کے پرزے بھی غضب ڈھاتے ہیں
یہ غلط ہے کہ ولایت ہی کا مال اچھا ہے

گھر کے خط میں ہے کہ کل ہو گیا بیہلم اس کا
پانیر لکھتا ہے بیمار کا حال اچھا ہے

دل ہی دیتا تھا یہ دین بھی کرتے تھے طلب
یہی باعث تھا کہ اکبر سے بتوں سے نہ بنی

حقیقت پوچھ گل کی بلبلوں سے
بھلا اس کو صبا کیا جانے کیا ہے

شکر ہے تم نے مرے درد کی کچھ داد تو دی
نہ دوا کی نہ سہی رخصت فریاد تو دی

بار خاطر ہو تو واعظ کا بھی ارشاد برا
دل کو بہا جائے تو اکبر کی خرافات اچھی

ہم بغل شاہد دل جو ہو تو جاڑا اچھا
ہمنشیں ساقی مہوش ہو تو برسات اچھی

آگ ہے اولاد ابراہیم ہے نمرود ہے
کیا کسی کو پھر کسی کا امتحاں مقصود ہے

گل ہوا چاہتی ہے شمع حیات
اب خدا ہی سے لو لگائی ہے

ان کو کبھی خیال ہو میرا یہ وہم ہے
جاگیں مرے نصیب یہ باتیں ہیں خواب کی

دام میں یار کے میں دیدہ و دانستہ پھنسا
مجھکو ناداں نہ سمجھیں دل دانا والے

عشق بے پردہ محبت سے دکھاتا ہے چراغ
راہ نہ بھولیں نہ کہیں وادی موسیٰ والے

۱

بے زباں بھیجے جو بھیجے کبھی تم نے قاصد
خط لکھائے تو بلا کر خط لغزا والے

آپ کیوں حشر میں پھرتے ہیں بھٹکتے محسن
چلئے بیٹھے ہیں جہاں یثرب و بطحا والے

اکبر مرحوم

زندگی کا مزا دل کا سہارا نہ رہا
ہم کسی کے نہ رہے کوئی ہمارا نہ رہا

پوچھتا کوئی دم مرگ سکندر اکبر
کتنے دن کی یہ تعلی تھی کہ دارا نہ رہا

جب یہ دیکھا کہ جہاں میں کوئی میرا نہ رہا
شدت یاس سے میں آپ بھی اپنا نہ رہا

آپ تصنیف شرائط کی نہ تکلیف کریں
مجھکو خود ولولہ عرض تمنا نہ رہا

اس کی پروا نہ رہی خوش رہے دنیا مجھ سے
عاقلوں میں مری گنتی ہو یہ سودا نہ رہا

منتشر رہتے ہیں پاتے ہیں اب آرام حواس
شوق مجموعہ ہوش خرد افزا نہ رہا

حیرت افزا ہے مرا حال مگر کون سنے
دیدنی بھی ہے مگر دیکھنے والا نہ رہا

خانہ امید آتا ہے نظر اجڑا ہوا
دل کو حیرت ہے کہ یا اللہ کیا تھا کیا ہوا

کیا کسی بزم طرب میں ہوں میں اے اکبر شریک
آنکھ بھی روتی ہوئی ہے دل بھی ہے کڑھا ہوا

بزم ہستی میں تیرے پیش نظر کیا کچھ نہ تھا
دیکھتے ہی دیکھتے لیکن جو دیکھا کچھ نہ تھا

یہ دونوں مسئلے ہیں سخت مشکل
نہ پوچھو تم کہ میں کیا اور خدا کیا

رہا مرنے کی تیاری میں مصروف
مرا کام اور اس دنیا میں تھا کیا

وہاں قالوا بلیٰ یاں بت پرستی
ذرا سوچو کہا کیا تھا کیا کیا

اکبر کے کفر سچا فرما قدرداں کوئی
اس بت کو شیخ جی نے مسلماں کر لیا

جہان فانی کی حالتوں پر بہت نوحہ عبث ہے اکبر
جو ہو چکا ہے وہ پھر نہ ہوگا جو ہو رہا ہے وہ ہو چکے گا

مصیبت ہے مجھے اس بت سے الفت ہو گئی اکبر
کہ جس کو بتکدہ میں بھی کوئی اچھا نہیں کہتا

۱

کلیات محسن کاکوروی

مجھے تو پسند اور مجنوں کو لیلیٰ
نظر اپنی اپنی پسند اپنی اپنی

دامن سے وہ پونچھتا ہے آنسو
رونے کا کچھ آج ہی مزا ہے

مجذوب

ہر تمنا دل سے رخصت ہو گئی
اب تو آجا اب تو خلوت ہو گئی

لاکھ جھڑکو اب کہاں پھرتا ہے دل
ہو گئی اب تو محبت ہو گئی

آ گئے پہلو میں راحت ہو گئی
چل دیئے اٹھ کر قیامت ہو گئی

جگر

مری طلب بھی کسی کے کرم کا صدقہ ہے
قدم یہ خود نہیں اٹھتے اٹھائے جاتے ہیں

اکبر الہ آبادی

نئے طریقوں سے مقصد شرع کارفرما نہ ہو سکیگا
ادھر سے پردہ نہ ہو سکیگا ادھر سے تقویٰ نہ ہو سکیگا

دوا ترقی کی میں نے دیکھی بصد ادب ہے یہی گذارش
مرض ترقی کریگا اس سے مریض اچھا نہ ہو سکیگا

ایضاً اکبر

کھڑے ہیں یار رشسدر حسرت و عبرت کا مضمون ہے
نہ جنگل نہ ناقہ ہے نہ لیلیٰ ہے نہ مجنون ہے

وہ رنگ بزم اب اکبر کہاں بہتر ہے اٹھ جاؤ
یہی بس ایک تدبیر سکون جان محزوں ہے

ایضاً

آمادہ حریف ہیں ستانے کے لئے
اور دکھ میں شریک ہونیوالا نہ رہا

زندہ ہوں تو مجھپہ ہنسنے والے ہیں بہت
مرجاؤں تو کوئی رونے والا نہ رہا

مجذوب

تم مرے پاس ہوتے ہو گویا
جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

میرے لئے خواہاں جو خدا سے ہیں شفا کے
وہ کوس رہے ہیں مجھے پردہ میں دعا کے

تمھیں تو حد نظر تک درود آسان تھا
اگر بلند میں اپنی نگاہ کر نہ سکا

ہیں چاک گریبان کے بخیوں میں شکن ابتک
کل عالم وحشت میں کس نے مجھے چھیڑا تھا

نازک مزاج پھول کا منہ سرخ ہو گیا　　چٹکی سی ایک لی تھی نسیم بہار نے

تصور میں وہ ان کی غمگساری　　کہ جیسے دل کو دل سمجھا رہا ہے

نہ چھیڑ اے تنگیٔ صحن چمن پھر لوٹ جاؤں گا　　تصور کی نگاہوں میں ابھی صحرا سلامت ہے

مجذوب

پھرتا ہوں دل میں یار کو مہماں کئے ہوئے　　سارے جہاں کو کوچۂ جاناں کئے ہوئے

جگر

مری طلب بھی کسی کے کرم کا صدقہ ہے　　قدم یہ اٹھتے نہیں ہیں اٹھائے جاتے ہیں

مخمس از حضرت مجذوب بر وفات صاحبزادہ خویش

نگاہوں سے جدا وجہ جلوہ جانانہ ہو جائے　　تو نظروں میں مری تاریک کیوں دنیا نہ ہو جائے

نصیحت تیری ناصح شکوۂ بیجا نہ ہو جائے　　رواں بے اختیار آنکھوں سے کیوں دریا نہ ہو جائے

کروں کیا صبر کا لبریز جب پیمانہ ہو جائے

یہ عالم عیش و عشرت کا یہ حالت کیف و مستی کی　　بلند اپنا تخیل کر یہ سب باتیں ہیں پستی کی

جہاں در اصل ویرانہ ہے گو صورت ہے بستی کی　　بس اتنی سی حقیقت ہے فریب خواب ہستی کی

کہ آنکھیں بند ہوں اور آدمی افسانہ ہو جائے

کسی کو رات دن سرگرم فریاد و فغاں پایا　　کسی کو فکر گوناگوں سے ہر دم سرگراں پایا

کسی کو ہم نے آسودہ نہ زیر آسماں پایا　　بس ایک مجذوب کو اس غمکدہ میں شادماں پایا

جو بچنا ہو غموں سے آپ کا دیوانہ ہو جائے

مجذوب

سکون دشمن طلاطم آشنا دل ہوتا جاتا ہے　　وفور موج سے گرداب ساحل ہوتا جاتا ہے

بمقدار جنون مجذوب عاقل ہوتا جاتا ہے　　کہ ہوش اپنا تو زائل ان کا حاصل ہوتا جاتا ہے

نگاہ خلق میں دنیا کی رونق بڑھتی جاتی ہے　　مری نظروں میں پھیکا رنگ محفل ہوتا جاتا ہے

عبید

ٹھہر کر ذرا آئے فصل بہاراں

گریباں سینے کو جی چاہتا ہے

مشرقی پاکستان عادل صاحب

قیامت ہی قیامت ہے کہیں معلوم ہوتی ہے — یہ دنیا تیرے کوچہ کی زمیں معلوم ہوتی ہے
نگاہ ناز جانان خشمگیں معلوم ہوتی ہے — یہ غصہ کی ادا کتنی حسیں معلوم ہوتی ہے

مجذوب

جب تلک یک نفس میں دم رہا — تجھ کو ڈھونڈھا تھک کے آخر تھم رہا

جب مہر نمایاں ہوا سب چھپ گئے تارے — تو مجھکو بھری بزم میں تنہا نظر آیا
حسرت سے اسے دیکھ کے آنسو نکل آئے — دنیا میں مجھے جب کوئی ہنستا نظر آیا

صد شکر کہ آ پہونچا لب گور جنازہ
لو بحر محبت کا کنارہ نظر آیا

میں تو تنہا ہی چلا تھا جانب منزل مگر — لوگ کچھ ملتے گئے اور قافلہ بنتا گیا

صبح تک شمع بھی نہ چھوڑی تو نے اے باد صبا — یادگار رونق محفل تھی پروانے کی خاک

یہ ننگ عاشقی ہیں سود و حاصل دیکھنے والے — یہاں گمراہ کہلاتے ہیں منزل دیکھنے والے

خط ساغر میں راز حق و باطل دیکھنے والے — ابھی کچھ لوگ ہیں ساقی کی محفل دیکھنے والے

کٹی ہے رات تو ہنگامہ گستری میں تری — سحر قریب ہے اللہ کا نام لے ساقی

مناجات

دل قاسی کو یارب اتنو بس درد آشنا کردے — عطا وہ درد کر جو سارے دردوں کی دوا کردے
مٹا دے یا الٰہی لوح دل سے نقش باطل کو — مجھے اب این و آں کے غم سے اے مولا رہا کردے

نگاہ خلق میں دنیا کی رونق بڑھتی جاتی ہے
مری نظروں میں پھیکا رنگ محفل ہوتا جاتا ہے

جگر مراد آبادی

جب دیکھ نہ سکتے تھے تو دریا بھی تھا قطرہ — جب آنکھ کھلی قطرہ بھی دریا نظر آیا
قربان تری شان عنایت کے دل و جان — اس کم نگہی پر مجھے کیا کیا نظر آیا

حدودِ کوچۂ محبوب ہیں اس سے شروع　　جہاں سے پڑنے لگیں پاؤں ڈگمگائے ہوئے

عمریں گذریں صدیاں بیتیں　　ہے وہی آہنگ عقل کا بچپن
علم ہی ٹھہرا علم کا باغی　　عقل ہی نکلی عقل کی دشمن
کانٹوں کا بھی حق ہے آخر　　کون چھڑائے اپنا دامن

سینے میں پھر بھڑکنے لگی آتشِ خزاں　　دامن سے پھر معاملہ چشمِ تر ہوا
رگ رگ نے صدقے کر دیا سرمایۂ شکیب　　اللہ کس کا خانۂ دل میں گذر ہوا

دن وہی دن ہے شب وہی شب ہے　　جو تری یاد میں گذر جائے

اقبال

کر بلبل و طاؤس کی تقلید سے توبہ　　بلبل فقط آواز ہے طاؤس فقط رنگ

بشیر درانی مقاصد

اللہ رے دورِ آزادی اب ہم جو غزلخواں ہوتے ہیں　　تفسیرِ مظالم ہوتی ہے اذکارِ شہیداں ہوتے ہیں
جب یادِ قفس آ جاتی ہے گلشن میں پریشاں ہوتے ہیں　　صد شرم مآلِ آزادی ہم مائلِ زنداں ہوتے ہیں

ظفر اکبر آبادی

تری نگاہ کا ایک جام چاہتا ہوں میں　　جوابِ گردشِ ایام چاہتا ہوں میں
خیالِ دوست بہت تھک چکا ہے ذہن مرا　　مجھے نہ چھیڑ اب آرام چاہتا ہوں میں

احسان دانش

نہ قائدین کے حلقوں میں لے چلو مجھ کو　　میں بے ادب ہوں ہنسی آ گئی تو کیا ہوگا

چند جدید مطبوعات

ساٹھ ہزار الفاظ کی مکمل عربی اردو ڈکشنری

المنجد
عربی اردو

المنجد اپنی جامعیت اور ترتیب کے لحاظ سے حقیقتاً دریا بکوزہ کا مصداق ہے، علما، طلبا اور شائقین عربی زبان سب ہی اس کی تعریف میں رطب اللسان ہیں، لیکن چونکہ کتاب عربی زبان میں تھی اس لئے اردو تعلیم یافتہ طبقہ اس سے کوئی فائدہ حاصل نہیں کر سکتا تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ ہم نے سالہا سال کی محنت اور صرف کثیر کے بعد ملک کے ممتاز علماء اور ماہرین عربی کی ایک جماعت کے ذریعہ اس ڈکشنری کا اردو ترجمہ اور ترتیب عربی کی مشہور اور بلند پایہ کتب سے مدد لیکر جدید الفاظ کا شاندار اضافہ کیا ہے۔

خصوصیات کتاب (۱) مقدمہ جس میں لغت کی تاریخ اور ماہرین لغت کے حالات درج ہیں۔ (۲) ساٹھ ہزار عربی الفاظ کی بہترین اردو تشریح کی گئی ہے (۳) عربی المنجد و دیگر کتب میں عیسائی مؤلفین نے جو تحریف کی تھی ان کی اصلاح کی گئی ہے۔ (۴) تین ہزار سے زائد عربی اردو محاورات و ضرب الامثال درج ہیں۔ (۵) نادر اور اہم ترین اشیاء کی عکسی تصاویر حل الفاظ کے لئے دی گئی ہیں۔ (۶) صحت و تصحیح خصوصی توجہ کے ساتھ کرائی گئی ہے (۷) کتابت و طباعت دیدہ زیب اور معیاری۔ (۸) کاغذ سفید، صفحات ۱۵۵۲، سائز ۲۰×۳۰ (۹) جلد نہایت مضبوط مع سنہری ڈائی و حسین سرورق۔ ان خصوصیات کی وجہ سے یہ ڈکشنری علما، طلبا، نیز شائقین عربی زبان، مدارس و لائبریریوں کیلئے بیش قیمت علمی خزانہ ہے۔ آج ہی اپنی لائبریری کے لئے ایک کاپی منگائیے۔ قیمت صرف ستائیس روپے ۲۷/-/-

دارالاشاعت مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی ۱

مختلف علوم وفنون کی اہم کتابیں

دریں کتاب پریشاں نہ بینی از ترتیب
عجب مدار کہ چوں حال من پریشان است

ثمرات الاوراق

یعنی

علمی۔ تاریخی۔ اخلاقی۔ ادبی متفرق مضامین نثر و نظم کا بہترین

کشکول

از تصانیف

مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ

ناشر
دار الاشاعت
مولوی مسافر خانہ کراچی ۱